ملکی وبین الاقوامی حالات اور سلگتے موضوعات پر ادارتی شذرات کا مجموعہ

تالیف

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید

حدیثِ دِل

(ملکی و بین الاقوامی حالات اور سلگتے موضوعات پر ادارتی شذرات کا مجموعہ)

(جلد دوم)

مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

ناشر: مکتبہ لدھیانوی، کراچی

نام کتاب: حدیث دِل (جلد دوم)
مصنف: مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ
ناشر: مکتبہ لدھیانوی
سن اشاعت: اکتوبر ۲۰۰۶ء
صفحات: ۵۱۹

فہرست

اصلاحِ معاشرہ

اربابِ اقتدار

تجدد پسندی و روشن خیالی

رَدِّ قادیانیت

حالاتِ حاضرہ

اصلاحِ معاشرہ

ہدایاتِ الٰہیہ سے انحراف کا نتیجہ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

تیز رفتاری ہے، لیکن جانبِ منزل نہیں!

انسانی زندگی کے ہر شعبے میں برق رفتاری پیدا ہوگئی ہے، اور بعض اوقات یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ آخر انجام سے بے نیاز طلبِ مجہول میں انسان اس قدر کیوں رواں دواں ہے؟ کیونکہ آج سے ۱۵-۲۰ سال قبل جس انقلاب کے لئے ایک طویل مدّت درکار ہوتی تھی اب وہ چشمِ زدن میں برپا ہوجاتا ہے۔ مگر یہ سب ...برق رفتاری... انسانیت کو کامیابی کے بجائے نامرادی کی جانب لے جارہی ہے، ایک لمحے کے لئے اگر اس پر غور کیا جائے تو اس کے اصل محرکات اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان اپنے فرائض کو فراموش کرچکا ہے خدائے واحد لاشریک کی ہدایات اور سیّد المرسلین خاتم النبیّین علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ کو ترک کرکے طاقِ نسیان کے حوالے کرچکا ہے، جس کے نتیجے میں وہ دُنیا و آخرت کے مفاد کو سوچے سمجھے بغیر ہر نئی صدا پر لبیک کہتا چلا جارہا ہے، چاہے وہ دُنیا میں اس کے لئے ذلت و بربادی اور آخرت میں لعنت و ہلاکت کا موجب وسبب ہی کیوں نہ ہو۔

دُوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنا مخلوق ہونا تسلیم ہی نہیں، اس لئے کہ اگر ہمیں اپنا مخلوق ہونا تسلیم ہوتا تو کم از کم غیروں کی صدا پر لبیک کہہ کر اپنے خالق

کے اَحکام سے اس طرح بے اعتنائی نہ برتتے۔ کیونکہ اگر ہم سمجھتے کہ ہم بھی کسی کی مخلوق یا بنائے ہوئے ہیں تو ہمیں طلبِ مجہول کی بجائے اپنے بنائے جانے ...تخلیق... کی غرض و غایت کی تلاش ہوتی۔ چنانچہ اسی مرض کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.'' (الحشر:۱۹)

ترجمہ:...''(اے مسلمانو!) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنھوں نے خدا تعالیٰ کو بھلادیا، تو اللہ نے ان سے ان کے نفسوں کی بہتری بھی بھلادی، وہی (یعنی یہ سزا ان لوگوں کو ملتی ہے جو) اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑنے والے ہیں۔''

ایک دُوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ....'' (الجاثیہ:۲۳)

ترجمہ:...''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو اپنا معبود بنالیا ہے، اور باوجود سمجھ کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کردیا ہے (کیونکہ اس گمراہ نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات لینا چھوڑ دی ہیں)۔''

قرآن مجید کی ان دو آیات کے مفہوم پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ہدایاتِ الٰہیہ سے منہ موڑنے سے انسان گویا اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے، یعنی اس کو راہِ حق کی خبر ہوتی ہے، اور نہ اس کی تلاش کی فکر، اور ہر نئے پیدا ہونے والے فتنے کو نہ صرف خوش آمدید کہتا ہے بلکہ اس کو اپنانے میں اپنی کامیابی کا راز مضمر سمجھتا ہے۔ دراصل: ''خانۂ خالی را دیو گیرد'' (غیر آباد گھر میں دیو اپنا ڈیرہ ڈال لیتے ہیں) کے

مصداق جس دِل و دماغ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لئے جگہ نہ ہو، وہ شیطان کی جولان گاہ بن جاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ کا بندہ بننے کی بجائے شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ شیطان اپنے ماننے والوں کو راہِ راست پر نہیں آنے دے گا، اس کے برعکس اگر اسی دِل کی بنجر زمین میں تعلق مع اللہ اور اطاعتِ رسول کا بیج بودیا جائے، تو وہ نہ صرف شیطان کے دامِ تزویر سے نکل کر حلقہ بگوش رحمٰن بن جائے گا بلکہ وہ کفر و شرک اور غفلت کے سیاہ داغوں کو قلوب سے مٹادے گا، اور یہ برق رفتاری بجائے غلط سمت کے، صحیح سمت کو ہوجائے گی، جس سے یقیناً پوری انسانیت کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوجائے گا اور لوگوں کے خیالات، افکار، سوچنے، سمجھنے کے انداز، معمولاتِ زندگی، معاشرت اور رہن سہن، غرض ہر شعبۂ زندگی میں ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ شبلیؒ و غزالیؒ کی یاد تازہ ہوجائے گی۔

ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بلکہ پوری انسانیت کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماویں، آمین!

وما علینا الا البلاغ

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۵، ۷ تا ۱۲/رجب ۱۴۰۳ھ)

مرد وزن کا اِختلاط اور اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

''شاہ فہد نے تمام سرکاری محکموں اور نجی کاروباری اداروں کو ایک بار پھر ہدایت کی ہے کہ خواتین کو ایسے کاموں کے لئے ملازم نہ رکھا جائے جہاں وہ مردوں کے ساتھ خلط ملط ہوسکتی ہوں۔ مکہ معظّمہ سے شائع ہونے والے ممتاز اخبار ''الندوۃ'' کے مطابق اس مقصد کے لئے شاہ فہد کی جانب سے ایک سرکلر جاری کیا گیا، جس میں کہا گیا ہے کہ اسلامی قانون میں خواتین کو ایسے کاموں کی ممانعت کی گئی ہے، جو ان کی فطرت سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ سرکاری ذرائع کے مطابق ان اَحکام کا اطلاق نہ صرف سعودی، بلکہ سعودی عرب میں مقیم غیرملکی خواتین پر بھی ہوگا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۹/اپریل ۱۹۸۳ء)

شاہ فہد کا مندرجہ بالا بیان اسلامی فکر کا آئینہ دار ہے، اور کوئی مسلمان اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سعودی فرمانروا جناب شاہ فہد نے یہ بیان دے کر مسلم سربراہان کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے، اس لئے کہ یہ بیان جیسے معاشرتی اصلاح کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، ویسے ہی یہ دِینِ اسلام کے اَحکام اور

فطری تقاضوں کے بالکل عین مطابق ہے۔

صنفِ نازک (عورت) کو اسلام نے انتہائی عزّت و احترام سے نوازا ہے جس سے نہ صرف آج کے مرد نا آشنا ہیں، بلکہ خود عورتیں بھی اپنے اس مرتبہ و مقام سے بے بہرہ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علومِ اسلامیہ میں قرآنِ کریم سے لے کر فقہِ اسلامی کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں عورتوں سے متعلق یہ اَحکام موجود ہیں کہ عورت کو کسبِ معاش کی خاطر گھر سے نکالنا اس کی توہین و تذلیل کے مترادف ہے، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسا کوئی جزئیہ نہیں ملتا جو عورت کے بلاضرورتِ شدیدہ کسبِ معاش کے جواز پر بطور دلیل پیش کیا جاسکے، اسی لئے شریعت نے باپ، خاوند، بیٹے، بھائی وغیرہ بالترتیب اقرب فالاقرب محرَموں پر لازم کیا ہے کہ وہ عورت کی کفالت کرے۔ اگر بالفرض ان اقارب میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتو حکومتِ وقت پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے مصارف برداشت کرے اور بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرّر کرے۔ لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلام دُشمن عناصر نے اس کے برخلاف سیدھے سادے مسلمانوں کو مغرب پرستی کی خوش نما بھٹی میں جھونک دیا ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف معاشرہ اسلامیات سے عاری ہوگیا ہے بلکہ دِینِ اسلام کے حقائق کو بھی مغرب کی عینک سے دیکھتے ہوئے اسبابِ تنزل کو باعثِ کامیابی اور معائب کو محاسن سمجھا جانے لگا ہے۔ عورت جو کل تک گھر کی زینت، اور حیا و شرم کا مجسمہ تھی، آج وہی گھر کو خیرباد کہہ کر دفاتر و بازار کی زینت بن چکی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ بچی جو کل تک ...مشرقیت کی برکت سے ... مارے شرم و حیا کے اپنے باپ کے سامنے آنے سے گریزاں تھی، افسوس کہ آج وہی نہ صرف بے باک ہے بلکہ چادر و چاردیواری کو پھلانگ کر اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے لانوں میں مذہبی بندھنوں سے آزاد اپنے آپ کو مغرب کی جھولی میں جھونک کر نہ صرف مطمئن ہے بلکہ اس بے حیائی پر نازاں ہے۔

ہمارے خیال میں مرد و زن کا بے حجابانہ اختلاط، مخلوط طرزِ معاشرت اور طریقۂ تعلیم جہاں شریعتِ حقہ سے متصادم ہے، وہاں بہت ساری قباحتوں کا پیش خیمہ بھی ہے، جن میں سے بعض گفتنی اور بعض ناگفتنی ہیں۔

آخر میں ہم اپنے اربابِ اقتدار سے گزارش کریں گے کہ اگر بالفرض عورتوں کی ملازمت کیئے بغیر ملکی نظم ونسق کا باقی رہنا مشکل ہے، تو کم از کم اتنا ضرور کیا جائے کہ لیڈیز سیکشن علیحدہ قائم کیا جائے، جس سے کم از کم مرد و زن کے اِختلاط جیسی لعنت سے رستگاری ہو اور ہم عنداللہ مأجور ہوں۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۹، ۶ تا ۱۲رشعبان۱۴۰۳ھ)

اسکولوں میں
ناظرہ قرآن کو لازمی قرار دیا جائے
وفاقی محتسب کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ دنوں وفاقی محتسب جناب جسٹس سیّد عثمان علی شاہ نے اپنے علاقائی دفتر کراچی میں ایک اہم فیصلہ سنایا، جس میں وزارتِ تعلیم کو ہدایت کی گئی ہے کہ اسکولوں میں ناظرہ قرآنِ کریم کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے، اور تیسری جماعت سے شروع ہوکر ساتویں جماعت تک ناظرہ قرآنِ کریم مکمل ہونا چاہیئے۔ جو طالب علم ناظرہ قرآنِ کریم کے امتحان میں فیل ہوجائے اُسے اگلے درجے میں ترقی نہ دی جائے۔

وفاقی محتسب کا فیصلہ نہایت ہی اہم، ضروری اور قابلِ تحسین اور لائق صد مبارک باد ہے، فیصلے کا متن اپنی اہمیت کے پیشِ نظر اس لائق ہے کہ اُسے ''بینات'' میں محفوظ کردیا جائے:

> ''کراچی (پ ر) وفاقی محتسب جناب جسٹس سیّد عثمان علی شاہ نے ایک شہری کی درخواست پر کاروائی کرتے ہوئے وفاقی وزارتِ تعلیم کو ہدایت کی ہے کہ ناظرہ قرآن کی تعلیم کو تیسری جماعت سے ساتویں جماعت تک علیحدہ سے لازمی مضمون کے طور پر نصاب میں شامل کیا جائے۔ وفاقی محتسب

نے اپنے فیصلے میں جو کہ ۱۶ ردسمبر ۱۹۹۱ء کو دیا گیا، کہا کہ میں نے پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک کے تعلیمی نصاب کا مطالعہ کیا ہے، جس میں ناظرہ قرآن کی تعلیم تیسری جماعت سے ساتویں جماعت تک شامل ہے، جبکہ آٹھویں جماعت میں قرآن دُہرایا جاتا ہے، اسلامیات کے چار جزو ہیں۔ ا:...اراکین (اسلام)۔ ۲:...سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۳:...اخلاقیات۔ ۴:...ناظرہ قرآن۔ ہر جزو کے پچیّس نمبر ہیں۔ فیصلے میں کہا گیا ہے کہ پہلی سے دسویں تک کے نصاب میں ناظرہ قرآن بحیثیت لازمی مضمون کے شامل نہیں ہے اور اس میں فیل ہونے سے اگلی جماعت میں ترقی پر اثر نہیں پڑتا، اس لئے اس کے تسلی بخش نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ وفاقی محتسب نے فیصلے میں کہا ہے کہ میں سفارش کرتا ہوں کہ مضمون ناظرہ قرآن کے ۴۰ نمبر مقرّر کئے جائیں، اس مضمون میں پاس ہونا لازمی ہو، اس کا نتیجہ علیحدہ سے لکھا جائے، جو طالب علم اس میں فیل ہوجائے اُسے اگلے درجے میں ترقی نہ دی جائے، ہفتے میں کم از کم تین پیریڈ اس مضمون کے لئے مقرّر کئے جائیں۔ وفاقی محتسب نے وزارتِ تعلیم کو ہدایت کی ہے کہ اس سلسلے میں ضروری اَحکامات کے اجراء سے انہیں ۳۱ ردسمبر تک مطلع کیا جائے اور اس کے نفاذ کی حتمی رپورٹ انہیں ۳۰ رجون ۱۹۹۲ء تک بھجوائی جائے، اس کیس کی پیش رفت کا متواتر جائزہ لیا جائے گا۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۳۰ ردسمبر ۱۹۹۱ء)

نہایت ہی لائقِ تعجب اور باعثِ افسوس ہے یہ اَمر، کہ پاکستان کی ۴۴ سالہ تاریخ میں ابھی تک قرآنِ کریم کی ناظرہ تعلیم کو اسکولوں کے حساب و معاشیات کی

برابری کا ''شرف'' حاصل نہیں ہوسکا، کس قدر ستم ظریفی ہے کہ انگریزی، اُردو، حساب، معاشیات حتیٰ کہ ''پی.ٹی'' کے لئے تو اُستاذ مقرّر ہوں مگر ناظرہ قرآنِ کریم کے لئے کوئی اُستاذ یا پیریڈ مقرّر نہ ہو۔

مانا کہ ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم اسکول کے نصاب میں شامل ہے، مگر عملی طور پر اُسے اس درجہ غیرضروری اور غیراہم بنادیا گیا ہے کہ طلبہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ چنانچہ اسلامیات کے پیریڈ کے چار اجزاء میں سے ناظرہ قرآن کے صرف ۲۵ نمبر رکھے گئے ہیں، اور وہ بھی غیرلازمی، لہٰذا اگر کوئی لڑکا قرآنِ کریم نہیں پڑھتا تب بھی وہ باقی تین اجزاء میں سے کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر طلباء قرآنِ کریم کی طرف توجہ نہیں دیتے، اور یہ حقیقت ہے کہ عموماً جو بچے ابتدا میں قرآنِ کریم نہیں پڑھ سکتے وہ بعد میں بھی نہیں پڑھ پاتے، اور عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ انگریزی اسکولوں میں پڑھنے والے بچے اور غیرملکی ڈگریوں کے حامل حضرات اس دولت سے ...اِلَّا ماشاء اللہ... محروم ہی ہوتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اُس مضمون پر ہی زیادہ توجہ دی جاتی ہے جس کے پاس کئے بغیر اگلے درجے میں ترقی ممکن نہ ہو، جبکہ بدقسمتی سے قرآنِ کریم کی اہمیت وضرورت کو محسوس نہیں کیا گیا، جس کے باعث اس طرف توجہ بھی کم دی گئی۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت اس سلسلے میں مؤثر اقدامات کرے اور باقاعدہ مستند قراء کرام کا تقرّر کرکے ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم پر خصوصی توجہ دے۔ اگر اس میں تساہل سے کام لیا گیا تو ملک وقوم کے لئے نہایت نقصان دہ ثابت ہوگا، چنانچہ جو بچے آج قرآنِ کریم کی دولت سے محروم رہ گئے، کل جب وہ اسمبلیوں میں پہنچیں گے تو ان سے قرآن اور اسلام کی خدمت کی کیا توقع کی جاسکے گی؟ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دُوسرے تمام علوم مقاصد نہیں، بلکہ ترقیات کے ذرائع ہیں، لیکن قرآنِ کریم کا ہر ہر لفظ مقصد ہے، اور ہر ہر لفظ کے پڑھنے پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

ہم وفاقی محتسب کے فیصلے کی روشنی میں جنابِ صدر اور وزیرِاعظم سے کہنا چاہیں گے کہ اس اہم ترین مسئلے میں آج تک جس مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، دوبارہ اُسے نہ دہرایا جائے، ورنہ اگر یہی رَوِش رہی تو کیا بعید ہے کہ لادِین طبقہ اپنی قرآن دُشمنی کے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوجائے اور قرآن بیزاری کا سیاہ داغ آپ کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔

اسی طرح ہم علمائے کرام اور تمام مسلمانوں سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ رائے عامہ کو ہموار کرکے نہایت مؤثر انداز سے ایوانِ بالا تک اپنی آواز کو پہنچائیں، اور حکومت کو اور وزارتِ تعلیم کو مجبور کریں کہ وہ ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم کو لازمی قرار دے کر اس کے لئے اساتذہ کا بندوبست کرے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رجب ۱۴۱۲ھ مطابق فروری ۱۹۹۲ء)

گرلز کالجوں میں جنسی تعلیم!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

روزنامہ ''اُمت'' کراچی کی ۲۱ر ستمبر ۲۰۰۰ء کی اشاعت میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ حکومتِ پاکستان کی وزارتِ تعلیم نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعہ فرمان جاری کیا ہے کہ گرلز کالجوں میں جنسی تعلیم لازمی طور پر دی جائے، تاکہ ان بچیوں کو جنسی عمل کی مکمل تربیت دی جاسکے اور مانعِ حمل ادویات وغیرہ کے استعمال اور طریقۂ کار سے انہیں مکمل آگاہی ہو، اسی طرح انہیں ایڈز اور اس کے اسباب و محرکات سے بھی روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ روزنامہ ''اُمت'' کی خبر ملاحظہ ہو:

> ''کراچی (اسٹاف رپورٹر) وفاقی وزارتِ تعلیم کی ہدایت پر کراچی کے گرلز کالجوں میں جنسی تعلیم اور مانعِ حمل ادویات سے متعلق قابلِ اعتراض مواد پر مشتمل کتاب کی مفت تقسیم اور ایڈز پر لیکچرز کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں کراچی کے بیشتر خواتین کالجوں میں فرسٹ ایئر سے لے کر گریجویشن کی سطح کی طالبات کو نہ صرف ایسی کتب پڑھنے کو دی جارہی ہیں جن میں مانعِ حمل طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے، بلکہ ایسی ادویات سے بھی روشناس کروایا جارہا ہے جو منعِ حمل

میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ کراچی کے خواتین کالجوں میں ''عورتوں کی صحت کی کتاب'' نامی ایک کتاب مفت تقسیم کی جارہی ہے، جسے افروز کیمیکل انڈسٹریز کے تعاون سے بڑی تعداد میں شائع کروایا گیا ہے۔ بظاہر عورتوں کی صحت کے عنوان سے شائع کی گئی متذکرہ کتاب میں ایسا مواد شامل ہے جس میں منعِ حمل کے مؤثر طریقے اور ادویات کے نام شامل ہیں۔ اس کتاب میں منعِ حمل کی ادویات کے اثرات کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے، جبکہ خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے ایرانی پارلیمنٹ کے ۱۹۹۳ء کے ایک فیصلے کا اقتباس بھی شامل کیا گیا ہے، جس میں مختلف حوالوں سے خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں دلائل دیئے گئے ہیں۔ ''اُمت'' کی تحقیق کے مطابق جنسی تعلیم اور مانعِ حمل ادویات کے تعارف کے ساتھ ساتھ خواتین کالجوں میں ایڈز سے متعلق باقاعدہ لیکچرز کا بھی اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں کراچی کے خواتین کالجوں کے سربراہان نے نمائندہ ''اُمت'' کو بتایا کہ خواتین کالجوں میں جنسی تعلیم پر مبنی جو لٹریچر تقسیم کیا جارہا ہے اس کی وفاقی وزارتِ تعلیم نے باقاعدہ اجازت دی ہے۔ جبکہ والدین نے نمائندہ ''اُمت'' کو بتایا کہ اس سلسلے میں انہیں کہیں بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا اور ان کی لاعلمی میں معصوم بچیوں کو جنسی تعلیم کی طرف راغب کیا جارہا ہے......۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر:۸۷ میں ''بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟'' کے عنوان سے سوال و جواب کے ذریعہ عورت اور مرد کے ملاپ کے علاوہ بیٹا اور بیٹی کیسے پیدا کئے جاسکتے ہیں؟ اس

کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح کتاب کے صفحہ نمبر:۷۶ اور ۷۷ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر شادی کی رات لڑکی کنواری نہ ہو تو یہ ثابت کرنے کے لئے کیا ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں؟ (یہاں ان ترکیبوں کی تفصیل لکھی ہے جو قابلِ اعتراض مواد ہونے کے سبب شائع نہیں کی جارہی، ادارہ ''اُمت'')۔ کتاب کے صفحہ نمبر:۱۱۸ پر اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت میں کہا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کی پارلیمنٹ نے اپنے ۱۶رمئی ۱۹۹۳ء کے اجلاس میں فیصلہ کیا ہے کہ حکومت کے سماجی بہبود کے فوائد صرف انہی خاندانوں کو پہنچائے جائیں جن میں بچوں کی تعداد تین سے زائد نہ ہو۔ اس مضمون میں خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ مسلم معاشرے میں یہ عام خیال کیا جاتا ہے کہ پیدائش میں وقفہ یا برتھ کنٹرول جائز نہیں ہے، لیکن اقوامِ متحدہ کے پاپولیشن فنڈ کی شائع شدہ ایک کتاب کے مطابق ''اسلام پیدائش میں وقفے کی اجازت دیتا ہے'' اس مضمون میں خاندانی منصوبہ بندی کو اسلام میں جائز قرار دیئے جانے کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ مصر کی جامعہ الازہر کے پروفیسر عبدالرحیم عمران کی تصنیف کی ہوئی کتاب میں چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کے دوران نام وَر علماء اور ماہرینِ قانون کی رائے کے مطابق خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے۔ واضح رہے کہ اس کتاب کا نام اقتباس میں نہیں بتایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں پر اسلام میں پیدائش کے وقفے اور مغربی خاندانی منصوبہ بندی کو یکساں قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے جو اَصل میں اس کتاب کا وہ بنیادی مقصد ہے جو بالآخر

جنسی بے راہ روی اور ضبطِ ولادت پر منتج ہوتا ہے۔“

(روزنامہ ”اُمت“ کراچی ۲۱/ستمبر ۲۰۰۰ء)

اس خبر کی اشاعت سے شریف والدین اور دِین دار مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ چنانچہ مختلف حضرات کی جانب سے زبانی، تحریری اور ٹیلی فون پر استفسار کیا جارہا ہے کہ حکومت کا یہ اقدام اور ”فرمانِ شاہی“ کیونکر جائز ہے؟ کون نہیں جانتا کہ اس سے کم عمر اور ناپختہ عقل بچیوں کی فکر، سوچ اور ذہن خراب ہوں گے، معاشرے میں فتنہ و فساد اور جنسی انارکی پھیلے گی، سب سے بڑھ کر اس کا شدید اندیشہ ہے کہ اس سے معاشرے میں فحاشی، عریانی، بُرائی اور بدکاری کو فروغ ملے گا، اگر خدانخواستہ اس سیلابِ بلاخیز کو معصوم بچیوں کی ابتدائی اور بنیادی تعلیم میں داخل کردیا گیا تو معاشرے سے اسلامی تہذیب و تمدن اور شرافت و دیانت کے آثار و نشانات ختم ہوجائیں گے۔

غالبًا غلامانِ ہویٰ و ہوس کے خیال میں پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں نسلِ نو ہر میدان میں کارہائے نمایاں انجام دے چکی ہے، اگر کچھ کمی تھی تو صرف جنسی تعلیم کے فروغ کی۔ ورنہ ٹی وی، وی سی آر اور کیبل نیٹ ورک پر چلنے والی لچر و واہیات اور ننگی فلموں نے کون سی کمی چھوڑی ہے؟ ہاں! البتہ یہ کمی ضرور ہے کہ پاکستانی معاشرے میں یورپ و امریکہ کی طرح کنواری مائیں نہیں ہیں، ورنہ ٹی وی، وی سی آر اور کیبل لیڈ کی ”برکت“ سے قتل و غارت گری، آبروریزی اور حیاسوز فلموں کے ایمان کش مناظر سے متأثر خواتین کے گھروں سے فرار کے واقعات کچھ کم نہیں ہیں۔

وزارتِ تعلیم کے ان بزرچ مہروں نے اس نوٹیفکیشن اور حکم نامے کے ذریعہ اسلامی تہذیب و تمدن، دیانت و شرافت اور شرم و حیا کو نئی نسل کے دِل و دِماغ سے کھرچ کھرچ کر صاف کرنے کی اپنی سی پوری پوری سعی و کوشش کی ہے۔ یہ تو وقت بتائے گا کہ وہ اپنے اس عزم و ارادے میں کس قدر کامیاب ہوئے ہیں؟ اور

انہیں ان کے آقاؤں کی جانب سے اپنے فرائضِ منصبی میں کامیابی اور بہتر کارکردگی کے تمغے کا کس حد تک مستحق قرار دیا جاسکتا ہے؟ تاہم اگر یہ بات سچ ہے کہ واقعی وزارتِ تعلیم کی جانب سے ایسا کوئی نوٹیفکیشن جاری ہوا ہے تو ہمارے خیال میں وزارتِ تعلیم کے پالیسی ساز اور اس کتاب کے مرتبین کسی رو رعایت کے مستحق نہیں، وہ پوری قوم اور نسلِ نو کے اخلاقی قتل کے مجرم ہیں، ان پر اسلامی اقدار سے بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جائے اور انہیں سرِعام سزا دے کر نشانِ عبرت بنایا جائے۔

تف ہے اور ہزار بار تف ہے! ایسی وزارتِ تعلیم پر اور ان کے بے دِین، مادر پدر آزاد اور دِین دُشمن افسران پر، جو پاکستان اور پورے پاکستانی معاشرے کو اپنی طرح بے شرم و بے حیا سمجھتے ہوئے ان کی عفت مآب اور معصوم بچیوں کو جنسی تعلیم کے ذریعہ زنا کاری کی تربیت دینا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ وزارتِ تعلیم کا یہ فعل بے حیائی، بے راہ روی، بدکاری اور زنا کاری کو فروغ دینے کے مترادف ہے، جو کسی طرح قابلِ برداشت نہیں۔ کیا کوئی شریف انسان یہ گوارا کرسکتا ہے کہ اس کی بھولی بھالی بیٹی کو کالج میں تعلیم کے نام پر مانعِ حمل ادویات، کنڈوم کے استعمال کا طریقۂ کار اور اس کی تفصیل و ترکیب بتلائی جائے کہ اگر شادی کی رات لڑکی کنواری نہ ہو تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ کنواری ہے، کیا کیا ترکیبیں استعمال کی جائیں؟

دُوسرے الفاظ میں وزارتِ تعلیم قوم کی بیٹیوں کو شرم و حیا سے عاری کرکے انہیں زنا کاری کی راہ پر لگانا چاہتی ہے، اور وہ نئی نسل کو یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے تم سے جو ہوسکتا ہے، کر گزرو، تمہارا راز فاش نہیں ہوگا، فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

ہم گزارش کرنا چاہیں گے کہ وزارتِ تعلیم اپنے اس نوٹیفکیشن کو فوراً واپس لے، اور اگر وزارتِ تعلیم کے کسی حکم کے بغیر خواتین کالجوں میں ایسا ہو رہا ہے تو اس جرم کے مرتکب افراد کے خلاف کاروائی کی جائے، کیونکہ ایسی کتاب جس کے قابلِ

اعتراض مضامین کو اخبارات نا قابلِ اشاعت سمجھتے ہوں، انہیں شاملِ درس کرنا بے راہ روی، بے حیائی، حیاباختگی اور بے دِینی کو فروغ دینے اور نئی نسل کو مغربی تہذیب کے جہنم میں جھونکنے کے مترادف ہے۔

وزارتِ تعلیم اور اس کے لادِین عناصر کو قطعاً یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ مسلم معاشرے کی پاک باز، معصوم اور عفت مآب بنات کی عزّت سے کھیلیں! اسی طرح کالج کی انتظامیہ اور اساتذہ پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی ملّی غیرت اور دِینی حمیت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے ایمان کش اور حیاسوز مضامین کو کالج کی چاردیواری سے نکال باہر کریں۔

اسی طرح عورتوں کی صحت سے متعلق مفت تقسیم کی جانے والی کتاب، غالباً کسی عیسائی، یہودی این جی او کی شرارت ہوگی، اس کا کھوج لگا کر اس کے ناشر اور تقسیم کنندگان کے خلاف بھی فوراً کاروائی کی جائے۔

بالفرض اگر وزارتِ تعلیم، کالج انتظامیہ اور اساتذہ اس بے حیائی کا سدِ باب نہ کریں تو والدین اور تمام مسلمانوں پر اس بے حیائی کے خلاف جہاد کرنا لازم ہے، اور اس کے پہلے قدم کے طور پر اپنی بچیوں کو فوراً کالج سے اُٹھالینا چاہئے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رجب المرجب ۱۴۲۱ھ مطابق نومبر ۲۰۰۰ء)

نصابِ تعلیم کی تبدیلی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ کچھ دنوں سے نصابِ تعلیم سے متعلق ملکی اخبارات میں مختلف قسم کی خبریں گشت کر رہی ہیں، ایک طرف یہ کہا جارہا ہے کہ سرکاری اسکول و کالج کی دِینیات، اسلامیات، معاشرتی علوم اور جغرافیہ کے نصاب میں تبدیلی کر کے اس سے آیاتِ جہاد، جہاد کے مضامین، مینارِ پاکستان، ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے شہداء کے تذکرے، بھارت سے ممکنہ نفرت پیدا کرنے والے مضامین، قیامِ پاکستان کے بعد ملکی اثاثوں کی تقسیم، مسلمانوں کے قتلِ عام اور مسلمان خواتین کی عصمت دری و بے حرمتی وغیرہ موضوعات پر مبنی تمام ابواب ختم کرنے کی منظوری دے دی گئی ہے، اور دُوسری طرف ہماری وزیرِ تعلیم جناب زبیدہ جلال کا ارشاد ہے کہ:

> ''حکومت، پاکستان کی نظریاتی اساس اور اسلامی تشخص پر سمجھوتے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور تعلیمی نصاب میں اس لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں کی جارہی ہے، جہاد کے حوالے سے قرآنی آیات درسی کتب میں موجود ہیں، اس سلسلے میں پھیلائے جانے والے ابہام اور غلط فہمیوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا پاک بھارت تعلقات میں بہتری کی کوششوں کا نصاب کی

تبدیلی سے تعلق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کریں گے۔ انہوں نے قومی اسمبلی کی طرف سے توجہ دِلاؤ نوٹس پر بتایا کہ ایوان کو یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ اسلامی تشخص اور نظریاتی اساس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سورۂ توبہ کو طویل ہونے کی وجہ سے ہٹایا گیا ہے، اس کی بجائے جو دُوسری سورتیں شامل کی گئی ہیں ان میں بھی جہاد سے متعلق واضح پیغام موجود ہے......"

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۱۸/مارچ ۲۰۰۴ء)

صحیح صورتِ حال تو تب ہی واضح ہوگی جب جدید نصابِ تعلیم شائع ہوکر سامنے آئے گا، تاہم وزیرِ تعلیم صاحبہ کی اس وضاحت سے اتنا تو ثابت ہوگیا کہ وزارتِ تعلیم کی چھتری کے نیچے کچھ ایسے اسلام دُشمن عناصر موجود ہیں جن کے ایماء پر وزارتِ تعلیم کے بزرچ مہروں نے جہاد سے متعلق آیات، خصوصاً سورۂ توبہ کو نصابِ تعلیم سے خارج کردیا ہے، اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مصداق اس پر یہ دلیل دی جارہی ہے کہ چونکہ سورۂ توبہ اپنی طوالت کی وجہ سے قوم کے نونہالوں پر غیرضروری بوجھ تھی اس لئے اسے حذف کیا گیا ہے۔

حیف ہے ہماری بے غیرتی و بزدلی پر کہ ہم نے عملی جہاد تو پہلے ہی چھوڑ رکھا تھا، مگر افسوس! کہ اب ہم نے اپنے تعلیمی نصاب سے بھی آیاتِ جہاد و قتال کو کھرچ کھرچ کر صاف کرنا شروع کردیا ہے۔ ممکن ہے اگلے مرحلے میں ہم نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کو بھی نصابِ تعلیم سے نکال باہر کریں۔ کیونکہ جس طرح جہاد کو دہشت گردی کا معنی پہنا کر ہمیں دہشت گردی کے خلاف تعاون پر مجبور کیا گیا ہے اسی طرح عین ممکن ہے کہ کل ہمیں یہ کہا جائے کہ چونکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن حتیٰ کہ اسلام کے لفظ سے بھی بنیاد پرستی کے "جراثیم" پروان چڑھتے ہیں، اس لئے یہ بھی

ناقابلِ برداشت ہیں۔

اگر خدانخواستہ ایسی صورتِ حال پیش آجائے تو کیا ...نعوذ باللہ... ہم ان کو بھی اپنے نصابِ تعلیم سے خارج کر دیں گے؟ اگر نہیں تو اس وقت ہمارا کیا جواب ہوگا؟

حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ:

۱:... کسی ملک کا نصابِ تعلیم، اس کے قومی، ملّی اور مذہبی اہداف کی تعیین اور نئی نسل کی ذہنی وفکری تربیت میں بنیادی پتھر اور ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتا ہے۔

۲:... نصابِ تعلیم ہی پولیس، فوج، انتظامیہ اور برسرِ اقتدار طبقے کو اچھے بُرے کا شعور بخشتا ہے اور اس کی ترجیحات متعین کرتا ہے۔

۳:... نصابِ تعلیم ہی ملکی سرحدوں پر متعین جاں بازوں میں جاں سپاری کا شوق و ولولہ اور جذبۂ شہادت اُبھارتا ہے۔

۴:... نصابِ تعلیم ہی ماں باپ، بہن بھائیوں اور اعزّہ و اقرباء، اپنے پیاروں کو ملکی مفادات پر قربان کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

۵:... نصابِ تعلیم ہی دوست دُشمن، اپنے اور پرائے کی پہچان کراتا ہے۔

۶:... نصابِ تعلیم ہی انسان کو اخلاقی قدروں کی معرفت و پہچان سے روشناس کراتا ہے۔

۷:... نصابِ تعلیم ہی یہ باور کراتا ہے کہ کون کس معاملے کا مستحق ہے؟ اور کس سے کیا برتاؤ کیا جائے؟

۸:... نصابِ تعلیم ہی انسان کی ذہنی اور فکری تعمیر و تربیت کرتا ہے، اور اس کو خوددار یا احساسِ محرومی کا شکار بناتا ہے۔

۹:... نصابِ تعلیم ہی کے ذریعہ انسان کے قلبی رُجحانات اور طبعی احساسات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

۱۰:... نصابِ تعلیم ہی انسان کو دِین دار و بے دِین، اور مسلم و کافر بناتا ہے۔

اا:... نصابِ تعلیم ہی انسان کو مفادات کا بندہ اور اغیار کا غلام بناتا ہے، چنانچہ ۷/مارچ ۱۹۳۵ء کو لارڈ میکالے نے اپنی زیرِ صدارت ایک اجلاس میں ہندوستانی مسلمانوں کو ذوق و مزاج، فکر و سوچ اور فہم و فراست کے اعتبار سے انگریز بنانے کے لئے نصابِ تعلیم کو ہی مؤثر ذریعہ قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

''ہم فی الحال اپنے محدود ذرائع کے ساتھ سب لوگوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرسکتے، ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز....'' (میکالے کا نظریۂ تعلیم ص:۶۹)

غرض نصابِ تعلیم ہی انسان کے لئے بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک تمام مراحل، زندگی، موت اور مابعد الموت کی تیاری اور میدانِ عمل کی راہیں متعین کرتا ہے، اگر کسی ملک کے نصابِ تعلیم میں ان ترجیحات کی تعیین نہ ہوتو وہاں پروان چڑھنے والی نسل، انسان نما حیوان ہوگی، جس کو اپنے پرائے، دوست دُشمن، بڑے چھوٹے، موافق مخالف اور ملکی مفادات و نقصانات کی قطعاً کوئی پہچان و پروا نہ ہوگی، اور وہ ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر ملکی مفادات، اس کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدات کے تحفظ کے لئے کسی صورت آمادہ اور تیار نہیں ہوگی۔

اس لئے جس قوم کے نصابِ تعلیم میں جہاد کی تعلیم نہ ہو، وہ جہاد، جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے آشنا نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی وہ ملکی سرحدات کا تحفظ کرسکے گی۔

دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کے نصابِ تعلیم میں ان ترجیحات کا خیال رکھا جاتا رہا، وہ ہر میدان میں فتح مند، کامیاب و کامران اور سرخ رُو

نظر آئے، اور جب سے انہوں نے ہر معاملے میں غیروں کی طرف دیکھنا شروع کیا، ان کی عزّت وعظمت، جرأت و بہادری خاک میں مل گئی اور نوبت بایں جا رسید کہ چشمِ بدؔدُور! اب مسلمان کسی سے آنکھ ملانے کی جرأت و ہمت اور قوّت و طاقت نہیں رکھتے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اپنا نصابِ تعلیم، اپنی ملّی و مذہبی روایات اور شعائرِ اسلام ایک نظر نہیں بھاتے، ہمیں اپنے مذہب و ملت اور دِین و شریعت سے ...نعوذ باللہ... گِھن سی آنے لگی ہے، دُوسرے لفظوں میں ہمیں احساسِ کمتری کا ایسا مرض لاحق ہوچکا ہے کہ خدانخواستہ اب ہم جہاد جیسے شعارِ اسلام اور افواجِ پاکستان کے ماٹو اور طرۂ امتیاز کو غیرضروری، عبث اور بے کار تصوّر کرتے ہوئے اس کو نصابِ تعلیم سے خارج کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں، حتیٰ کہ نہایت ''جرأت و ہمت'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم نے اس ''غیرضروری'' مضمون اور سورہ توبہ کے جہاد پر مشتمل تفسیری حصے کو بیک بینی و دوگوش نصابِ تعلیم سے خارج کردیا، فانا للہ وانا الیہ راجعون! اس پر طرّہ یہ کہ ہماری وزیرِ تعلیم نہایت ڈھٹائی سے ارشاد فرماتی ہیں کہ:

''اسلامی تشخص اور نظریاتی اساس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جائے گا۔''

نصابِ تعلیم سے جہاد کی تعلیمات اور جہادی مضامین پر مشتمل آیات کے نکالے جانے کے بعد نامعلوم اب کون سا اسلامی تشخص اور نظریاتی اساس باقی رہ گئی ہے جس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جائے گا؟

ہماری معلومات اور اخباری اطلاعات کے مطابق موجودہ نصابِ تعلیم میں قیامِ پاکستان کی پوری تاریخ کو ہی مسخ کردیا گیا ہے، حتیٰ کہ مینارِ پاکستان، جہاد وقتال کے علاوہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے شہداء کے تذکرے اور بھارت سے ممکنہ نفرت پیدا کرنے والے تمام مضامین، اور تقسیم کے موقع پر ہونے والے ہندوؤں اور سکھوں کے مظالم، قتلِ عام، اور مسلم خواتین کی عصمت دری کی دِل دہلا دینے والی تفصیلات ایسے

تمام مضامین کو بھی نصابِ تعلیم سے خارج کردیا گیا ہے، دُوسرے لفظوں میں گویا موجودہ نصابِ تعلیم میں باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دوقومی نظریہ اور اس کے پسِ منظر میں قیامِ پاکستان کی تحریک اس قابل نہیں کہ اسے ہماری آنے والی نسلیں پڑھیں، سنیں، یادرکھیں اور پاکستان کی قدر کریں۔

صرف یہی نہیں بلکہ چشمِ بد دُور! اب تو ہمارے ملک کے وزیراعظم صاحب کھل کر یہ اعلان فرمارہے ہیں کہ: ''دوقومی نظریہ پرانے دُور کی بات تھی'' چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ:

''میرے خیال میں دوقومی نظریہ اب ایک قومی نظریہ بن گیا ہے، یہ نصف صدی پہلے کی بات تھی۔''

(روزنامہ ''خبریں'' کراچی یکم مارچ ۲۰۰۴ء)

اگر یہ بات سچ ہے اور اخبارات کی فائلیں چیخ چیخ کر پکار رہی ہیں کہ یہ سچ ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان بناکر ...نعوذ باللہ... جھک ماری تھی؟ کیا اسی لئے پاکستان بنا تھا کہ اس کے نام پر جان، مال، عزّت وآبرو کی قربانی دینے والوں کی قربانیوں سے غداری کی جائے گی؟ اگر یہی کچھ کرنا تھا تو پھر لاکھوں شہیدوں، یتیموں، بیواؤں اور کروڑوں کی املاک قربان کرنے اور ...نعوذ باللہ... اس خونی ہنگامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم نے قیامِ پاکستان کی کتنی قیمت چکائی ہے؟ اور اس کے لئے کتنی جان، مال اور عصمتوں کی قربانی دی ہے؟ سردار عبدالربّ نشتر مرحوم سے سنئے:

''اس ملک کی تقسیم کے موقع پر پانچ لاکھ سے دس لاکھ مسلمانوں کی جانیں گئی ہیں، نوّے ہزار مسلمان عورتیں غیرمسلموں نے قبضہ کرلیں، اَسّی لاکھ مسلمان اپنی جائیداد و مال سے محروم ہوگئے۔'' (کردارِ قائدِاعظم ص:۳۹۳)

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ صرف ان مسلمانوں کے نقصان کا تخمینہ ہے جو ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کر آئے تھے، رہے وہ مسلمان جو ہندوستان میں رہ گئے اور جن کی تعداد اَب بیس سے بائیس کروڑ ہے اور جن پر آئے دن قیامت برپا ہوتی رہتی ہے، ان کے جانی و مالی نقصانات کا کوئی تخمینہ اور اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اے کاش! کہ یہ سب کچھ اسی جماعت اور پارٹی کی حکومت میں ہو رہا ہے جو اس تحریک کی بانی مبانی اور محرک تھی، اور یہ اسی قائد کے نام پر ہو رہا ہے جس نے اس ملک کے قیام کی غرض و غایت ہی آزادی سے اسلامی شعائر کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کو قرار دیا تھا۔

غالباً اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ جیسے حق آگاہ مردِ قلندر نے ہمارے وزیرِ اعظم جیسے لوگوں کے لئے ہی فرمایا تھا:

> ''آج ہم کہتے ہیں: نہ بناؤ! تم ہماری نہیں مانتے،
> ایک وقت آئے گا جب ہم کہیں گے: نہ توڑو! اس وقت تم ہماری نہیں سنو گے۔''

اس کے علاوہ یہ بھی شنید ہے کہ نصاب سے محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ جیسے فاتحین کے کردار کے علاوہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیائے عظام کے سبق آموز واقعات کو بھی مشکوک و متنازعہ بنانے کی محنت شروع ہے۔

ان سب سے زیادہ تکلیف دہ خبر یہ ہے کہ وفاق سے منسلک سرکاری تعلیمی اداروں، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کو آغا خان فاؤنڈیشن سے منسلک و ملحق کرنے کے ناپاک منصوبے پر پوری شدّت و قوّت سے کام جاری ہے، اگر یہ سچ ہے تو کیا کوئی اربابِ اقتدار سے پوچھ سکتا ہے کہ:

الف:... کیا خدانخواستہ پاکستانی حکومت، وزارتِ تعلیم اور ماہرینِ تعلیم اس

قدر نکمّے اور نالائق ہیں کہ انہیں ان سرکاری اداروں کے معیارِ تعلیم کے لئے آغا خان فاؤنڈیشن کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آگئی؟

ب:... کیا اس طرح ہمارے تعلیمی بجٹ کا ایک معتد بہ حصہ آغا خان فاؤنڈیشن کے کھاتے میں نہیں چلا جائے گا؟

ج:... کیا اس طرزِ عمل سے تعلیمی میدان میں مسلمانوں کے بجائے آغا خانیوں کو فوقیت و برتری حاصل نہیں ہوجائے گی؟

د:... کیا اس سے مسلمان طلبہ میں احساسِ کمتری اور آغا خانیوں میں برتری کا احساس جنم نہیں لے گا؟

ہ:... کیا اس سے آغا خانیوں کو اپنے عقائد و نظریات کی تعلیم و تبلیغ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے مواقع میسر نہیں آئیں گے؟

و:... کیا اس سے پاکستان میں آغا خان اسٹیٹ قائم ہونے کی راہیں ہموار نہ ہوں گی؟

ز:... اب تک تو صرف شمالی علاقہ جات میں آغا خانیوں کی سرگرمیاں تھیں اور وہ اپنے خاص انداز میں مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی سعی میں تھے، لیکن کیا اس صورتِ حال سے انہیں پورے ملک میں منظّم انداز سے خفیہ سرگرمیاں تیز کرنے کے مواقع میسر نہیں آجائیں گے؟

ح:... پھر اس کی بھی کیا ضمانت ہے کہ مسلمان اور دِین دار اساتذہ، آغا خان نظامِ تعلیم کو برداشت ہوجائیں گے، کیا ان کی راہیں مسدود نہیں ہوجائیں گی؟

ہمارے خیال میں پاکستان ایک آزاد اور خودمختار اسلامی ریاست ہے، جس طرح اس کی بنیاد کلمہ طیبہ: ''لا اِلٰہ الا اللہ'' پر رکھی گئی تھی، اسی طرح اس کی بقاء و استحکام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا نظام و نصابِ تعلیم خالص اسلامی اُصول و خطوط پر استوار ہو اور اس کا اِلحاق بھی کسی لادِین ادارے کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مسلمان، پاکستان کے نصاب و نظامِ تعلیم میں کسی قادیانی و آغاخانی کو قطعاً برداشت نہیں کریں گے، اگر خدانخواستہ اس معاملے میں تساہل برتا گیا تو ملک کے کروڑوں اسلام پسند اور محبّ ِ وطن عوام یہ سوچنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ ایک خاص منصوبہ بندی اور منظّم سازش کے تحت انہیں اپنے نظریئے، تاریخ، جداگانہ تہذیب و ثقافت اور مذہبی و سماجی روایات سے ہٹانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، اس کا بروقت مداوا نہ کیا گیا تو عین ممکن ہے کہ مسلمان، اپنے ملک وقوم کی بقاء، اپنی نسل کے تعلیمی ونظریاتی قتلِ عام کے سدِ باب کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں اورحکومت ان کے سامنے بند باندھنے میں ناکام ہوکر اپنے منطقی انجام کوپہنچ جائے۔

ایسے ہی یہ بھی ہمارا احساس ہے، بلکہ یقین ہے کہ سرکاری اسکولوں، کالجوں کے نصابِ تعلیم سے جہادی مضامین اور آیاتِ جہاد کے اِخراج میں جہاں مغربی گماشتوں، امریکی نمک خواروں، اِسرائیلی ایجنٹوں، اور ہندوؤں سے ہمدردی رکھنے والے نام نہاد دانشوروں اورملحد و بے دِین عناصر کا ہاتھ ہے، وہاں یقیناً اس کے پیچھے مرزا غلام احمد قادیانی کی ناپاک ذُرّیت اور انگریز کے پروردہ قادیانیوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے، کیونکہ جہاد کے ختم، بلکہ ''حرام'' ہونے کا عقیدہ صرف اورصرف مرزا غلام احمد قادیانی اوراس کے آقا انگریز کا ہے، دراصل انگریز نے غلام احمد قادیانی کو کھڑا ہی اس لئے کیا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کے دِلوں سے جذبۂ جہاد کوختم کیا جائے، اس لئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے خودلکھا ہے کہ:

''میں نے جہاد کی حرمت اور انگریز کی اطاعت کے لئے
اتنا کتابیں لکھی ہیں کہ اس سے پچاس الماریاں بھرجائیں گی۔''

اسی طرح یہ بھی اسی ملعون کا قول ہے کہ:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دِیں کے لئے حرام ہے اب جنگ و قتال

حیرت ہے کہ جس ملک کی قومی اسمبلی نے جہاد کو حرام قرار دینے والے انگریزی نبی اور اس کی ذُرّیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا، آج اسی ملک کی وزارتِ تعلیم ان کے عقیدے ونظریے کی تائید کرتے ہوئے نصابِ تعلیم سے جہاد کی آیات کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

بلاشبہ وزارتِ تعلیم کے اس لائقِ صد نفرین اقدام سے جہاں مرزائی اُمت، اس کا بانی اور شیطان ملعون خوش ہو رہا ہوگا، وہاں پوری ملتِ اسلامیہ، مسلمانانِ پاکستان اور خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اقدس میں شدید کرب و اذیت میں ہیں۔

اس لئے ہماری نہایت خیرخواہانہ درخواست ہے کہ وزارتِ تعلیم ایسے کسی بدباطن کی باتوں میں آکر قرآن، حدیث، اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی مخالفت اور مسلمانانِ عالَم کے جذبات سے کھیلنے سے باز آجائے، اسی میں پاکستان، اہالیانِ پاکستان، اربابِ اقتدار اور خود وزارتِ تعلیم کی بہتری اور ملکی بقاء کا راز ہے۔ ان علینا الا البلاغ!

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد و اٰله و أصحابه أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ مطابق مئی ۲۰۰۴ء)

اربابِ اقتدار
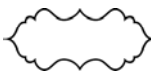
شناختی کارڈ پر خواتین کی تصاویر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس تأثر کو سختی سے رَدّ کیا کہ خواتین کو قومی شناختی کارڈوں پر تصاویر لگوانے کی ضرورت نہیں رہی۔ صدر نے کہا کہ بعض حلقوں میں یہ غلط تأثر پیدا کیا گیا ہے، حکومت اس بارے میں اپنا فیصلہ واپس لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ صدر نے کہا کہ شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر کا چسپاں کیا جانا غیراسلامی نہیں، حج پر جانے والی خواتین کے پاسپورٹ پر بھی تو تصاویر ہوتی ہیں۔ صدر نے کہا کہ شناختی کارڈ پر تصاویر چسپاں کرنا اس لئے ضروری ہے تا کہ ملکیت کا تعین کیا جاسکے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۳۱/۱۰/اکتوبر ۱۹۸۴ء)

موجودہ اِلحاد و بے دِینی کے دور میں جنابِ صدر کا پاکستان میں نفاذِ اسلام کے پروگرام کی سرپرستی فرما کر اسے نافذ کرنے کی تگ و دو کرنا نہایت اُمید افزاء اور ایک قابلِ تقلید مجاہدانہ کارنامہ ہے۔ پھر جنابِ صدر کا یہ کہنا کہ: ''پاکستان میں کسی ایسے قانون کے نفاذ کی اجازت نہیں دی جائے گی جو قرآن وسنت کے منافی ہو'' ان کے اُصولی موقف اور نفاذِ اسلام کے سلسلے میں ان کے عزم و استقلال کی عکاسی کرتا

ہے۔ جنابِ صدر اس دِینی جذبے اور اِخلاص پر دِلی مبارک باد کے مستحق ہیں، خدا کرے وہ خوش اُسلوبی سے نفاذِ اسلام کے مرحلے کو طے کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔
نفاذِ اسلام کے سلسلے میں قانونِ شہادت کا اعلان واضح طور پر اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ نفاذِ اسلام کی منزل قریب سے قریب تر آچکی ہے، اور اُمید ہوگئی ہے کہ عدالتوں سے شروع ہوکر رفتہ رفتہ روزمرّہ زندگی میں بھی اس کا نفوذ ہوجائے گا۔ پھر جیسے عدالتوں میں شرعی قوانین کی بالادستی ہوگی ویسے ہی زندگی کے انفرادی مسائل میں بھی قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوجائے گا، جس سے یقیناً مسلمانوں کو غیراسلامی اور فرنگی قوانین کی ذہنی غلامی سے کلی نجات میسر ہوگی۔

یہ پروگرام اپنی جگہ نہایت وقیع اور قابلِ صد مبارک باد سہی، مگر نفاذِ اسلام میں اس قدر تدریج ... جیسا کہ کئی بار پہلے بھی اس طرف توجہ دِلائی جاچکی ہے... ملک و ملت کے حق میں کچھ مفید ثابت نہیں ہوگی۔

نفاذِ اسلام کے عمل میں عجلت اور تیزی، ملک وملت کے مفاد میں ایسے ہی مفید ہوگی جیسے ڈوبتے کو غرقابی سے بچانا، جیسے وہاں معمولی سستی جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے، کہیں اس سے زیادہ نفاذِ اسلام میں کی گئی سستی ملک وملت کی تباہی جیسے بھیانک نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی جنابِ صدر کا خواتین کے شناختی کارڈ پر تصویر کے سلسلے میں جو بیان جاری ہوا ہے، اس سے سابقہ تمام اُمیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور نفاذِ اسلام کی منزل دُور اور سابقہ تمام عزم ویقین متزلزل ہوجاتا ہے، کہ ایک طرف تو جنابِ صدر پاکستان میں کسی غیرشرعی اور غیراسلامی قانون کے نفاذ کی قطعی طور پر اجازت نہ دینے کا اعلان فرماتے ہیں، اور دُوسری طرف ایک غیرشرعی، غیراخلاقی اور الٰہی بغاوت پر مبنی فرنگی قانون پر اس قدر شدّت سے عمل کرانے پر نہ صرف تلے ہوئے ہیں، بلکہ قرآن وسنت کے علی الرغم اسے صرف اس لئے غیراسلامی نہیں سمجھتے

کہ: ’’حج پر جانے والی خواتین کے پاسپورٹ پر بھی تو تصویر ہوتی ہے‘‘۔

ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر جنابِ صدر کے ہاں قوانین کے اسلامی اور غیراسلامی کا معیار کیا ہے؟ اگر ان کے ہاں غیرشرعی سے مراد وہ اَحکام اور قوانین ہیں جو قرآن و سنت کے منافی ہوں تو یقیناً تصویرکشی ایسا ملعون عمل ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل اور عمل سے متعدّد بار نہ صرف روکا بلکہ ایسے ناشائستہ افعال کے مرتکبین کو صراحتاً ملعون فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اس جرم کے مرتکب ہوں گے۔ پھر ذخیرۂ احادیث میں بے شمار ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویرشکنی کی عملی تعلیم دی۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز جس میں تصویریں ہوتیں، توڑے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔‘‘

(فتح الباری)

ذی رُوح کی تصویر سازی درحقیقت تخلیقِ ربانی کی نقالی ہے، جو ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شریک ہونے کا دعویٰ ہے، پھر اس کو برقرار رکھنا یا اس پر خاموشی اختیار کرنا ایک طرح کی رضامندی ہے ... جو کسی طرح بھی قابلِ برداشت نہیں... اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تصویرکشی کی حوصلہ شکنی کی، یہاں تک کہ اسے صنم گری سے تعبیر فرمایا۔

ان تصریحات کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تصویرسازی جیسے ملعون فعل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا جاتا، مگر جنابِ صدر کا خواتین کے شناختی کارڈ پر تصویر لگانے کو منافیٔ اسلام تصوّر نہ کرنا، اور اسے لازمی قرار دینا واضح طور پر اس بدگمانی کا موجب ہوتا ہے کہ جنابِ صدر، فرنگی قوانین کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنے کی بجائے بلاکم و کاست ...صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ ... ’’اسلامی آئین‘‘

کا نام دینا چاہتے ہیں، ورنہ پھر نفاذِ اسلام کے دعوے کے بعد غیر اسلامی قوانین کے اجراء کا کیا جواز ہے...؟

ہم اُمید کرتے ہیں کہ جنابِ صدر اپنے ان نظریات سے رُجوع فرما کر ایک سچے مسلمان کا کردار ادا کریں گے۔

رہا حج پر جانے والی خواتین کے پاسپورٹ پر تصویر کا لگا ہونا، تو وہ بھی تصویر کے جواز کی دلیل نہیں، اس لئے کہ پاسپورٹ کی پالیسی وضع کرنے والے بھی وہی ہیں جن کی آنکھیں جلوۂ دانشِ فرنگ سے خیرہ تھیں۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۲، ۲۰ تا ۲۶ر صفر ۱۴۰۵ھ)

ریفرنڈم کی بجائے نفاذِ اسلام کی طرف توجہ کیجئے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

یہ شمارہ جب قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا، اس وقت تک ریفرنڈم گزر چکا ہوگا، اور اس سلسلے کی تمام سرگرمیوں پر اوس پڑ چکی ہوگی اور کامیابی اور ناکامی کی صورت میں اس کے نتائج کی تفصیل بھی منظرِ عام پر آچکی ہوگی۔ مگر تادمِ تحریر ملک بھر میں ریفرنڈم کا اس شدّت سے غلغلہ ہے کہ اخبارات و رسائل تک اس کے ذکرِ خیر سے لبریز ہیں۔ بچے، بوڑھے اور نوجوان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اور اس کی مدح سرائی میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ گویا ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ تنقید و تبصرہ میں یدِ طولیٰ رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ملک و ملت کے بہی خواہ کچھ ایسے بھی ہیں جو اُسے جمہوریت کے قتل سے تعبیر کرتے ہیں، گویا اکثریت اگر صدر صاحب کے ہم نواؤں کی ہے تو کچھ مخالف بھی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے نقطۂ نظر کے لئے مستحکم دلائل رکھتا ہے۔ اگر ایک طرف ۱۹ کے عدد ...۱۹؍دسمبر ۱۹۸۴ء ریفرنڈم کی تاریخ... کو قرآن سے ثابت کیا جاتا ہے، تو دُوسری طرف ریفرنڈم کو قرآن و سنت کے منافی بتلایا جاتا ہے۔ ان میں سے کون کس قدر سچا ہے؟ اس کا فیصلہ تو اہلِ علم و دانش ہی کرسکتے ہیں، مگر ہمارے خیال میں اس نزاع کو یوں ختم کیا جاسکتا ہے کہ ماضی اور حال کی روشنی میں ہر دو فریق کو شرافت و دیانت اور صدق و وفا کے ترازو میں تول کر دیکھا جائے کہ

کون کہاں تک قرآن و سنت کے معیار پر پورا اُترتا ہے؟ جنابِ صدر اگر مطلوبہ معیار پر پورے اُترتے ہیں تو ان کے مخالفین کو خواہ مخواہ کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے، بصورتِ دیگر جنابِ صدر کو بھی اس پر چنداں بضد نہیں ہونا چاہئے۔ اس ساری رَدّ و قدح سے قطع نظر اتنا تو ہم بھی کہیں گے کہ جنابِ صدر اگر صحیح معنی میں اسلام نافذ کرنا چاہتے تو نہ صرف یہ کہ نفاذِ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوجاتا، بلکہ آج انہیں نفاذِ اسلام کی کوششوں پر اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی، اور نہ ہی انہیں یہ جاں گسل اور دُشوار گزار مراحل طے کرنے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی، جن سے وہ دوچار ہیں، بلکہ جنابِ صدر نفاذِ اسلام کے سبب ایک محسن کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے دِلوں کی دھڑکن بن چکے ہوتے اور پاکستانی عوام جنابِ صدر کے حق میں ووٹ دینا اپنی سعادت سمجھتے۔ پھر "الناس علٰی دین ملوکھم" کے تقاضے پورے ہوتے اور مسلمانانِ پاکستان یقیناً جنابِ صدر کی نیک تمناؤں پر پورے اُترتے، بلکہ انہیں اس قدر شد و مد سے مستقبل کی غیریقینی کیفیت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

اب بھی اگر جنابِ صدر، پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا اعلان کردیں تو یقیناً عظمتِ رفتہ بحال ہوسکتی ہے، خدا کرے! جنابِ صدر مسلمانوں کی توقعات پر پورے اُترتے ہوئے جلد از جلد نفاذِ اسلام کا اعلان کردیں، آمین!

(ہفت روزہ "ختمِ نبوّت" ج:۳ ش:۲۸، ۵ تا ۱۱/ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ)

شرعی عدالتوں کی توہین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مملکتِ خداداد پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے تقریباً ۳۶ سال کا ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، لیکن جن مقاصد کے تحت اس کو حاصل کیا گیا تھا، آج تک ان میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ جبکہ اس کے حصول کے لئے ہزاروں سہاگ لٹے اور بچے یتیم اور مائیں بیوہ ہوئیں، مگر کسی دُکھ، تکلیف کی پروا کئے بغیر ہر مسلمان ایک ہی جذبے سے سرشار اور اسی دُھن میں مگن تھا کہ قیامِ پاکستان کی صورت میں ایک آزاد اور خود مختار مملکت ہوگی، جس میں اسلام کا بول بالا ہوگا، اور اسلامی اقدار کی بالادستی ہوگی، اور ہر مسلمان اپنی معیشت و معاشرت اور مذہب، غرض ہر لحاظ سے کسی کا دست نگر نہ ہوگا۔ چنانچہ کیا چھوٹا کیا بڑا، ہر ایک کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ!'' پھر وہ وقت بھی آیا کہ مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کی صبح قیامِ پاکستان کا مژدہ لے کر آئی، لیکن اس کے علی الرغم ... جسے ہماری شومیٔ قسمت کہئے... کہ پاکستان کے بعض ''روشن خیال'' سیاست دان ان حقائق کے منکر ہیں، اور ان کے ہاں ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ!'' کا نعرہ بعد کے ''مذہبی انتہاپسندوں'' کا لگایا ہوا ہے، ورنہ پاکستان کی تاریخ میں ایسا کوئی نعرہ نہیں ملتا۔

ہمیں اس پر نہ کوئی ناراضگی ہے اور نہ ہی کسی کو اس پر برہم ہونا چاہیے، کیونکہ ہر شخص اپنے عزائم کو خود ہی جان سکتا ہے، لہٰذا ہمارا اور پوری مسلم عوام کا تو قیامِ پاکستان سے یہی مقصد تھا کہ اس مملکتِ خداداد میں اسلامی آئین نافذ ہوگا اور ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کے تقاضے پورے کیئے جائیں گے۔ اس کے برعکس جو سیاست دان اس نعرے کی حقیقت سے منکر ہیں، شاید انہوں نے اپنے ذہنوں میں پاکستان کا نقشہ فرانس اور انگلستان جیسا مرتب کیا ہوگا، جو تاحال پورا نہیں ہوا، جس پر انہیں برہمی ہے، خدا کرے ان کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں۔

پاکستان کے اس گزشتہ دور میں جو حکمران بھی برسرِ اقتدار آیا، پاکستانی مسلمانوں نے اُسے اپنا مسیحا تصوّر کیا، اور اس سے نفاذِ اسلام اور اسلامی اقدار کی سربلندی کی بھیک مانگی، لیکن ہر ایک نے قوم وملت کے جذبات کی ناقدری کی، بلکہ ان کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی۔ ہماری شامتِ اعمال کہیئے یا پھر طالع حکمرانوں کی نااہلی کی نحوست! کہ ملک کا ایک بہت بڑا حصہ کٹ کر بنگلہ دیش کی صورت میں علیحدہ ہوگیا۔ اب اگر اسلامی آئین کے نفاذ میں مزید کوئی تاٴخیر برتی گئی تو اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے باقی ماندہ خطہ بھی نہ چھین لیں۔

آج سے چندسال قبل جب جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک رُوح فرسا دور کے اختتام پر اقتدار سنبھالا تو نفاذِ اسلام کے سلسلے میں قوم کی متلاشی نظریں ان پر مرتکز ہوگئیں، اور کسی حد تک قوم حق بجانب بھی تھی، چنانچہ موصوف نے علماء، مشائخ اور دانشوروں کی حمایت سے ملک میں نفاذِ اسلام کا بیڑہ اُٹھایا، تاکہ عوام کو سستا اور آسان طریقے پر انصاف مہیا ہوسکے، تھانے کی سطح سے لے کر سپریم کورٹ تک کے تمام عدالتی ڈھانچے کو شرعی عدالتوں کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ تھانے کی سطح پر قاضی عدالتیں، ضلعی سطح پر شرعی عدالتیں، اور اُس کے اُوپر وفاقی شرعی عدالت، جو نام کے اعتبار سے تو سب سے اعلیٰ اور بڑی معلوم ہوتی ہے،

مگر عملاً ہائی کورٹ کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ اس کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سننے کے اختیارات سپریم کورٹ کے ایک شریعت بنچ کے سپرد ہیں۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ملک میں کسی قدر شرعی عدالتوں کا ایک ڈھانچہ کھڑا ہوگیا ہے، جو اپنی جگہ ایک نہایت ہی خوش آئند پیش رفت ہے، ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائیں، آمین!

مگر بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال کو کئی سال گزر جانے کے باوجود شرعی عدالتوں کے نظام نے عوام کے اذہان پر کوئی اچھے اثرات نہیں چھوڑے، اور نہ ہی کوئی اطمینان بخش اور خوش گوار تبدیلی رُونما ہوئی ہے۔

بلکہ ایسے حالات میں جبکہ نام کی شرعی عدالتیں ہوں، جنھیں مکمل طور پر خود مختاری تک میسر نہ ہو، بلکہ ان کے دائرۂ کار کو محدود رکھنے کے ساتھ ساتھ انہیں فرسودہ سیکولر نظام اور مارشل لاء کا دست نگر بنا کر رکھا جائے، اور شرعی نظامِ عدالت کے مقابلے میں دو متوازی عدالتی نظام ہوں، اور پھر مارشل لاء کو شرعی عدالتوں پر بالادستی اور فوقیت حاصل ہو اور مؤثر اور مکمل مجاز ہونے کے اعتبار سے شرعی عدالتیں کمزور ہوں، اور ان عدالتوں کی موجودگی میں فیصلے سیکولر اور مارشل لاء کے تحت کئے جائیں، اور شرعی عدالتوں کے فیصلوں کو مارشل لاء میں چیلنج کیا جاسکے، تو ہمارے خیال میں ہر ذی شعور انسان باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ شرعی عدالتوں اور شرعی قوانین کے نفاذ و ترویج کے بجائے ان کی توہین کے مترادف ہے، کیونکہ اس کو عدالتِ عالیہ تصوّر کرنے کے بعد اس کے خلاف فیصلہ کرنا اس کی توہین نہیں...؟ ہمارے خیال میں شرعی عدالتوں کا عدم قیام اتنا سنگین جرم نہیں تھا، جتنا کہ ان کے قیام کے بعد ان کے فیصلوں سے سرتابی کی جائے، اور ان کے فیصلوں کو حتمی اور آخری نہ سمجھا جائے، کیونکہ اس کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ عوام کے اذہان میں شرعی قانون کے بارے میں اُلجھاؤ اور شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، جو نہ صرف ایک عام مسلمان کے ایمان کے

لئے تباہ کن ہے، بلکہ اس سے اسلامی آئین بے وقعت ہوکر رہ جاتا ہے۔

ہم جناب صدر صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جیسے انہوں نے اس سے قبل شرعی عدالتوں کے قیام میں جرأت مندانہ اقدام کئے ہیں، اب بھی انہیں بغیر کسی جھجھک اور پس و پیش کے شرعی عدالتوں کی بالادستی اور وقار کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ اعلان کرنا چاہئے کہ قاضی عدالت سے لے کر شریعت بنچ تک کسی عدالت کے کسی فیصلے کو سیکولر عدالت اور مارشل لاء کے ذریعہ چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور تمام سیکولر اور مارشل لاء عدالتیں غیرمؤثر شمار ہوں گی۔ اس اقدام پر اِن شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ان کے شاملِ حال ہوگی اور جناب صدر صاحب کے اقتدار کو بھی اِستحکام نصیب ہوگا۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲۶ ش:۴۴، ۳۰رجمادی الثانیہ تا ۶رجب ۱۴۰۳ھ)

مجوّزہ ٹیکس سروے نظام
ملکی معیشت کو تباہ کرنے کی سازش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو نواز حکومت کی تحلیل اور فوج کے برسرِ اقتدار آنے سے عوام نے ظلم وتشدّد کی سیاہ رات کے خاتمے پر سکون کا سانس لیا، اور فوجی حکمرانوں کو اپنے دُکھوں کا مداوا اور ملکی ترقی کے لئے مسیحا باور کیا، اس پر مستزاد خوشی اس وقت ہوئی جب موجودہ حکومت نے سابقہ حکومت کی بے جا زیادتیوں اور ان کی شہ خرچیوں کے خلاف ایکشن لینے کا عندیہ دیتے ہوئے مطلق العنان حکمرانوں کو حوالہ زنداں کیا، اور ببانگِ دہل یہ اعلان کیا کہ ملکی خزانہ لوٹنے والوں سے پائی پائی کا حساب لیا جائے گا۔ مگر افسوس! کہ یہ خوشی عارضی اور وقتی ثابت ہوئی اور حال کے محتسب، ماضی کے اَربابِ اقتدار کی راہ پر چل نکلے، اور انہوں نے ٹیکس کے نام پر عوام اور تاجروں پر بے جا بوجھ لادنے کا اعلان کرتے ہوئے ان سے کھلی جنگ کا بگل بجادیا، اور بیوروکریسی کے سفید ہاتھی نے ان پر شب خان مارنے اور ملکی معیشت کو مزید تباہ کرنے کے لئے ایک نئے ٹیکس نظام کو متعارف کرایا۔

نام نہاد ٹیکس کے نام پر شریف انسانوں اور ٹیکس دہندہ تاجروں کو سڑکوں پر نکلنے اور کاروبار بند کرنے پر مجبور کردیا گیا، چنانچہ ان کے اس غلط اقدام سے ملکی تاریخ کا طویل ترین شٹر ڈاؤن ہوا اور پورے ملک میں تقریباً ۱۷، ۱۸ دن کاروبار بند رہا اور

ملکی معیشت کو اربوں روپے کا خسارہ ہوا۔

موجودہ حکومت کا مجوّزہ ٹیکس نظام بظاہر خوش نما، ملکی ترقی کا ضامن اور بیرونی قرضوں کی ادائیگی کے لئے بہترین حل دِکھائی دیتا ہے، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ عوام اور تاجروں پر ظلم اور بیوروکریسی کی شہ خرچیوں کے تحفظات کے مترادف ہے۔

حکومت، دُوسرے لفظوں میں بیوروکریسی کی اس غلط حکمتِ عملی سے ایک طرف اگر ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرنے والی تاجر برادری پریشان ہوئی ہے تو دُوسری طرف بیوروکریسی اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوگئی کہ اس نے حکومت کو عوام کے مقابلے میں لا کھڑا کرکے ہر دو کو ایک دُوسرے سے بدظن کردیا، یوں وہ عوام کو حکومت کی نگاہوں میں چور، اور حکومت کو عوام کی نظروں میں ان کا بدخواہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔

ممکن ہے اس طرح بیوروکریسی اور حکومت کے مجوّزہ ٹیکس منصوبے سے عوام کو نچوڑ نچوڑ کر ملکی خزانے میں زیادہ سے زیادہ زَرِ مبادلہ دِکھایا جاسکے، مگر اس سے ملکی معیشت کو کسی طرح سنبھالا نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ ذرائع آمد بڑھانے سے کہیں زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ بیوروکریسی اور اس کی شہ خرچیوں پر کنٹرول کیا جائے، اگر بیوروکریسی کے منہ زور گھوڑے کو نہ روکا گیا، اگر افسرانِ اعلیٰ کے صوابدیدی اختیارات پر پابندی نہ لگائی گئی، اگر قومی خزانے کے بے جا اِسراف اور ناقص حکمتِ عملی کا مداوا نہ کیا گیا تو یہ ملک کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتا۔

کیونکہ ذرائع آمد کا بڑھانا یا اور زیادہ سے زیادہ محصولات اکٹھے کرنا کوئی کمال نہیں، بلکہ ملکی خزانے میں موجود زَرِ مبادلہ کے ذخائر کا صحیح استعمال اور اخراجات پر کنٹرول کرنا ہی ملک کو اس معاشی بدحالی کی دَلدل سے نکال سکتا ہے۔

قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر کے تاریخی قحط اور اس کی

معاشی بدحالی سے نمٹنے کا نہایت خوبصورت لائحہ عمل موجود ہے، اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے درآمدات پر توجہ دینے، بیرونی قرضے حاصل کرنے یا قوم پر کسی قسم کا اضافی ٹیکس لگانے اور ذرائع آمد بڑھانے کی بجائے ملک میں موجود غذائی اجناس اور ذخائر کو صحیح استعمال کرنے کو اہمیت دی، اور طے فرمایا کہ اخراجات کو کنٹرول کرتے ہوئے ضرورت کی گندم صاف کی جائے اور باقی کو نہایت سلیقے سے محفوظ رکھا جائے، چنانچہ ان کے اس طریقۂ کار پر عمل کیا گیا تو مصر ایک آدھ سال کے نہیں سات سال کے طویل ترین قحط اور اپنی تاریخ کی معاشی بدحالی سے نہایت کامیابی سے عہدہ برا ہوگیا۔

اس کے علاوہ موجودہ حکومت کو اپنے پیش رُو میاں نواز شریف کی ''قرض اُتارو، ملک سنوارو'' اسکیم سے بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ میاں صاحب نے جب اس خوش نما اسکیم کا اعلان کیا تو ہمدردانِ قوم و وطن نے تھوڑے ہی عرصے میں اربوں روپے ملکی خزانے میں جمع کرادیئے، مگر کوئی بتاسکتا ہے کہ ملکی خزانے کی یہ خطیر رقم کہاں گئی؟ اور اس سے ملکی معیشت کو کتنا سنبھالا دیا گیا...؟

اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ وہ بیوروکریسی کی چالوں کو سمجھیں کہ وہ انہیں تباہی کے کس غار کی طرف دھکیل رہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ فوجی حکمرانوں کو ناکام کرنے کی کوشش کی جارہی ہو؟ اس لئے انہیں بیوروکریسی کے ہاتھوں میں کھیلنے کے بجائے ملکی مفادات کو مقدم رکھنا چاہئے اور ایسے تمام اقدامات سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے ملک میں ہیجان اور افراتفری پیدا ہو، اور ملک دُشمن عناصر موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ناپاک منصوبوں میں کامیاب ہوجائیں۔

حکومت کی موجودہ ٹیکس اسکیم کس قدر مفید ہے؟ اور اس سے ملکی خزانے کو کہاں تک استحکام حاصل ہوگا؟ اور عوام اس منصوبے سے کیوں گریزاں ہیں؟ اس سلسلے میں ملک کے معروف صحافی جناب جاوید چوہدری صاحب نے روزنامہ ''جنگ''

کراچی ۱۱/جون ۲۰۰۰ء میں اعداد و شمار کے تناظر میں غریب اور مقروض ملک کے خزانے پر مقروض افسران کی شہ خرچیوں کے ''روشن باب'' سے نقاب اُٹھانے کی نہایت عمدہ کوشش کی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کردیا جائے تاکہ اندازہ کیا جاسکے کہ اس ملک کی ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ٹیکس چور نہیں، بلکہ ٹیکس خور ہیں، چنانچہ جاوید چوہدری صاحب لکھتے ہیں:

''..... میں ایک سوال پوچھتا ہوں کہ ..... اگر کسی واٹر ٹینک میں سوراخ ہو، یہ سوراخ ٹینک میں پانی ڈالنے والے پائپ سے بڑا ہو، تو وہ ٹینک کبھی بھر سکتا ہے؟ میرا خیال ہے (وزیرِ خزانہ) شوکت عزیز کا جواب نفی میں ہوگا، کیونکہ دُنیا کا ہر عاقل، بالغ اور ذی شعور انسان جانتا ہے کہ جب تک پیندے کا سوراخ بند نہیں ہوتا ٹینک نہیں بھر سکتا، یہ حقیقت ہے، جب یہ حقیقت ایک عام سطحی دِل و دِماغ کا مالک شخص سمجھ سکتا ہے تو پھر جناب شوکت عزیز اور ان کی ٹیم کے معاشی دانشور، لوٹوں، مگوں اور بالٹیوں سے ایک ایسا ٹینک بھرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں جس کے پیندے میں دو دو فٹ کے درجنوں سوراخ ہیں؟ نہیں سمجھ آئی...؟ لیجئے میں سمجھتا ہوں! ایوب خان کے دور میں ایک سیکریٹری ڈیفنس سائیکل پر دفتر آتا تھا، وہ سائیکل گھسیٹنے پر مجبور تھا، کیونکہ پوری وزارت کے پاس صرف ایک سرکاری گاڑی تھی جو صرف سرکاری کاموں کے لئے استعمال ہوتی تھی، لہٰذا ایل ڈی سی ہو یا سیکریٹری اسے دفتر آنے اور واپس جانے کے لئے اپنی سواری کا بندوبست خود کرنا پڑتا تھا۔ یہ صرف وزارتِ دفاع کی صورتِ حال نہیں تھی، پوری سیکریٹریٹ کچھ ایسا ہی نقشہ پیش کرتی تھی، سب وزارتوں کے پاس ایک ایک اسٹاف کار تھی

جس کا استعمال انتہائی محدود تھا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو کا دور آیا تو نئے حکمران نے پہلی مرتبہ ایڈیشنل سیکریٹری رینک تک سرکاری افسروں کو اسٹاف کار رکھنے کی اجازت دے دی، جس سے ۱۸ویں گریڈ سے ۲۲ویں گریڈ تک بیوروکریٹ سرکاری گاڑیوں کے مالک ہوگئے۔ شروع شروع میں ان کا استعمال صرف سرکاری ڈیوٹیوں تک محدود تھا، پھر آہستہ آہستہ بیگم صاحبہ کی شاپنگ اور صاحب کے بچوں کو اسکول چھوڑنے اور واپس لانے کے لئے استعمال ہونے لگیں، گاڑیوں کا استعمال بڑھا تو نئی گاڑیوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ جنرل ضیاء کی حکومت آئی تو بیوروکریٹس چپ چاپ ایک کی جگہ تین تین گاڑیاں استعمال کرنے لگے، ایک صاحب کے لئے، دُوسری بیگم صاحبہ کے لئے اور تیسری بچوں کے لئے۔ اور اب تیس برس بعد یہ عالم ہے کہ پاکستان میں سرکاری گاڑیوں کی تعداد تین لاکھ سے تجاوز کرچکی ہے۔ اگر اعداد و شمار کی مدد لی جائے، اگر اکانومسٹ کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ سرکاری گاڑیاں پیندے کا وہ سوراخ ہیں جسے بند کئے بغیر ٹینک بھرا نہیں جاسکتا۔ یہ سوراخ کس قدر خوفناک ہے؟ آپ اس کا اندازہ کچھ یوں لگاسکتے ہیں۔ فرض کریں یہ تین لاکھ گاڑیاں فی گاڑی دس لیٹر پیٹرول خرچ کرتی ہیں، اس دس لیٹر کو ۳ لاکھ گاڑیوں سے ضرب دیں، کتنا پیٹرول ہوا؟ ۳۰ لاکھ لیٹر! اس ۳۰ لاکھ لیٹر پیٹرول کو ۳۰ روپے فی لیٹر پیٹرول سے ضرب دیں، کتنے پیسے بنے؟ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے! گویا اس ملک میں سرکاری گاڑیاں روزانہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے کا پیٹرول پھونکتی ہیں۔ اگر رقم کو ۳۶۵ دنوں سے ضرب دی جائے تو یہ رقم

۳۳ اَرب ۵۴ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے بنتی ہے، معلوم ہوا حکومت صرف پیٹرول کی مد میں ساڑھے ۳۳ اَرب روپے سالانہ خرچ کردیتی ہے۔ اب آتے ہیں ان گاڑیوں کی مرمت، سروس، فاضل پرزہ جات، ڈرائیوروں کی تنخواہوں، الاؤنسز اور پارکنگ کے اخراجات کی طرف۔ ۱۹۹۹ء کے تخمینے کے مطابق یہ اخراجات ۴۰ اَرب روپے کے برابر تھے، یوں ۱۹۹۹ء میں سرکاری گاڑیوں پر سالانہ ۶۷ اَرب روپے خرچ ہوتے تھے (۱۹۹۹ء میں پیٹرول کا سالانہ خرچ ۲۷ اَرب ۳۷ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے تھا)، جبکہ اس سال یہ اخراجات ۷۱ اَرب روپے تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ رقم پاکستان کے ٹوٹل بجٹ کا ۱۲ فیصد، جبکہ ہمارے دفاعی بجٹ کے آدھے حصے کے برابر ہے۔ اب جناب شوکت عزیز سے سوال ہے کہ حضور! جس ملک کی انڈسٹری بند ہوچکی ہو، جو کمر تک قرضوں کی دَلدل میں دفن ہو چکا ہو، جس کے ۴۰ ملین لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارتے ہوں، جس میں سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کا بجٹ ۱۴ کروڑ (۱۹۹۹ء) ہو، جس میں تعلیمی اداروں کو ۶۴ کروڑ، اور اسپتالوں کو ۶۶ کروڑ روپے ملتے ہوں، جس کا ایک صوبہ قحط اور خشک سالی کا شکار ہو چکا ہو، اور جس میں افراطِ زَر، بیروزگاری اور لاقانونیت نقطۂ انتہا کو چھو رہی ہو، اس ملک میں سرکاری ٹرانسپورٹ پر ۷۱ اَرب روپے کی خطیر رقم خرچ کرنا انصاف ہے...؟ آپ لوگوں کو ٹیکس دینے کا حکم دیتے ہیں، ایک ماہ سے پورے ملک کی معیشت کا شٹر ڈاؤن ہے، لیکن دُوسری طرف حکومتی اخراجات پر پابندی نہیں لگا رہے، ٹینک کے دو دو فٹے سوراخ بند نہیں کر رہے ہیں، ذرا جواب دیجئے...! لوگ

کس لئے ٹیکس دیں؟ اس لئے ٹیکس دیں تاکہ سرکاری افسروں کی بیویاں سرکاری گاڑیوں میں لنڈے بازاروں سے پُرانے کوٹ خرید سکیں؟ اسٹاف کاروں میں کتوں کو سیر کراسکیں؟ سبزی منڈیوں سے کریلے خرید سکیں اور بکرا منڈیوں سے بکرے خرید سکیں؟ ذرا جواب دیجئے...! پورے یورپ میں وزراء، وزرائے اعظم، صدور اور ان کی فیملیاں پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر کرتی ہیں، لیکن ہمارے ملک میں ایک عام ڈپٹی سیکریٹری کی بیوی سر پر مہندی لگانے کے لئے سرکاری کار میں پارلر جاتی ہے، آخر ان لوگوں میں کیا خوبی ہے؟ آخر ان لوگوں نے اس ملک کے لئے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟ آخر قوم ان لوگوں کے لئے اتنی بڑی قربانی کیوں دے...؟ جواب دیجئے! ذرا جواب دیجئے...! (نوٹ: اگر آدھی سرکاری گاڑیوں میں ڈیزل استعمال ہوتا ہوتو یہ رقم ۶۸ اَرب روپے بنتی ہے)۔''

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۰ء)

مولوی اور دہشت گردی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

فوجی حکومت کے رُوحِ رواں اور پاکستان کی وزارتِ داخلہ کے سرخیل جناب معین الدین حیدر صاحب جب سے موجودہ فوجی حکومت کی وزارتِ داخلہ کے عہدے پر متمکن ہوئے ہیں، ان کی زبان یکسر تبدیل ہوگئی ہے، ان کا انداز کسی طور پر مسلم اسٹیٹ کے کسی مسلمان وزیر کا معلوم نہیں ہوتا، اور نہ ہی کسی طرح یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس ملک کے وزیر داخلہ ہیں، بلکہ ان کے انداز سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خیر سے مطلق العنان حاکم ہیں، پورا ملک ان کی راجدھانی ہے، یہاں کی عوام ان کی غلام بے دام ہے، پاکستان کے مذہبی حلقے اور علمائے دِین ان کے بغض و عناد کے خصوصی نشانے پر ہیں، چنانچہ آئے دن اخبارات میں ان کی ''کوثر و تسنیم'' سے دُھلی زبان کے ''شاہ پاروں'' سے مذہبی حلقوں اور علماء کی تواضع کی جاتی ہے۔

گزشتہ دنوں کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کے موقع پر انہوں نے مذہبی حلقوں اور علماء کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''کراچی کو یرغمال نہیں بنانے دیں گے، انتشار پھیلانے والے علماء کو گردنوں سے دبوچا جائے گا، وزیر داخلہ۔''

''...... کے پی آئی کے مطابق معین الدین حیدر نے

کہا ہے کہ عوام میں انتشار پیدا کرنے والے علماء کو گردن سے دبوچا جائے گا، فرقہ واریت ختم کرنے اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اذان کا ایک ہی وقت مقرّر کرنے کے لئے قانون سازی کی جارہی ہے .....۔'' (روزنامہ ''جنگ'' لاہور ۳۰؍مئی ۲۰۰۱ء)

اسی تاریخ کے ''جنگ'' کراچی میں ہے کہ:

''(ایسے لوگوں کو) آہنی ہاتھوں سے کچل دیا جائے گا۔''

ایسے ہی ۱۲؍جون ۲۰۰۱ء رات گیارہ بج کر بیس منٹ پر پاکستانی ٹی وی کے چینل۳ پر ایک انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے یہ لوگ شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔''

اسی انٹرویو میں انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ:

''ان کو چندہ نہ دیا جائے، اور عوام ان سے تعاون نہ کریں۔''

''عوام بیچ تقریر کے اُٹھ کھڑے ہوں اور بزورِ قوّت علماء کو روکیں۔''

''اور جو علماء اپنے موقف سے باز نہ آئیں، عوام کو چاہئے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں حکومت کو اطلاع کی جائے، تاکہ ان کا سدِ باب کیا جائے۔''

غالباً جناب معین الدین حیدر صاحب کی ''مساعیٔ جمیلہ'' سے اب ملک بھر سے جرائم پیشہ افراد کا قلع قمع ہوگیا ہے، اب یہاں کوئی قاتل، کوئی دہشت گرد اور کوئی جرائم پیشہ باقی نہیں رہا، اگر یہاں کوئی مجرم ہے تو وہ صرف مولوی اور مذہبی راہ نما ہے۔ جب ہی تو موصوف فرماتے ہیں کہ: ''مولویوں کو گردنوں سے دبوچ لیا جائے گا۔''

حالانکہ یہاں فوجی حکومت اور وزیر داخلہ کی ناک کے نیچے آئے دن ڈاکے ڈالے جاتے ہیں، قتل و غارت گری ہوتی ہے، بینک لوٹے جاتے ہیں، قومی شاہراہیں بلاک کرکے لاقانونیت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، بسوں اور ٹرکوں کو لوٹا جاتا ہے، اغوا برائے تاوان، اجتماعی زناکاری اور گھروں میں گھس کر اجتماعی قتل کی وارداتیں ہوتی ہیں، ملک و ملت کے خلاف کھلے عام بغاوت کے نعرے لگائے جاتے ہیں، اسلامی اقدار کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، اخبارات و میڈیا میں دِین اور اَربابِ دِین کے خلاف بازاری زبان استعمال کی جاتی ہے، قرآن و سنت اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

یہاں جعلی مہدی، مسیح اور نبی بلکہ خدائی کے دعوے دار کھلے عام دندناتے پھرتے ہیں، یہاں شعائرِ اسلام اور دِین و مذہب کو اِستخفاف و توہین کا نشانہ بنایا جاتا ہے، مگر حکومت اور وزارتِ داخلہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے والوں، ان کو ہیجان میں مبتلا کرنے والوں اور انہیں رَدِّعمل کے لئے مجبور کرنے والوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے تو اسے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے، اسے فرقہ پرستی کا نام دیا جاتا ہے، اور اسے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کی دھمکی دی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ کبھی ان دریدہ دہنوں کو بھی لگام دینے کا سوچا گیا، جو اس ساری صورتِ حال کے ذمہ دار ہیں؟

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چونکہ وزیر داخلہ صاحب آج کل مذہبی حلقوں پر کچھ زیادہ ''مہربان'' ہیں، اس لئے وہ آئے دن ان کی خبر لیتے رہتے ہیں، اور بات بات پر ان کو خوب سناتے ہیں، ان کی کوشش ہے کہ ہر معاملے میں ان کو ''نمایاں'' کیا جائے، چنانچہ وہ ایسی کسی خبر، واقعے اور سانحے کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے جس میں علماء اور مذہبی حلقوں کا نام نہ ہو، مثلاً: ۱۳ر جون ۲۰۰۱ء کے اخبار روزنامہ ''جنگ'' کراچی کی ایک خبر میں حکومت و انتظامیہ کی ناکامی، شرپسندوں کی دیدہ دلیری، کھلے عام دہشت

گردی، جلاؤ گھیراؤ اور قومی و نجی املاک کی تباہی ایسے واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے، مگر وزیر موصوف نے اس کا نوٹس نہیں لیا، اور نہ ہی اسے قابلِ توجہ جانا، اس خبر میں جس تباہی کا تذکرہ ہے، اس کا اندازہ صرف اس کے عنوان سے ہی لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ اس خبر کا عنوان ہے:

''کراچی میں شرپسندوں کی فائرنگ، خاتون سمیت ۲ افراد ہلاک، ۱۶ گاڑیاں جلادی گئیں، گاڑیوں پر فائرنگ سے ٹریفک معطل، دو ڈرائیوروں سمیت ۴ افراد زخمی، ۳۰ گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں، سڑکوں پر بھگدڑ، بعض علاقوں میں دُکانیں بند، شہر میں خوف و ہراس، تین ہٹی کے قریب مسلح افراد نے فائر کریکر بھی پھینکے، علاقہ زور دار دھماکوں سے گونج اُٹھا، پولیس اور فائر بریگیڈ کی گاڑیوں نے موقع پر پہنچ کر آگ پر قابو پایا۔''

جناب وزیر داخلہ صاحب کو مولوی تو نظر آتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا کبھی انہوں نے ان خبروں پر بھی سنجیدگی سے غور کیا ہے؟ کبھی ان عناصر کے خلاف بھی ان کی فوجی حمیت کو جوش آیا ہے؟ اگر نہیں، تو کیا ہم ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ ان ''سلیقہ مند دہشت گردوں'' نے اس کاروائی کی پیشگی اجازت حاصل کی تھی یا نہیں؟ یا پھر ان کے لئے خصوصی اجازت نامے جاری کئے گئے تھے؟ ورنہ ان کو یہ ''جرأتِ رندانہ'' کیسے ہوئی؟ کراچی میں جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اس وقت پولیس اور انتظامیہ کہاں تھی؟ جبکہ اخبارات کی رپورٹ کے مطابق اس ناخوش گوار صورتِ حال کے پیش آنے کی پہلے اطلاع ہوچکی تھی۔

کیا وزیر داخلہ صاحب ان کے خلاف بھی ''گردن دبوچنے'' اور ''آہنی ہاتھوں سے نمٹنے'' کے بلند و بالا دعوے فرماویں گے؟ نہیں، تو آخر کیوں؟ کیا یہ دہشت گردی نہیں؟ اور اگر ہے، تو ان کو ہر جگہ مولوی ہی کیوں نظر آتے ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ ان کے اعصاب پر مولوی سوار ہیں، اور نہیں ہر جگہ حتیٰ کہ خواب میں بھی شاید مولوی ہی نظر آتے ہیں۔ غالباً وزیر موصوف اس پر مأمور ہیں کہ پاکستان میں مولوی کو بدنام کیا جائے، حتیٰ کہ اس کو گالی کا درجہ دے دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولوی دہشت گرد ہوتے تو آئے دن مولوی ہی کیوں قتل ہوتے؟ کوئی ایک ایسا نام بتلا دیا جائے جو غیر مولوی ہو اور اسے کسی مولوی نے قتل کیا ہو؟

سب سے دِلچسپ بات جو وزیر داخلہ نے فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ: ''اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کے لئے ملک بھر میں اذان کا ایک ہی وقت مقرّر کرنے کے لئے قانون سازی کی جارہی ہے۔'' ماشاء اللہ! انہیں کیا خوب سوجھی ہے کہ اذان و نماز کا وقت ہو، یا نہ ہو، مگر چونکہ وزیر داخلہ صاحب کا فرمانِ شاہی ہے، اس لئے اذان دینی چاہئے۔ لیکن اس فرمانِ شاہی کی تعمیل میں اس وقت مشکل پیش آئے گی، مثلاً: جب پشاور میں سورج غروب ہوچکا ہوگا اور وہاں اذانِ مغرب کا فرمان جاری ہوگا، تو اہلِ کراچی بھی اسی وقت اذان و نماز کے پابند ہوں گے، حالانکہ اس وقت ابھی کراچی میں غروبِ شمس میں ۱۵ منٹ باقی ہوں گے، مگر چونکہ فرمانِ شاہی ہوگا، اس لئے اہلِ کراچی سورج کی موجودگی میں، غروبِ آفتاب سے قبل ہی مغرب کی اذان و نماز کے پابند ہوں گے، نماز ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، مگر ''حکمِ حاکم مرگِ مفاجات!'' کے مصداق اس ''فرمانِ شاہی'' کی تعمیل لازمی ہوگی، نہیں تو اندیشہ رہے گا کہ کہیں فرقہ واریت کا الزام نہ دھر دیا جائے۔

یہاں حکومت و انتظامیہ کی بے حسی، سرد مہری، بلکہ بے بسی اور لادِین قوّتوں کی بدمعاشی کی ایک دِل خراش مثال دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جس سے واضح ہوگا کہ موجودہ حکومت کے اہل کار نہ صرف قوم و ملک، مذہب و ملت اور مُلاّ مولوی سے مخلص نہیں، بلکہ حکومت کی مشینری کے ارکان ...نعوذ باللہ... اب اللہ تعالیٰ سے بھی اعلانِ بغاوت کرچکے ہیں، اور چشمِ بدُور وہ اللہ تعالیٰ سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کے موڈ

میں ہیں، چنانچہ اُردو کی کتاب برائے جماعت پنجم، مطبوعہ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو، اُردو اکیڈمی سندھ کراچی، کے صفحہ:۳۹ پر ''پاک سرزمین'' کے عنوان سے ایک ترانہ شائع ہوا ہے، جس کے پسِ منظر میں پاکستان کے جھنڈے تھامے ہوئے ایک بچے اور بچی کو دِکھایا گیا ہے، جس کا عکس درج ذیل ہے:

اور اس ترانہ کے آخری شعر:

دِین و وطن کی خاطر سب کچھ لٹائیں گے ہم
اللہ کے راستے میں، سر تک کٹائیں گے ہم

کے آخری مصرعے کے پہلے حرف لفظ ''اللہ'' کو اس بچے کے نیچے اور جوتے کی ایڑی کے متصل دِکھایا گیا ہے۔

یہ سب کچھ اسی ملک میں ہورہا ہے جو اِسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، جس

کے لئے لاکھوں جانوں کی قربانی دی گئی، اتنی ہی عصمتوں کو لٹایا گیا، اور کروڑوں کی املاک سے دست کش ہونا پڑا، اور جس میں ۵۳ سال سے برسرِ اقتدار آنے والے ہر حکمران نے لیلائے اقتدار سے ہم آغوش ہونے کے لئے اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے کو بے دردی سے استعمال کیا، جناب چیف ایگزیکٹو اور وزیر داخلہ سے کوئی پوچھے کہ مولویوں کی گردن دبوچنے والے ان کے ''آہنی ہاتھ'' کبھی ان انسان نما درندوں اور کتوں کے خلاف بھی اُٹھے؟ اسی طرح بارگاہِ الٰہی میں بھونکنے والی ان زبانوں، اور خارا شگاف ہاتھوں کو سبق سکھانے کے لئے بھی حرکت میں آتے ہیں؟ کیا وہ زبان جو بارگاہِ الٰہی میں بھونکے، اس قابل نہیں کہ اسے گدی سے کھینچ لیا جائے؟ اسی طرح وہ ہاتھ جو رَبّ ِ کائنات کی توہین و تنقیص میں حرکت کرے، اس لائق نہیں کہ اس کو کاٹ کر عبرت کا نشان بنادیا جائے؟ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو کیا یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سب کچھ حکومت کی ملی بھگت سے ہو رہا ہے؟ کیا اس بدمعاشی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا بھی فرقہ واریت ہے...؟

اگر حکومت اس راجپالی رَوِش اور راجپالوں کی سرپرستی سے باز نہ آئی تو یقیناً کوئی غازی علم الدین اُٹھے گا اور ایسے تمام بدباطنوں کا قلع قمع کردے گا۔

ذاتِ باری تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور وہ بھی ایک مسلمان ملک میں...! ہماری عقل وفہم سے بالاتر ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی و گستاخی کسی مسلمان کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، اور اس گئے گزرے دور میں بھی بحمداللہ مسلمان، خالقِ کائنات کے نام پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہے، اور ایسے موذیوں کے مقابلے میں غازی علم الدین شہیدؒ کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اسلام دُشمن عناصر، مسلمانوں کے اس احتجاج سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس لئے ان کی طرف سے گستاخی و دریدہ دہنی کا مسلسل مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، اور وہ کسی نہ کسی شیطان رُشدی کو اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں، اور غالباً اب حکومتِ پاکستان نے اس

''فرض'' کو نبھانے کا ذمہ خود اُٹھالیا ہے۔

اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ اپنی صلاحیتیں دِین دُشمنی میں صَرف کرنے کے بجائے ان موذیوں کو لگام دینے پر خرچ کریں، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اور ایسے بدباطنوں کو قرار واقعی سزا دیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی بطشِ شدید کی ایسی چکی میں پسیں گے کہ دیکھنے والوں کو رحم آئے گا، خدائے قہار سے ڈریں اور اپنی دُنیا و آخرت برباد نہ کریں۔

یقین نہیں آتا کہ یہ وہی معین الدین حیدر صاحب ہیں، جن کے بار بار یہ بیانات آتے رہے ہیں کہ مدارس ۹۹.۹٪ (ننانوے اعشاریہ نو فیصد) صاف و شفاف ہیں، ان میں قتل و غارت گری کی ٹریننگ نہیں دی جاتی، بلکہ یہاں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ علماء، طلباء اور قوم کو پاکباز زندگی گزارنے کی تعلیم دیتے ہیں۔مگر ان کے ایک دَم رویے کی تبدیلی سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً وہ دِین بے زار افراد، اور اسلام دُشمن اخبارات کی دِین دُشمن پالیسی اور علماء دُشمنی پر مشتمل مضامین کی بھرمار سے متأثر ہوگئے ہیں، حالانکہ انسانی جان چاہے کسی کی بھی ہو، اس کا تحفظ اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک عالم و فاضل اور مقتدر راہ نما کی جان کا تحفظ ضروری ہے،اس لئے پاکستان میں جو روزانہ زَر، زَن، زَمین، غصہ، رقابت اور خاندانی دُشمنی کے نام پر دس بیس انسانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے، اس کا سدِ باب بھی ضروری ہے،لیکن انتظامیہ اور اس کی مشینری کے کل پرزے مظلوم کو حق و انصاف دِلانے اور اس قتلِ عام کے سدِ باب سے عاری ہیں، اس لئے وہ مُلّا مولوی کے معمولی اختلافات کو ...جس میں اگرچہ درپردہ ہاتھ کسی اور کا ہوتا ہے... بڑھا چڑھا کر پیش کرکے اپنی مجموعی نااہلی پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

ہم اَربابِ اقتدار سے اور خصوصاً جناب وزیر داخلہ صاحب سے گزارش کریں گے کہ اس کا تدارک اور سدِ باب کیا جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ مطابق جولائی ۲۰۰۱ء)

امریکی عزائم اور ہماری ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

١١رستمبر ٢٠٠١ء بروز منگل دنیا کی واحد سپر طاقت، امریکہ اس وقت اپنی تاریخ کی بدترین تباہی کا شکار ہوا جب امریکی دار الحکومت واشنگٹن اور نیویارک کے مشہور شہروں میں ہائی جیکروں نے امریکی بوئنگ ٧٦٧ کے ٤ طیارے ہائی جیک کر کے واشنگٹن میں امریکی محکمۂ دِفاع پنٹاگون کی عمارت اور نیویارک میں بین الاقوامی تجارتی مرکز ورلڈ ٹریڈ سینٹر سے ٹکرادیئے اور محکمۂ خارجہ (اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ) کے باہر کار بم دھماکہ کیا گیا۔ امریکہ میں ہونے والے ان خودکش حملوں سے ہزاروں افراد ہلاک اور اتنی ہی تعداد میں زخمی ہوئے، جبکہ اربوں ڈالر کا نقصان ہوا اور ملک کے تمام ہوائی اَڈّے بند کردیئے گئے، ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی دو جڑواں عمارتیں جو ١١٠ منزلوں پر مشتمل تھیں، زمین بوس ہوگئیں اور اس میں موجود دُنیا بھر کے تجارتی مراکز جل کر خاکستر ہوگئے۔ ایسے ہی محکمۂ دِفاع کی عمارت پنٹاگون جو ناقابلِ تسخیر قلعے کی حیثیت سے مشہور تھی، اس کا ایک حصہ بالکل تباہ ہوگیا، جبکہ ہائی جیک کیا گیا چوتھا طیارہ جنگل میں گرا کر یا گر کر تمام مسافروں سمیت فضاء میں تحلیل ہوگیا۔ بلاشبہ یہ عذابِ الٰہی کی ایک جھلک تھی، جس میں فرعون امریکہ اور اس کے حواریوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کی مخلوق پر ظلم وستم ڈھانے سے باز نہ آئے تو تم بھی نشانِ عبرت بنادیئے جاؤ گے۔

ان اچانک اور غیر معمولی کاروائیوں سے امریکہ کی ہوا اُکھڑ گئی اور صدر بش اپنی کابینہ سمیت مبہوت ہوکر رہ گیا۔ یہ کاروائی اس قدر منظّم اور تیز تھی کہ امریکی انٹیلی جنس کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ اس کاروائی میں شریک افراد نے جس طرح بیک وقت طے شدہ پروگرام کے تحت پھرتی، چستی اور غیر معمولی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ بجائے خود ایک ناقابلِ فہم معما ہے کہ دُنیا کی عظیم قوّت، جدید ترین ٹیکنالوجی اور جاسوسی کے نظام سے لیس سپر طاقت کی ہزاروں ایجنسیوں کی آنکھ میں کس طرح دھول جھونکی گئی یا پھر خود انہوں نے اس سے کیسے چشم پوشی اختیار کرلی...؟

تاحال اس کی تحقیق نہیں ہوسکی کہ یہ کاروائی کس نے کی ہے؟ مگر امریکی صدر، امریکی کانگریس اور اس کے اتحادیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ افغانستان میں روپوش عرب مجاہد اُسامہ بن لادن کی کاروائی ہے اور اس کے پیچھے افغانستان کی طالبان حکومت کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بغیر کسی تحقیق و تفتیش اور شہادت وثبوت کے اگلے دن یہ اعلان کردیا کہ ہم اس جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں گے اور اُسامہ بن لادن اور افغان حکومت سے اس کا بدلہ لیں گے۔ صدر بش نے کہا کہ ہم اس وقت حالتِ جنگ میں ہیں کیونکہ دہشت گردوں نے ایک مہذّب دُنیا پر حملہ کیا ہے اور معصوم و بے گناہ شہریوں کو قتل کرکے طالبان اور اُسامہ نے ایک طویل صلیبی جنگ کا بگل بجادیا ہے۔ جبکہ افغانستان اور خود اُسامہ بن لادن نے پہلے دن ہی اس دہشت گردی سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے اس کی بھرپور مذمت کی تھی، اسی طرح بین الاقوامی ایجنسیوں، اعتدال پسند راہ نماؤں اور مختلف ممالک کے وزراء، سینیٹرز اور دانشوروں نے امریکہ کو طالبان پر حملہ کرنے میں جلد بازی سے باز رہنے کا مشورہ دیا ہے، جبکہ واضح اشارات، علامات وقرائن اور ایجنسیوں کی تحقیقات کا زیادہ تر رُخ اس طرف جاتا ہے کہ یہ خودکش حملے امریکہ میں موجود بعض منحرف امریکیوں اور یہودیوں کی کارستانی ہے۔

چنانچہ یہ بات اخبارات کے ریکارڈ پر ہے کہ متوقع حملے کے دن ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں کام کرنے والے چار ہزار یہودی کام پر نہیں گئے، اسی طرح اسرائیلی وزیرِاعظم نے اس دن اپنے طے شدہ امریکی دورے کو پیشگی منسوخ کردیا تھا۔ جس سے صاف اور واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس بدترین دہشت گردی میں اسرائیلی تنظیم ''موساد'' ملوّث ہے۔ جیسا کہ پاکستان کی آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل نے اسرائیلی وزیرِاعظم کے اس بیان اور دھمکی کی نشاندہی کی ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ اگر امریکہ نے ہماری بات نہ مانی تو ہم نیویارک کو جلاکر خاکستر کردیں گے، مگر اسلام دُشمن قوّتوں کے سربراہ، بین الاقوامی دہشت گرد، دہشت گردی کے سرپرست، اور اسلامی حکومت افغانستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرنے والے امریکہ بہادر اور اس کے اتحادی بضد ہیں کہ ہم نے ہرحال میں افغانستان اور اُسامہ بن لادن اور اس کے پشت پناہوں کو سبق سکھانا ہے، حالانکہ دُنیا بھر کے اسلامی ممالک اور امریکہ کے بعض حقیقت شناس اتحادی بھی اسی پر زور دے رہے ہیں کہ امریکہ کو افغانستان پر حملہ کرنے میں عجلت سے کام لینے کے بجائے تحمل و بردباری اور تحقیق و تفتیش کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔

چنانچہ رُوس، چین، ایران، سعودی عرب اور خود پاکستان نے خصوصی طور پر اس طرف توجہ دِلائی ہے، مگر امریکہ بہادر طاقت کے نشے میں مست ہوکر کسی بات کو سننے کے لئے آمادہ نہیں، چونکہ امریکہ پر اسلام دُشمنی کا بھوت سوار ہے اس لئے وہ دُنیا کی واحد اسلامی حکومت کا نام ونشان مٹانے اور ایشیا میں اپنے ناپاک پنجے گاڑنے کے لئے پاکستان سے فضائی اَڈّے حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے، اگرچہ رُوس، چائنا، ایران، ترکمانستان اور بنگلہ دیش نے فی الجملہ امریکی پروگرام کی حمایت کی ہے مگر انہوں نے فضائی اَڈّے دینے سے صاف معذرت کرلی ہے، لیکن افسوس اور صد افسوس ہے پاکستانی قیادت پر! جو اِسلام، مسلمانوں اور خود اپنے ملکی مفادات کی پروا

کئے بغیر نہ صرف امریکہ کو ہوائی اَڈّے دینے پر آمادہ ہے بلکہ اپنے اس اقدام کو سندِ جواز فراہم کرنے کے لئے تحریف فی الدین کا ارتکاب کرچکی ہے، چنانچہ صدرِ پاکستان نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''اسلام آباد (نمائندہ جنگ) صدر چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا اور مشرکین کے خلاف ۳ غزوات میں فتح حاصل کی، انہوں نے کہا کہ کچھ علماء اور مذہبی رہنما جذباتی فیصلے کی طرف مائل ہیں، میں ان کو اسلام کی پہلی چھ سال کی تاریخ یاد دِلانا چاہتا ہوں، صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عمرؓ جذباتی ہو رہے تھے، حضور اکرمؐ نے ان سے کہا کہ آپ کو آئندہ برسوں میں اس کے فائدہ کا پتہ چلے گا، انہوں نے کہا کہ اسلام کا کیلنڈر ہجرت سے شروع ہوا، یہ اہمیت ہے ہجرت کی، جب حضورؐ مکہ سے مدینہ گئے، اسلام کو بچانے کے لئے ہجرت کی، دانشمندی سے اسلام کو بچانے کے لئے ہجرت کی انہوں نے، (نعوذ باللہ) کیا یہ بزدلی تھی؟ ہجرت کرکے جب حضورؐ مدینہ پہنچے تو انہوں نے میثاقِ مدینہ یعنی ایک فرینڈشپ کیا، اپنے دشمنوں یعنی یہودیوں کے ساتھ، یہ دانشمندی تھی، یہ معاہدہ چھ سال چلا اور ان چھ سالوں میں تین غزوات ہوئے، غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق۔ اس میں اہلِ مکہ جو کافر تھے ان سے یہ غزوات ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کیونکہ یہودیوں کے ساتھ امن معاہدہ تھا، مسلمانوں کو فتح ملی اور کافروں کو شکست ہوئی۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۰/ستمبر ۲۰۰۱ء)

جنابِ صدر نے اپنے اس خطاب میں یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے معاہدہ کیا تھا اور اس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا تھا، اس لئے اگر ہم نے امریکہ سے معاہدہ کیا ہے تو ہمارا معاہدہ بھی نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میثاقِ مدینہ کی مانند ہے اور اس میں ہمیں اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی نصیب ہوگی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ان کا اپنا مطالعہ نہیں بلکہ غالباً کسی مجوّزہ ماڈل دِینی مدرسہ کے ممکنہ چیئرمین یا وائس چیئرمین کی ''تحقیقی کاوش'' اور ذہنی تخلیق ہے، ورنہ قرآن و حدیث اور تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا وہ کسی مسلمان فرد یا قوم کے خلاف نہیں تھا بلکہ مشرکینِ مکہ کے خلاف تھا، اور یہ طے شدہ قرآنی اُصول ہے کہ کسی کافر و مشرک قوم کے خلاف مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے وقتی معاہدے کی اجازت ہے، جبکہ موجودہ صورتِ حال میں صدر پرویز مشرف صاحب، افغان مسلمانوں اور ایک اسلامی حکومت کے خلاف جارحیت میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاہدہ کرکے اپنے آپ کو، مملکتِ خداداد پاکستان اور ۱۴ کروڑ پاکستانی مسلمانوں کو، یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کی صف میں لا کھڑا کرنے کی قابلِ صد نفرین مہم میں مصروف ہیں، جو مسلمانانِ پاکستان، مملکتِ خداداد پاکستان اور خود صدرِ پاکستان کے لئے باعثِ شرم اور لائقِ ننگ و عار ہے۔ مسلمان چاہے کتنے ہی گناہ گار کیوں نہ ہوں، مگر وہ یہ کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ ان کی مرضی کے خلاف انہیں طاغوتی قوّتوں اور اسلام دُشمن طاقتوں کے پلڑے میں ڈال دیا جائے۔

اسی طرح اربابِ اقتدار کا یہ اقدام قیامِ پاکستان کے مقاصد کے بھی خلاف ہے، کیونکہ جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہو، جس کے قیام میں لاکھوں مسلمانوں کا خون شامل ہو، اور جس کی تأسیس میں لاکھوں پاک دامنوں کی عصمتوں کو نچھاور کیا گیا ہو، اس کو یہود و نصاریٰ کی تائید و تعاون اور مسلمانوں کے خلاف استعمال

کرنا، یقیناً شہداء کے خون سے غداری اور اس کے مقصدِ قیام سے بغاوت ہوگی، جو کسی طرح بھی قابلِ برداشت نہیں۔ مسلمان اس بدترین سازش کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

اسی طرح جنابِ صدر نے صلحِ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس دانشمندی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جذباتیت کا تذکرہ فرمایا ہے، اس میں بھی سہواً یا عمداً تحریف فی الدِّین اور دجل وتلبیس سے کام لیا گیا ہے اور حقائق کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی بدخواہ نے جنابِ صدر سے قرآن وسنت کے خلاف لب کشائی کراکر انہیں مسلمانوں کے غیظ وغضب کا نشانہ بنانے کی سازش کی ہے، چنانچہ اس نکتے کو جان بوجھ کر حذف کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکمت و دانائی اور حلم وتحمل کے کوہِ گراں تھے، مگر جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ میں آپ کے ایلچی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے کسی حلم و تحمل اور حکمتِ عملی کی پروا کئے بغیر چودہ یا پندرہ سو صحابہ کرامؓ کو خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے نہ صرف آمادۂ جہاد کیا، بلکہ ایک درخت کے نیچے حدیبیہ ہی میں ان سے بیعت لی، جس کو قرآن کریم نے "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" میں بیان فرمایا ہے، اور یہی وہ بیعتِ رضوان ہے جس کو ایک ادنیٰ پڑھا لکھا مسلمان بھی جانتا ہے۔

جنابِ صدر کو غور کرنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک مسلمان کی حرمت اور جان کی خاطر کفار سے آمادۂ برسر پیکار ہوجاتے ہیں، مگر وہ ۱۴ کروڑ مسلمانوں کو تلقین فرماتے ہیں کہ لاکھوں افغان مسلمان اگر امریکہ کی تیغ خون آشام کی بھینٹ چڑھتے ہیں یا اس کی شمشیرِ بے نیام سے قربان ہوتے ہیں تو ہونے دو، اسی طرح وہ اسلامی حکومت، جو بیس لاکھ افغانوں کی قربانیوں کی برکت سے وجود میں آئی

ہے، اگر مٹتی ہے تو اسے مٹنے دو، اگر طاغوت کو اسلام پر غلبہ حاصل ہوتا ہے تو ہونے دو، مگر تمہیں حکمت و دانشمندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

جنابِ صدر! یہ حکمت و دانشمندی نہیں، بلکہ بے غیرتی اور بزدلی ہے کہ فرعون امریکہ ہمارے کندھوں پر سوار ہوکر ہمارے مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپائے اور ہم چپ چاپ اس کی ہاں میں ہاں ملاکر حکمت و دانائی کی مالا جپتے رہیں، یہ حلم و تحمل نہیں بلکہ خست و دنائت ہے کہ ہمارے ہاتھوں امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اِینٹ سے اِینٹ بجائی جائے اور ہم امن و چین کی بانسری بجاتے رہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا کیا گیا تو تاریخ ہمیں قطعاً معاف نہیں کرے گی اور ہمارا نام میر جعفر اور صادق ایسے غداروں میں لکھا جائے گا۔

اسی طرح ہمیں اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بلاشبہ ہم نہ دہشت گرد ہیں اور نہ ہی دہشت گردی کی حمایت و سرپرستی کرتے ہیں، بلکہ اسلام نے ہمیشہ دہشت گردی کی حوصلہ شکنی کی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں جبکہ امریکہ میں خودکش حملے ہوئے اور اس میں امریکی کام آئے تو صرف اسے ہی کیوں دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے؟ اور صرف اس کاروائی میں مرنے والوں کو ہی کیوں معصومیت کا درجہ دیا جاتا ہے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ وہ امریکی تھے...؟ ورنہ کیا اس سے قبل امریکہ بہادر نے جاپان پر ایٹم بم گراکر لاکھوں جانوں کے قتلِ عام کا ارتکاب نہیں کیا؟ کیا وہ دہشت گردی نہیں تھی؟ اور کیا اس دہشت گردی کے خلاف بھی کسی نے امریکہ کو مزہ چکھایا؟ اس ایٹمی حملے میں کام آنے والے لاکھوں جاپانیوں کو بھی معصوم شہریوں کا درجہ دیا گیا؟ اسی طرح امریکہ نے ویتنام میں انسانوں کا قتلِ عام نہیں کیا؟ الجزائر، کوسووو، افغانستان اور فلسطین جس کے قتلِ عام کی روزانہ خبریں چھپتی ہیں، اور اسرائیلی فوجی، بلڈوزروں سے مسلمان آبادیوں کو مسمار کر رہے ہیں اور تا حال فلسطینی مسلمان ان کی جارحیت کا شکار ہیں، امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کبھی اس

جارحیت اور دہشت گردی کے خلاف بھی لب کشائی کی ہے؟ اگر نہیں، تو کیوں...؟ اسی طرح ایک آزاد اسلامی ریاست افغانستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والوں اور خالص اسلامی ملک انڈونیشیا کے وسط میں مشرقی تیمور نامی عیسائی بستی آباد کرکے عیسائیوں کو تحفظ نہیں دیا گیا؟ کبھی اس دہشت گردی اور جارحیت کا نوٹس بھی لیا گیا ہے...؟

امریکہ کے اتحادی مسلمان حکمرانوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ امریکہ کے توسیع پسندانہ پروگرام اور عیسائی نوآبادیاتی اسکیم کا حصہ بننے کے بجائے ملّی غیرت کا ثبوت دیں اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اسلام اور مسلمانوں کی بقا کے لئے استعمال کریں۔

جنابِ صدر اور اس کی کابینہ کے دانشوروں نے طے کرلیا ہے کہ امریکہ بہادر کی خوشنودی اور چند دنیاوی مفادات حاصل کرنے کے لئے امریکی دہشت گردی میں اس کا ساتھ دیں گے، لیکن غالباً انہیں اس اقدام کی سنگینی اور پاکستان کے لئے مشکلات کا اندازہ نہیں، اگر خدانخواستہ امریکہ پاکستان میں آنے اور اس کے اَڈّے استعمال کرنے پر قادر ہوگیا تو پاکستان درج ذیل مشکلات کا شکار ہوسکتا ہے، مثلاً:

ا:... پاکستان اوراس کے اربابِ اقتدار عالم اسلام کے مسلمانوں کے غیظ و غضب کا شکار ہوجائیں گے اور اس سلسلے میں پاکستان کے مسلمان بھی ان کا ساتھ دینے کے بجائے ان سے جان چھڑانے کی کوشش کریں گے، اور اربابِ اقتدار پاکستانی عوام کے غیظ وغضب کی پاداش میں اقتدار کی کرسی سے بیک بینی و دو گوش الگ کردیئے جائیں گے۔

۲:... پاک افغان سرحد جو ۲۳ سو کلومیٹر لمبی ہے، مخدوش ہوجائے گی اور پاکستان اپنے مسلمان دوستوں میں سے ایک قدیم دوست سے محروم ہوجائے گا۔

۳:... پاکستان کا ایٹمی پروگرام غیرمحفوظ ہوجائے گا، اور عین ممکن ہے کہ امریکہ اپنے اتحادی اسرائیل یا انڈیا کے ذریعہ اس پر بمباری کراکے اسے تباہ و برباد

کردے۔

۴:... پاکستان کی اقتصادی اور معاشی حالت ایک دم درجہ صفر پر آجائے گی۔

۵:... امریکہ کی تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ جس ملک میں گیا ہے وہاں سے وہ کبھی واپس نہیں گیا، چنانچہ عراق کویت تنازعہ کے بہانے سعودی عرب میں امریکی افواج کی تاحال موجودگی اور سعودی عرب کی اقتصادی تباہی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، یقیناً یہاں بھی وہ افغانستان کی پاکستان کے خلاف جوابی کاروائی کے سد باب کے بہانے ہمیشہ پاکستان میں موجود رہنے کی کوشش کرے گا۔

۶:... پاکستان پر ہمیشہ امریکہ ناراضگی کی تلوار لٹکتی رہے گی اور اس کی آزاد حیثیت ختم ہوجائے گی بلکہ وہ امریکہ کی کالونی کی حیثیت اختیار کرجائے گا۔

۷:... اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ کے لئے امریکہ اسے مزید غیراسلامی اقدامات پر مجبور نہ کرے؟

۸:... امریکہ کی خوشنودی اور دُنیاوی مفادات میں مسلمانوں کی غداری کے مرتکب پاکستانی حکمران کیا اس کی ضمانت دِلا سکتے ہیں کہ آئندہ کے لئے امریکہ اس سے راضی رہے اور ان سے کئے گئے وعدے پورے بھی ہوں؟ ہمارا وجدان یہ کہتا ہے کہ امریکہ اپنے مقاصد پورے کرنے کے باوجود بھی پاکستان کو طفل تسلیوں میں رکھے گا۔

۹... قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق امریکہ کے یہودی اور عیسائی پالیسی ساز، مسلمانوں سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ یہودیت یا عیسائیت نہ قبول کرلیں۔ کیا اربابِ اقتدار اس کے لئے تیار ہیں...؟

۱۰:... ترکی کی یورپ نوازی اور اس کا حشر سب کے سامنے ہے کہ اس نے اپنے ملک سے اسلام اور اسلامی کلچر کو نکال باہر کیا مگر پھر بھی یورپین برادری نے آج تک اسے نہ صرف یہ کہ یورپی برادری میں شامل نہیں کیا بلکہ اقتصادی طور پر اسے اتنا

مفلوک الحال بنادیا ہے کہ اب اس کی کرنسی کا یہ حال ہے کہ ۱۲ لاکھ ترکی لیرا کی قیمت ایک ڈالر کے برابر ہے:

”نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!“

ان حالات ومشاہدات کی روشنی میں پاکستان کے اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ اپنے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کریں اور ملّی غیرت کا ثبوت دیں۔

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی رجب ۱۴۲۲ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۱ء)

اربابِ اقتدار کا کردار!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

عالمِ اسلام اس وقت جس شکست و ریخت، ذِلت و رُسوائی اور مظلومیت و مقہوریت کا شکار ہے، شاید اس سے پہلے کبھی وہ ایسی دردناک صورتِ حال سے دوچار نہیں ہوا ہوگا۔ اس وقت دُنیا میں مسلمان مجموعی اعتبار سے ایک اَرب سے زائد ہیں، مگر بدقسمتی سے وہ بزدلی، بدعملی، بے راہ روی اور بدترین انتشار کا شکار ہوکر اپنا مقام و مرتبہ کھوچکے ہیں، اور مسلم اُمہ کے باہمی اتحاد و اتفاق اور رابطے کی کوئی قابلِ ذکر شکل و صورت نظر نہیں آتی، دُنیا کے نقشے پر مسلم حکومتوں کی کمی نہیں، اسی طرح قدآور مسلم حکمرانوں کا فقدان بھی نہیں، مگر عملی طور پر اسلام کی سربلندی، دِین و ملت کی پاسبانی اور مسلمانوں کے بقائے باہمی کی تحریکوں میں ان کا کوئی قابلِ تقلید کردار نظر نہیں آتا۔

یہی وجہ ہے کہ دُنیا بھر میں مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں، مظلومیت کا شکار اور عالمی استعمار کا تختۂ مشق ہیں، ان کی مظلومیت کے حق میں کسی کو آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں، کسی مسلم حکمران کو یہ ہمت نہیں کہ وہ مظلوموں کا ساتھ دے اور ظالم کا ہاتھ روک سکے، یا کم از کم مسلمانوں کے خلاف کھلی جارحیت اور ظلم و بربریت پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے ظلم کو ظلم ہی کہہ سکے، بلکہ اس کے برعکس اکثر و بیشتر

نام نہاد مسلم حکمران استعماری طاقتوں کے آلۂ کار اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے نظر آرہے ہیں۔ بادی النظر میں اس کے کئی اسباب و وجوہ ہوسکتے ہیں:

ا:... مسلم حکمران بدقسمتی سے اس وقت نسلی، وطنی اور جغرافیائی تقسیم کا شکار ہوچکے ہیں۔

۲:... مسلم حکمران ذاتی اغراض اور ملکی مفادات کو دِین و مذہب اور ملتِ اسلامیہ کے مفادات پر ترجیح دینے کی بدترین غلطی کا شکار ہوگئے ہیں۔

۳:... مسلم حکمران حبِ جاہ کا شکار ہوکر اپنے عارضی اقتدار کے تحفظ میں اس قدر مصلحت پسندی میں مبتلا ہوچکے ہیں کہ اب انہیں اس کی بھی پروا نہیں کہ دُنیا بھر کے مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے؟

۴:... ماضی میں جب کبھی مسلم حکمرانوں نے مسلم اُمہ کے مفاد میں کوئی آواز اُٹھائی یا کوئی مؤثر قدم اُٹھانے کی کوشش کی تو ان کی گردن دبوچ لی گئی، اور اگر کسی حکمران نے جرأتِ رندانہ کا مظاہرہ کیا تو اسے فوراً راستے سے ہٹادیا گیا، اس لئے مسلم حکمران ''وہن'' اور بزدلی کا شکار ہوچکے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہی وہ مرض ہے جس کی بنا پر مسلمان باوجود کثرت کے ذِلت کا شکار ہیں، اور عالمی استعمار کی نظروں میں ان کی حیثیت سمندر کے جھاگ سے کچھ زیادہ نہیں ہے، دُشمن کے دِلوں سے ان کا خوف نکل گیا ہے، اور دُشمن کی جارحیت بڑھتی جارہی ہے، جبکہ مسلم حکمران بھیگی بلی بن کر مسلمانوں کے قتلِ عام پر خاموش ہیں بلکہ اس میں برابر کے شریک ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کی اس بدعملی، بدکرداری اور کمزوری کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''..... یوشک الأُمم أن تداعیٰ علیکم کما تداعی الاکلة الٰی قصعتھا، فقال قائل: ومن قلة نحن

یـومـئـذٍ؟ قـال: بل أنتم یومئذٍ کثیر ولٰـکنکم غثاء کغثاء السیـل، ولیـنزعنّ اللہ من صدور عدوّکم المھابۃ منکم، ولیـقـذفـنّ اللہ فـی قـلوبکم الوھن. فقال قائل: یا رسول اللہ! ما الوھن؟ قال: حب الدنیا وکراھیۃ الموت.“

(ابوداؤد ص:۵۹۰)

ترجمہ:... ”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے جبکہ تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے (مل کر سازش کریں گی اور) ایک دُوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے والے (لذیذ) کھانے کی طرف ایک دُوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہماری قلّتِ تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کے دِلوں سے تمہارا رُعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اور تمہارے دِلوں میں ”بزدلی“ ڈال دیں گے۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔“

مسلمانوں کی یہی وہ کمزوری ہے جس کو بھانپ کر کفار نے تہیہ کرلیا ہے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹادیا جائے، چنانچہ اب باقاعدہ منصوبہ بندی اور کامیاب حکمتِ عملی کے تحت مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے پروگرام پر عمل درآمد شروع ہوچکا ہے، جس کا پہلا وار آج سے بیس سال قبل سوویت یونین کے سرخ ریچھ نے افغانستان پر حملہ کرکے کیا اور مسلمانوں کو ختم کرنے اور افغانستان کو ہڑپ کرنے کی

کوشش میں اس نے بیس لاکھ افغان مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، لیکن ’’وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ‘‘ (اورانہوں نے مکر کیا، اوراللہ تعالیٰ نے ان کے مکر کا توڑ کیا اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں) کے آسمانی فیصلے نے ان کے خواب کو چکنا چور کردیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رُوس ضربِ ید اللّٰہی کی آہنی دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا اور خلافِ توقع رُوس جیسی دُنیا کی سپر طاقت اپنا وجود تک برقرار نہ رکھ سکی اور شکست کا شکار ہوکر اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہوگئی۔ دُوسری طرف افغانی مسلمانوں کی قربانی رنگ لائی اور افغانستان میں مٹھی بھر طالبان کے ذریعہ ایک خالص اسلامی ریاست وجود میں آگئی، اور کل کا لبرل افغانستان آج خلافتِ راشدہ کا نقشہ پیش کرکے نفاذِ اسلام کا پھریرا لہرانے لگا، جس سے عالمی استعمار کے انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی اور اس نے زخم خوردہ سانپ کی طرح پہلے سے کہیں زیادہ قوّت وشدّت سے افغانستان پر حملہ کردیا۔

چنانچہ گزشتہ ایک ماہ سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مفلوک الحال طالبان اور بیس سالہ جنگ زدہ تباہ حال افغانستان پر اس سلسلے کا دُوسرا حملہ کردیا ہے، اور مسلسل ایک ماہ سے افغان شہری بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار ہیں، چنانچہ روزانہ سینکڑوں میزائل اور بم شہری آبادیوں پر برسا کر مسلمانوں کو خاک وخون میں تڑپایا جارہا ہے۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ امریکی دہشت گردی کا نشانہ بننے والے زیادہ تر معصوم بچے، بوڑھے، پردہ نشین خواتین اور ہسپتالوں میں زیرِ علاج مریض ہیں، اخباری اطلاعات کے مطابق بعض علاقوں میں امریکی بربریت کے نتیجے میں سینکڑوں انسانوں خصوصاً خواتین اور معصوم بچوں کے اعضا بکھرے ہوئے ہیں، کہیں کوئی انسانی کھوپڑی پڑی ہے، تو کہیں کسی معصوم بچے کی ٹانگ اور ہاتھ بکھرے نظر آتے ہیں، پورا گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا ہے، سچ یہ ہے کہ انسانی حقوق کے

دعوے دار امریکی بھیڑیوں نے انسانوں کی توہین و تذلیل اور مسلمانوں کی نسل کشی میں نازیوں کے مظالم کو بھی مات کردیا ہے۔

دُوسری طرف ان مظلوم مجاہدین پر اقتصادی پابندیاں عائد کرکے انہیں جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے دو وقت کی روٹی سے بھی محروم کردیا گیا ہے، عالمِ کفر، فرعون امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں کی اس بدترین جارحیت اور سفاکی پر ہمیں افسوس نہیں، ہمیں اگر افسوس اور دُکھ ہے تو ان غدارانِ ملک و ملت اور باغیانِ اسلام، نام نہاد مسلم حکمرانوں کے طرزِ عمل پر، جو اپنے ہاتھوں ایک اسلامی ریاست کی تباہی و بربادی اور ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپانے میں صلیبی حکمرانوں کے ہراوَل دستے کا کردار ادا کررہے ہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ جس طرح صلیبی حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح کرنے، انہیں سبق سکھانے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے متحد ہوکر جہاد کو دہشت گردی اور جذبۂ حریت کو بغاوت کا نام دے کر افغانستان اور دُوسرے مسلمانوں پر حملہ کردیا ہے، ہم بھی ان کی جارحیت کے مقابلے میں متحد ہوکر، اعلاء کلمۃ اللہ اور احیائے اسلام کے مقصدِ وحید کے لئے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر کفر کے مقابلے میں سینہ سپر ہوجاتے، اور استعمار کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے، مگر افسوس! صد افسوس...! کہ مسلمان حکمران خصوصاً پاکستانی قیادت نے اس سلسلے میں نہایت گھٹیا کردار ادا کیا ہے اور چند خالی خولی وعدوں پر پوری پاکستانی قوم کے اسلامی جذبات کو امریکہ بہادر کی بارگاہ میں ڈھیر کردیا، اور پوری افغان قوم اور اسلامی حمیت کا بھرے بازار میں چند ٹکوں کے عوض سودا کردیا۔ اس پر صرف پاکستان کے ہی نہیں بلکہ دُنیا بھر کے مسلمانوں نے احتجاج کیا، اور اَربابِ اقتدار کے اس قابلِ نفرت فعل کو تنقید کا نشانہ بنایا، مگر افسوس کہ ہمارے اربابِ حکومت پر اس کا ذرّہ بھر کوئی اثر نہیں ہوا، شاید اس لئے کہ جب کسی کا ضمیر مردہ ہوجائے اور

دِل سے ایمان کی حرارت ختم ہوجائے تو اسے بُرائی، اچھائی، اور بے غیرتی، غیرت دِکھائی دیتی ہے۔

جناب پرویز مشرف کی امریکہ نواز پالیسی کو جس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اس پر جتنا احتجاج کیا گیا ہے، شاید پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے کسی حکمران اور اس کی پالیسی پر اتنا احتجاج نہیں کیا گیا، چنانچہ دِفاعِ پاکستان و افغانستان کونسل کی اپیل پر متعدّد ہڑتالیں کی گئیں، کئی بار پورا پاکستان مکمل طور پر احتجاجاً بند رہا، جیکب آباد ایئرپورٹ کا گھیراؤ کیا گیا اور شاہراہِ ریشم کو کئی دن تک بند رکھا گیا، اسی طرح ملک بھر کی تاجر برادری اور ٹرانسپورٹروں نے بھی کاروبار بند کرکے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا، مگر کورمغز حکمران اور ان کے سیاہ باطن وزیر و مشیر تاحال اس کو خاطر میں لانے سے قاصر ہیں، بلکہ نشۂ اقتدار میں مست ان امریکی غلاموں نے پُرامن احتجاج کرنے والے نہتے شہریوں کو خاک وخون میں تڑپایا اور امریکہ بہادر کو خوش کرنے کے لئے متعدّد سیاسی اور مذہبی راہ نماؤں کو جائز احتجاج کے حق سے محروم کرتے ہوئے پابندِ سلاسل کردیا اور ان پر بغاوت کے مقدمات بنائے۔

امریکہ نواز حکمرانوں کو شاید اس کا اندازہ نہیں کہ ان کی اس بے غیرتی پر مبنی بزدلانہ پالیسی سے ملک وقوم اور ملتِ اسلامیہ کو کتنا بڑا نقصان ہوا ہے، اور ملک وقوم کے وقار کو کتنا بڑا دھچکا لگا ہے؟ ہمارے خیال میں جناب پرویز مشرف کو بھی اس کا اندازہ ہوچکا ہوگا کہ کل تک پاکستان کی منّت کرنے والا امریکہ آج اپنی من مانی کا ہر فیصلہ پاکستان پر مسلط کرنا چاہتا ہے، اس کے مطالبات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں، اس کو پاکستانی آئی ایس آئی پر اعتماد نہیں رہا، وہ ملک بھر کی جہادی تنظیموں پر پابندی کا زور و شور سے مطالبہ کر رہا ہے، وہ ملک کے نام وَر سائنس دانوں اور متعدّد اہم شخصیات کے بارے میں یہ عندیہ دے چکا ہے کہ وہ اسے مطلوب ہیں، اسی طرح وہ پاکستان سے مزید ہوائی اَڈّے بھی مانگ رہا ہے، اسے افغانستان میں اپنے مقاصد کے

لئے پاکستانی فوجی کمانڈوز بھی درکار ہیں، اب وہ پاکستان پر دباؤ بڑھانے کے لئے یہ دھمکی بھی دیتا ہے کہ افغانستان کے علاوہ کچھ دُوسرے ممالک بھی ہیں جہاں دہشت گرد رہتے ہیں، ہم وہاں بھی بمباری کریں گے ...اور غالبًا پاکستان اس فہرست سے خارج نہیں...اسے اب صدر پرویز کی کوئی بات اچھی نہیں لگتی، چنانچہ پرویز صاحب کی جنگی کاروائی مختصر کرنے کی استدعا کو امریکہ نے پائے حقارت سے ٹھکرادیا ہے، اسی طرح ان کی یہ درخواست بھی امریکہ کے ہاں کسی اہمیت کی حامل نہیں رہی کہ رمضان المبارک میں حملے روک دیئے جائیں۔ اور جہاں تک امریکی امداد کی بات ہے، اس میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، ابھی تک محض خوش کن وعدے اور قرضوں کی ادائیگی میں ریلیف کے بہلاوے ہیں، جبکہ اب امریکہ بہادر کو اس کی بھی فکر پیدا ہوگئی ہے کہ پاکستانی ایٹمی قوّت کا خاتمہ کس ''خوش اُسلوبی'' سے کیا جائے؟ چنانچہ کولن پاؤل نے نہایت ''خیرخواہانہ'' انداز میں یہ پیشکش بھی کی ہے کہ ہمارے ہاں چونکہ اس کی ''حفاظت'' کا انتظام اچھا ہے اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو ''دُودھ کا رکھوالا بِلّا'' کے مصداق ہم ہی اس ''نیک'' کام کو سنبھال لیں...اور نہیں معلوم کہ وہ بدبخت کب یہ ''کارنامہ'' انجام دے دے...؟

اس لئے اب بھی وقت ہے کہ اربابِ اقتدار ہوش کے ناخن لیتے ہوئے خودداری کا ثبوت دیں اور امریکہ بہادر کو دوٹوک الفاظ میں کہیں کہ اس دہشت گردی کا فوری خاتمہ کیا جائے، اور اس دہشت گردی کے لئے ہماری زمین اور فضا کو قطعاً استعمال نہ کیا جائے۔

گیڈر کی ہزار سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اور جرأت وشجاعت کا ایک لمحہ، بزدلی اور ذِلت کے سو سال سے بہتر ہے، اگر مسلم ممالک ملّی غیرت کا ثبوت دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ اپنی انسانیت کش پالیسیوں پر نظرِ ثانی نہ کرے۔

اگر اربابِ اقتدار نے اپنی اسلام دُشمن رَوِش نہ بدلی اور وہ اپنے اقتدار کے

تحفظ کے لئے امریکہ بہادر کی کاسہ لیسی سے باز نہ آئے تو وہ مسلمانوں کے ہی نہیں اللہ کے غیظ وغضب سے نہیں بچ سکیں گے، وہ نہ صرف لیلائے اقتدار سے الگ کردیئے جائیں گے بلکہ تاریخ ایسے بدباطنوں کو غدارانِ ملک وقوم کے نام سے یاد رکھے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بے آواز لاٹھی انہیں ایسا نشانِ عبرت بنائے گی کہ ان کی نسلیں یادرکھیں گی۔

بلاشبہ اس وقت طالبان اور افغان قوم جہاں دِفاعِ اسلام کی جنگ لڑ رہی ہے، ٹھیک اسی طرح وہ پاکستان کے بقا اور سالمیت کو درپیش خطرات کے سامنے بند باندھنے میں بھی مصروف ہے، کیونکہ امریکہ بہادر جہاں افغانستان اور ایشیا سے اسلام اور مسلمانوں کا نام مٹانا چاہتا ہے وہاں وہ پڑوسی اسلامی ممالک کے تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ اور پاکستان کی ایٹمی قوّت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا ہے، اسے اندیشہ ہے کہ یہ نہتے جنگجو اگر رُوس جیسی سپر طاقت کو بغیر اسباب و وسائل کے ختم کرسکتے ہیں تو تیل وگیس کے ذخائر اور ایٹم بم کی قوّت سے لیس ایشیائی مسلم ممالک کا وفاق میری قوّت و طاقت کو بطریقِ اَولیٰ ختم کرسکتا ہے، اس لئے اس نے طے کیا ہے کہ اس سے پہلے کہ مسلمان، اس کے لئے خطرہ بنیں، انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے۔

لہٰذا مسلم حکمرانوں خصوصاً پاکستان کے اربابِ اقتدار کو اس عنوان سے سوچنا چاہئے اور مستقبل کی بھیانک صورتِ حال کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر اس کا تدارک کرنا چاہئے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رمضان ۱۴۲۲ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۱ء)

پرویز مشرف صاحب کا قوم سے خطاب:
اور چند ضروری گزارشات!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱۳؍جنوری ۲۰۰۲ء ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب، رات ساڑھے سات بجے ریڈیو اور ٹی وی پر آرمی چیف اور صدرِ پاکستان جناب جنرل پرویز مشرف صاحب نے طویل اور پالیسی ساز خطاب کیا۔

جنابِ صدر کے اس خطاب پر ملا جلا ردّ عمل پایا جاتا ہے، اخبارات اور حکومتی حلقوں کی رپورٹوں کو دیکھا جائے تو اس خطاب کو خوب سراہا گیا ہے، لیکن آزاد ذرائع اور دِینی مزاج کے لوگ اسے دباؤ کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں، خصوصاً جبکہ کچھ عرصے سے پاکستان کے اَزلی دُشمن انڈیا اور امریکہ کا پاکستان کے اربابِ اقتدار سے مذہبی تنظیموں، دِینی تحریکات اور دِینی مدارس کو ختم کرنے اور ان کو محدود کرنے کا پرزور مطالبہ تھا، ایسے موقع پر کچھ تنظیموں اور جماعتوں پر پابندی اور دِینی حلقوں کو موردِ الزام ٹھہرانا، اور این جی اوز کی تعریف کرنا ناقابلِ فہم ہے، اس کے علاوہ مساجد و مدارس اور

ان سے منسلک دِین دار طبقے کو ملکی امن و امان کی تباہی، تشدّد اور قتل و غارت گری کا ذمہ دار ٹھہرانا، شکوک و شبہات کو جنم دیتا ہے، اس سے انکار نہیں کہ اس شعبے سے منسلک تمام لوگ فرشتے نہیں، عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ دِین و مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اہلِ دین کی جڑیں کاٹنے اور انہیں بدنام کرنے کی سعیٔ نامشکور میں مصروف ہوں، یا پھر دہشت گرد، اہلِ دِین کی صفوں میں گھس کر اپنے جذبات کی تسکین کر رہے ہوں، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ملکی انارکی اور بے راہ روی کا الزام ان کے سر تھوپ دیا جائے، اس لئے جنابِ صدر صاحب کے خطاب کے متعدّد نکات وضاحت طلب ہیں:

ا:... آزاد مبصرین، کھلی سوچ کے حامل دانشوروں اور دِین دار طبقے کے خیال میں جنابِ صدر کے اس خطاب سے غیرمسلم این جی اوز اور امریکی مزاج کی سوشل ویلفیئروں کو ملک میں اِرتدادی سرگرمیوں کی کھلی آزادی ملے گی، اور ان کی راہ روکنے والے مسلمانوں کو قانون کے شکنجے میں جکڑنے کی فضا ہموار ہوگی۔

۲:... مسلمان ملک کے مسلمان صدر کی جانب سے مسلمانوں کے بارے میں اس قسم کے احساسات و خیالات سے بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کی عزت و ناموس اور وقار کو دھچکا لگے گا۔

۳:... اگرچہ جنابِ صدر نے اپنے طور پر اس امکان کی تردید کی ہے کہ: ''انتہا پسندی کے خلاف ان کا موجودہ ردِّعمل کسی کے دباؤ، یا کسی کے کہنے پر نہیں ہے'' لیکن کیا دُنیا نہیں جانتی کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب امریکہ بہادر، طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر مسلمانوں کے خلاف ہر جگہ فوج کشی کرکے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، اور ''امن'' کے نام پر دہشت گردی کی نئی تاریخ رقم کر رہا ہے، نہتے مسلمانوں اور مسلمان قیدیوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ امریکہ کا اتحادی برطانیہ بھی مسلمان قیدیوں پر امریکی مظالم اور ان کے خلاف غیرانسانی سلوک کرنے پر امریکہ سے احتجاج کرنے پر مجبور ہوگیا، چنانچہ

روزنامہ ''جنگ'' کراچی کی خبر ہے:

> ''لندن (جنگ نیوز) برطانیہ کے وزیر خارجہ جیک اسٹرا نے کیوبا میں قید القاعدہ کے ارکان سے روا رکھے جانے والے سلوک پر امریکی وزیر خارجہ کولن پاول سے احتجاج کیا ہے، برطانوی اخبار ٹائمز کے مطابق جیک اسٹرا نے امریکی ہم منصب کو فون کرکے ان سے اس اَمر کی یقین دہانی حاصل کی کہ ان قیدیوں سے جن میں برطانوی باشندے بھی شامل ہیں، بین الاقوامی قوانین کے مطابق نمٹا جائے گا، رپورٹ کے مطابق ڈائننگ اسٹریٹ نے اصرار کیا کہ قیدیوں کو وکیل کی سہولت مہیا کی جائے اور برطانوی سفارت خانے کو اپنے باشندوں سے ملاقات کی اجازت بھی دی جائے، رپورٹ کے مطابق ان قیدیوں کو زنجیروں سے باندھ کر افغانستان سے کیوبا لے جایا گیا، جہاں انہیں آٹھ فٹ لمبے اور چھ فٹ چوڑے پنجروں میں رکھا گیا ہے۔ دریں اثنا یو ایس اے ٹوڈے کے مطابق امریکی مسلم کونسل نے قیدیوں کی داڑھیاں مونڈھنے پر احتجاج کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مذہبی آزادی کے خلاف ہے، پنٹاگون کے ترجمان نے کہا ہے کہ برطانیہ کو امریکا نے قیدیوں تک رسائی کی اجازت دے دی ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۶؍جنوری ۲۰۰۲ء)

اس کے علاوہ امریکہ بہادر کا پاکستان سے بھرپور انداز میں مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف کاروائی کا مطالبہ اور دُوسری جانب نفسیاتی دباؤ بڑھانے کے لئے دہلی میں بھارتی قومی اسمبلی پر خودکش حملے کا ڈرامہ اور پاکستانی بارڈر پر ہندوستانی افواج کا اجتماع، کیا اس کی چغلی نہیں کھاتا کہ ان حالات کے تناظر میں ان اقدامات کا

پس منظر کچھ اور ہے...؟

۴:... تمام تر تشدّد و دہشت گردی کا الزام دِینی مدارس، دِینی و مذہبی جماعتوں اور دِین دار حلقے کے سر تھوپنا بھی کسی خفیہ منصوبہ بندی کی نشاندہی کرتا ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس ملک میں کتنی ایسی نسلی، وطنی اور لسانی جماعتیں اور تحریکیں ہیں جنھوں نے شریف شہریوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، اور آئے دن کہیں نہ کہیں سے بوریوں میں بند لاشیں برآمد ہوتی ہیں، کیا کبھی ان ''شریف'' شہریوں اور ''مہذّب'' معاشرے کے ''مہذّب'' افراد اور جماعتوں کے خلاف بھی بین الاقوامی میڈیا کے سامنے زبان طعن کھولنے کی جرأت کی گئی ہے...؟

۵:... قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک کی پاکستان کی ۵۳ سالہ طویل ترین تاریخ، جو قتل و غارت، تشدّد و عدمِ برداشت، کرپشن و لوٹ مار، اقربا پروری اور غداری و ملک دُشمنی پر مشتمل ہے، کبھی اس کے اسباب و وسائل کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے سدِ باب کا بھی سوچا گیا ہے؟ کون نہیں جانتا ہے کہ ہمیشہ برسرِ اقتدار طبقہ ان لوگوں پر مشتمل رہا ہے جو دِینی مدارس و مساجد کا نہیں، اسکول و کالج اور عصری دانش گاہوں کا تربیت یافتہ تھا، کبھی ان کا قرطاسِ اَبیض بھی شائع کیا گیا؟ کیا کبھی ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت کے مقابلے میں ہتھیار ڈالنے والے اور کارگل سے پسپائی اختیار کرنے والے شیر دِل جیالوں کا ذکرِ خیر بھی نوکِ زبان پر لایا گیا...؟

جنابِ صدر اور ان کے حواریوں کو مسجدوں کے باہر ایک آدھا پولیس اہل کار مقرّر کرنے پر تو ندامت دامن گیر ہو رہی ہے، لیکن کیا انہیں کبھی لسانی فسادات میں کام آنے والے ہزاروں مسلمانوں کا خاموش لہو بھی نظر آیا...؟ جنابِ صدر کو علمائے دِین اور دِینی مدارس کی نام نہاد حفاظت پر ایک آدھا سپاہی تو کھٹکتا ہے، لیکن کیا کبھی انہیں کالج و یونیورسٹیوں میں طلبہ تصادم روکنے کے لئے مستقل بنیادوں پر لگائے گئے فوج اور رینجرز کے کیمپ سے بھی گھن آئی...؟ حیرت ہے! جس طبقے سے سرکاری

اسکول و کالج اور تعلیمی ادارے نہیں سنبھلتے، وہ امن واطمینان کی فضا میں دِین کی خاموش خدمت کرنے والے دِینی اداروں کو اپنی تحویل میں لے کر ان کو بھی برباد کرنا چاہتا ہے۔ دراصل دِینی مدارس و مساجد اور دِین دار طبقہ، لادِین عناصر اور خدا بیزار قوّتوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، چونکہ ان کے ہوتے ہوئے وہ عریانی، فحاشی، بے راہ روی، اور کھلے عام بدمعاشی نہیں کرسکتے تھے، اس لئے انہوں نے ان کا کانٹا نکالنے کے لئے یہ منصوبہ بندی کی ہے، اگرچہ اس سے پہلے انہوں نے اپنے تئیں اس ''جن'' کو بوتل میں بند کرنے کی بہت سی کوششیں کرکے دیکھ لیں، مگر وہ ہر بار اپنے عزائم و مقاصد میں برے طریقے سے ناکام ہوتے چلے آئے ہیں، اس لئے انہوں نے اپنے بیرونی آقاؤں کے اشاروں پر خاص منصوبہ بندی اور منظّم حکمتِ عملی کے تحت مدارس و مساجد اور اہلِ دِین کو بدنام کرنے کے لئے وہ یہودی کردار ادا کیا جو میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ادا کیا گیا تھا، کہ خود ہی رات کی تاریکی میں ان پر شب خون مار کر یہ واویلا کیا کہ دُشمن نے حملہ کردیا ہے، چنانچہ اس گھمسان کی جنگ میں دونوں طرف سے مسلمان ہی کام آئے، اور وہ ہوشیار بندر کی طرح منہ صاف کرکے نہایت معصومیت سے الگ ہوکر بیٹھ گئے۔ ٹھیک اسی طرح مدارس کو بدنام کرنے میں یہ کردار ادا کیا گیا، ورنہ دِینی اداروں اور اہلِ دِین کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی کے تحت امن و اطمینان اور صبر وسکون سے رہتے آئے ہیں، ان میں کبھی کسی قسم کی افراتفری نہیں تھی، جس سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کئے گئے تاکہ مدارس پر شب خون مارنے کی راہ ہموار ہوسکے۔

۶:... جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں اس قتل و غارت گری کے نتیجے میں اپنے ملک کے ہائی کوالیفائڈ، ڈاکٹرز، انجینئرز اور سوِل سرونٹس کے قتل پر نہایت گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے، اور ان کو معاشرے کے ستون قرار دیا ہے، بلاشبہ جنابِ صدر

کا یہ تأثر اپنی جگہ صد فیصد صحیح اور دُرست ہے، اور اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، کیونکہ جو قوم اپنے محسنوں کو قتل کرتی ہے، وہ ترقی کے بجائے تنزّلی، اور عزّت کے بجائے ذِلت سے دوچار ہوتی ہے، مگر افسوس ہے کہ جنابِ صدر نے اپنی تقریر میں گزشتہ عشرے میں دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے ان اکابر علماء و محققین میں سے کسی کی شہادت پر ذرّہ بھر کسی افسوس و تأسف کا اظہار تو کیا، ہمدردی کے دو بول بھی نہیں بولے، جس سے دِینی حلقوں اور طبقۂ علماء میں اِضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے، اور جنابِ صدر کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے ہیں کہ خدانخواستہ کیا جنابِ صدر کی نگاہ میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، حضرت مولانا عبداللہ شہیدؒ اسلام آباد، حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عنایت اللہ شہیدؒ، حضرت مولانا حمیدالرحمٰن عباسی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد اقبال شہیدؒ، حضرت مولانا حق نواز شہیدؒ، حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن شہیدؒ، حضرت مولانا محمد بنوری شہیدؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ چترالی شہیدؒ ایسے سینکڑوں اکابر علماء، محققین، صالحین، اور شیخ الحدیث جو اس دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، اور جن میں سے ہر ایک، ہزاروں اور لاکھوں انسانوں پر بھاری تھا، کیا وہ معاشرے کے ستون نہیں تھے؟ یا پھر نعوذ باللہ ان کو راستے سے ہٹانا بھی بیوروکریسی کے پروگرام کا حصہ تھا...؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو بے شمار بدگمانیوں کو جنم دیتا ہے، جس سے اہلِ علم طبقہ شدید ہیجان اور احساس محرومی کا شکار ہے۔

۷:... جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں دِینی مدارس کے کردار کو سراہتے ہوئے ان کے بارے میں جن احساسات کا اظہار کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہیں، انہوں نے مدارس کے بارے میں دوٹوک الفاظ میں اپنی پالیسی اور عزائم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''اس مدرسہ اسٹریٹیجی (Strategy) کا کوئی مقصد نہیں کہ ہم مدرسوں کو خواہ مخواہ گورنمنٹ کے کنٹرول میں لیں، اور جو ان کی اتنی بہترین اچھائیاں ہیں، ان کو ہم حکومت کے کنٹرول میں لے کر خراب کریں، یہ بالکل مقصد نہیں ہے، اور اس کا احساس مجھے پوری طرح ہے، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جو ان کی کمزوریاں ہیں ان کو دُور کیا جائے۔''

لیکن دُوسرے دن اخبارات میں حکومتی پالیسی کا اعلان یوں کیا گیا:

''کراچی (رپورٹ خورشید عباسی) حکومت نے مدرسوں اور مساجد کو سرکاری تحویل میں لینے کے سلسلے میں غور و خوض کرنا شروع کردیا ہے، ذرائع کے مطابق ملک بھر میں چھ ہزار مدارس کے علاوہ تمام مساجد کو سرکاری تحویل میں لے کر انتظامات محکمۂ اوقاف کے حوالے کردیئے جائیں گے.....''

(روزنامہ ''عوام'' کراچی ۱۴؍جنوری ۲۰۰۲ء)

دِینی مدارس کے بارے میں جنابِ صدر کے ارشادات اور حکومت کی اس دوعملی پالیسی سے شدید ابہام پیدا ہوگیا ہے، جس سے سنجیدہ طبقہ اور دِینی حلقہ ذہنی انتشار کا شکار ہوگیا ہے، اور یہ سوچا جانے لگا ہے کہ جنابِ صدر کی تقریر اور حکومت کی پالیسی میں اس کھلے تضاد کو کیا نام دیا جائے؟ کس کو سچ اور کس کو جھوٹ سمجھا جائے؟ اگر اخباری بیان صحیح نہیں ہے تو جنابِ صدر کو ان عناصر کی سرکوبی کرنا چاہئے، جو حکومت اور دِینی حلقوں میں بدگمانیاں پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرنا چاہتے ہیں۔

۸:... جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

''یاد رکھیں! پاکستان اسلام کا قلعہ ہے، اگر اسلام کو

بلند کرنا ہے تو پاکستان کو طاقتور اور بلند بناؤ۔‘‘

بلاشبہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے، ہم جنابِ صدر کے ان جذبات، احساسات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان سے صد فی صد اتفاق کرتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اسلام کے قلعے میں بھی اسلام اور اسلامی اقدار کو تحفظ نہ ہو، تو وہ قلعہ ہی کیسا...؟ جنابِ صدر ایک طرف تو آپ پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیتے ہیں، اور دُوسری طرف قلعۂ اسلام کے پہرہ داروں کو ’’خدائی فوجدار‘‘ نہ بننے کی حکیمانہ نصیحت بھی فرماتے ہیں، حالانکہ مسلمان چاہے کہیں کا ہو، وہ مسلمان کا بھائی ہے، اس کا دُکھ درد ہر مسلمان کا دُکھ درد ہے، اس کی مظلومیت پر اس کی مدد کرنا ہر مسلمان کا ایمانی، اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔ حیرت ہے کہ محمد بن قاسمؒ ایک مظلوم خاتون کی مظلومیت کی صدائے بازگشت سے متأثر ہوکر، سات سمندر پار سے اس کی مدد کو سندھ میں آسکتا ہے، مگر ہم اسلام کے قلعے میں رہتے ہوئے اپنے پڑوسی مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنے پر بھی ’’دہشت گرد‘‘ کہلاتے ہیں، یہ بات ہماری عقل و فہم سے ماورا ہے...!

۹:... جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں اس کی بھی شکایت کی ہے کہ مذہبی انتہا پسندوں نے افغانستان میں امن، صلح، صفائی اور اتحاد کی کوشش نہیں کی، اور انہوں نے چندہ جمع کرکے ان کی ویلفیئر اور افغانستان کی تعمیرِ نو نہیں کی، چنانچہ انہوں نے کہا کہ:

> ’’کیا انہوں نے سوچا کہ پیسے کلکٹ کرکے ان کی ویلفیئر، تعمیرِ نو افغانستان میں جاکر کی جائے، جو تباہی افغانستان میں مچی ہوئی ہے، جو بھوک ہے، جو غربت ہے، اس کا کچھ نتیجہ نکالا جائے، بھلائی کس نے سوچی؟‘‘

بصد ادب، ہم جنابِ صدر سے عرض کریں گے کہ رُوس کی شکست کے بعد ان دِینی حلقوں کے اکابرین اور زعمائے اُمت نے افغانستان کے داخلی انتشار کو ختم

کرنے کے لئے جو کردار ادا کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، چنانچہ بیت اللہ کے اندر معاہدہ اور دُعائے خیر آج بھی اخبارات کی پُرانی فائلوں میں محفوظ ہے، لیکن ناس ہو ہویٰ و ہوس کا کہ اس نے ان خواہش پرستوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے بجائے، پھر سے ظلم و ستم پر آمادہ کردیا، تو طالبان نے عوام کے تعاون سے وہاں امن و اطمینان اور بھائی چارہ کی فضا قائم کی اور اسلام کا نفاذ کیا، مگر جن لوگوں نے بیت اللہ کی عظمت کو ٹھکرادیا تھا، وہی لوگ طالبان کے مقابلے میں ڈٹے رہے، لیکن اس سب کے باوجود جب پاکستان نے طالبان حکومت تسلیم کرلی تو ان ''مذہبی انتہا پسندوں'' نے ہی طالبان حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔

پھر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے افغانستان کی تعمیر کے لئے وہاں اپنا سرمایہ لگایا، وہاں فلورملیں لگائیں، ان کے ساتھ کون سے اچھا سلوک کیا گیا؟ آج ان کا نام تو نہیں ہے، البتہ غیرمسلم این جی اوز اور عبدالستار ایدھی کی تعریف کی جارہی ہے، کیا یہ حقائق کو جھٹلانے کے مترادف نہیں ہے...؟

۱۰:... جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں جہاد سے متعلق فرمایا ہے:

''دُوسری بات میں جہاد کے کانسپٹ کی مکمل سمجھ کے لئے بات کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ ایسی کنٹینشنز (Contentions) ایشو ہے، جس کی پوری ہمیں سمجھ ہونی چاہئے، اسلام میں جہاد صرف عسکری جہاد تک محدود نہیں ہے، کبھی ہم نے جہالت، غربت، پسماندگی اور بھوک کے خلاف جہاد کا سوچا ہے؟ یہ زیادہ بڑا جہاد ہے، اب پاکستان کو میرے خیال میں اس کے خلاف جہاد چاہئے، ہمیں یاد ہوگا کہ غزوۂ خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اب جہادِ اصغر ختم ہوگئی ہے، لیکن جہادِ اکبر شروع ہے، یعنی عسکری جہاد جو چھوٹی جہاد ہے وہ ختم ہوگئی ہے۔''

جہاں تک جہالت و پسماندگی اور غربت و افلاس کے خلاف جہاد کی ضرورت ہے، ہمیں اس کی اہمیت کا بھرپور احساس ہے، اور اس سلسلے میں ہمیں ضرور سوچنا چاہیئے، اور ان معاشرتی کمزوریوں کو ختم کرنے کے لئے اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیئے، کیونکہ یہ ہر معاشرے کی ایسی بنیادی ضرورت ہے جس سے کوئی صاحبِ عقل وفہم انکار نہیں کرسکتا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان ضرورتوں کے پیشِ نظر ''جہاد'' جیسے مقدس فریضے کی اہمیت کم کی جائے یا اس کا انکار کردیا جائے۔

جنابِ صدر کے ارشاد کہ: ''عسکری جہاد جو چھوٹی جہاد ہے، وہ ختم ہوگئی ہے'' کو پڑھ کر بے حد صدمہ، افسوس اور تکلیف ہوئی کہ ایک مسلمان ملک کا صدر جہاد جیسے مقدس فریضے کے بارے میں ایسی ناقص معلومات رکھتا ہے، غالبًا جنابِ صدر کا جہاد کے عنوان پر مطالعہ بہت ہی محدود ہے، یا پھر موصوف کی تقریر لکھنے اور انہیں اس عنوان پر بریف کرنے والے عملے میں کوئی ملحد و زندیق مرزائی اور قادیانی شامل ہے، کیونکہ جہاد کے ختم ہونے کا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہوسکتا، یہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے آقا انگریز کا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ، قرآن و سنت، اجماعِ اُمت اور پوری اسلامی فقہ کے ذخیرے میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ جہاد وقتی بنیادوں پر جاری کیا گیا تھا، اور وہ اب ختم ہوگیا ہے، غالبًا جنابِ صدر کو جہاد کی منسوخی کے بدترین عقیدے پر لانے کے لئے اس موضوع، یا ضعیف حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے، جس کو موضوعات کی کتابوں میں: ''**رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الأكبر**'' کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مُلّا علی قاریؒ نے ''موضوعات'' میں اور علامہ عجلونیؒ نے ''کشف الخفاء'' میں اسے ابراہیم بن عیلہ کا قول قرار دیتے ہوئے، موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، البتہ علامہ زبیدی نے ''اتحاف'' میں اسے نقل کرتے ہوئے اس سے اپنے اندرونی مخالف یعنی نفس و شیطان سے جہاد مراد لیا ہے، لیکن اس ضعیف و موضوع حدیث سے قرآن و سنت اور ذخیرۂ

احادیث کو منسوخ قرار دینا، قرآن وسنت کے خلاف بغاوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدترین بہتان ہے، جنابِ صدر کو اس سے فوراً توبہ کرنی چاہیے، ورنہ انہیں اپنے ایمان وعقیدے کی خیر منانی چاہیے...!

اگر بالفرض اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح بھی ہو تو قطعاً اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد ختم ہوگیا ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم جہادِ اصغر سے لوٹ کر جہادِ اکبر کی طرف آگئے ہیں۔

جنابِ صدر اور ان کے بزرچ مہر حواریوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر خدانخواستہ خیبر کے بعد عسکری جہاد ختم ہوگیا تھا تو غزوۂ خیبر کے بعد ہونے والے غزوات مثلاً: غزوۂ وادی القری، غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ فتحِ مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، غزوۂ تبوک اور جیشِ اُسامہؓ (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ترتیب دیا تھا) کو کیا نام دیا جائے گا...؟ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور کے جہادوں اور فتوحات کو کیا نام دیا جائے گا...؟ دراصل مرزا غلام احمد قادیانی کو انگریزوں نے مسلمانوں کے دِلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے اور انگریزوں کی اطاعت و فرماں برداری کے بدترین کام پر مأمور کیا تھا، اور اس تنخواہ دار انگریزی نبی نے یہ عقیدہ گھڑا تھا کہ: ''اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال!''

حیرت ہے! کہ آج اس ملک کے صدر کے منہ سے وہ الفاظ صادر ہو رہے ہیں، جس ملک کی قومی اسمبلی نے ۷؍ستمبر۱۹۷۴ء کو ان عقائد ونظریات کے حامل مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذُرّیت کو غیرمسلم اقلیت قرار دیا تھا، جنابِ صدر کے ان الفاظ سے جہاں قادیانی اور انگریزوں کے موقف کو تقویت پہنچی ہوگی، وہاں پوری اُمتِ مسلمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کو روضۂ اقدس میں شدید صدمہ پہنچا ہے، جنابِ صدر کو اپنے مذہب وعقیدے کا پاس کرتے ہوئے فوراً اس کی

تصحیح کرنا چاہئے، اور قادیانیوں کے اس غلط عقیدے سے براءت کا اظہار کرنا چاہئے، ان کے اس بیان سے اُمتِ مسلمہ شدید ہیجان کا شکار ہے۔

۱۱:... جنابِ صدر نے اپنے خطاب میں نہایت تنقیدی انداز میں اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ:

"ان انتہا پسندوں سے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ ہزاروں پاکستانیوں کو گمراہ کرکے افغانستان میں مروانے کا ذمہ دار کون ہے؟"

جہاں تک مسلمانوں کی شہادت پر افسوس کا تعلق ہے، یقیناً ہر مسلمان کو اس کا افسوس ہے، لیکن جنابِ صدر حاضر سروِس اور ماہر و تجربہ کار فوجی ہیں، انہوں نے یقیناً ملکی دِفاع کی کئی جنگیں لڑی ہوں گی، اور جنگ و امن کی تاریخ سے واقف ہوں گے، انہیں معلوم ہوگا کہ جنگوں میں فتح و شکست دونوں کا امکان ہوتا ہے، اور مسلمان خواہ شہید ہوجائے یا فتح سے ہمکنار ہوکر غازی کہلائے، ہر حال میں کامیاب و کامران ہے، اس کے خون پر کسی کی ذمہ داری کا کیا معنی...؟

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات نہیں کئے؟ اور تھوڑی سی جمعیت لے کر ہزاروں کفار کا مقابلہ نہیں کیا؟ اور صحابہ کرامؓ میدانِ جنگ میں خاک و خون میں نہیں تڑپائے گئے؟ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں غزوۂ یمامہ کے موقع پر بارہ سو صحابہ کرامؓ شہید نہیں ہوئے؟ جن میں سات سو حفاظ اور ستّر بدری تھے، دُور جانے کی ضرورت نہیں، قیامِ پاکستان کے وقت لاکھوں انسانوں کو پاکستان اور اسلام کے نام پر نہیں کٹوایا گیا؟ لاکھوں عصمتوں کو اس اَرضِ پاک پر نچھاور نہیں کیا گیا؟ اور کروڑوں کی املاک پاکستان کے نام پر قربان نہیں کی گئیں؟ جنابِ صدر! کیا آپ ان مسلمانوں کے خون کی ذمہ داری کا سوال بھی کسی سے کریں گے...؟

کیا ۱۹۷۹ء سے اب تک رُوس کے مقابلے میں بیس لاکھ افغانوں کی قربانی،

۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں پاک افواج کے جوانوں کی قربانی اور ۱۹۹۷ء میں کارگل کی پہاڑیوں پر کام آنے والے مسلمانوں کی قربانیوں کے بارے میں جنابِ صدر بتلاسکتے ہیں کہ ان کے خون کا ذمہ دار کون ہوگا...؟

یہ سوال اگر کوئی غیر مسلم یا غیر فوجی کرتا تو ہمیں ذرّہ بھر تعجب نہ ہوتا، مگر ایک مسلمان ملک کے مسلمان فوجی سربراہ کے منہ سے یہ سوال کسی طرح قابلِ تحسین نہیں، بلکہ بالکل بے جا اور بے محل ہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظِ ختمِ نبوّت میں اس وقت کی ناعاقبت اندیش انتظامیہ نے لاہور میں جب نہتے مسلمانوں پر گولی چلائی تو صرف لاہور ہی میں دس ہزار مسلمان شہید ہوگئے، اس پر کسی منچلے نے اَمیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے یہی سوال کیا تھا کہ: ''شاہ صاحب! کل قیامت کے دن آپ ان دس ہزار کارکنوں کے خونِ ناحق کا جواب کیونکر دے سکیں گے؟'' اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت جوش میں آکر فرمایا: ''میں اس کا وہی جواب دوں گا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غزوۂ یمامہ میں شہید ہونے والے بارہ سو صحابہؓ کے خون کا دیں گے، اس لئے کہ دُنیا بھر کے غوث، قطب اور ابدال مل کر بھی ایک صحابی کی عظمت کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دفاعِ اسلام اور تحفظِ ختمِ نبوّت کے لئے بارہ سو صحابہؓ کی قربانی دے سکتے ہیں، تو اس کے مقابلہ میں دس ہزار مسلمانوں کی کیا حیثیت ہے...؟''

جنابِ صدر! اگر تمام مسلمان بھی اسلام کے تحفظ میں قربان ہوجائیں اور اسلام محفوظ ہوجائے تو سودا مہنگا نہیں، سستا ہے، اگر اربابِ اقتدار جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ میں لاکھوں مسلمانوں کے خون کا حساب دے سکتے ہیں تو اسلام کے نام پر برضا و رغبت جان نچھاور کرنے والے ان مجاہدین کے خون کے بارے میں بھی کسی سے سوال نہیں ہوگا، بلکہ عین ممکن ہے کہ ان کی قربانیوں کی برکت سے ہم سب کی

نجات ہوجائے۔

جنابِ صدر! یہ سوال ان مجاہدین کی قربانیوں، خلوص و اِخلاص پر شک کرنے بلکہ ان پر پانی پھیرنے اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے مترادف ہے، اس لئے کہ کل ملکی دفاع میں شہید ہونے والے فوجیوں کے متعلقین بھی آپ سے یہ سوال کرسکتے ہیں، جس کا آپ کے پاس یقیناً کوئی جواب نہیں ہوگا۔

۱۲:... جنابِ صدر نے اپنی حالیہ تقریر میں دِینی مدارس و مساجد اور کچھ دِینی تنظیموں کے بارے میں جن اقدامات کا اعلان کیا ہے، ان کے خیال میں وہ اس طرح دہشت گردی پر قابو پالیں گے اور اس سے ان پر بیرونی دباؤ بھی کم ہوجائے گا، اس طرح وہ بین الاقوامی برادری میں اکیلے نہیں رہیں گے۔ لیکن ہمارے خیال میں جنابِ صدر کے موجودہ اقدامات سے نہ تو ان پر بیرونی دباؤ کم ہوگا اور نہ ہی اندرونی خلفشار کم ہوگا، بلکہ جنابِ صدر ملک کے دِین دار طبقے اور صالح قیادت کے تعاون سے محروم ہوکر بالکل یکا وتنہا رہ جائیں گے۔

اس پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ تھا مگر جناب جاوید چوہدری صاحب کا کالم پڑھ کر محسوس ہوا کہ انہوں نے میری ترجمانی کی ہے، اس لئے اسے بعینہٖ درج کرتا ہوں:

"پاکستان میں افواجِ پاکستان کے چار دوست تھے، پہلے نمبر پر مجاہدین آتے ہیں، ان مجاہدین کی تعداد سات سے نو لاکھ تھی، یہ مجاہدین افغان وار کی پیداوار تھے، ۱۹۷۹ء میں جب سوویت یونین افغانستان میں داخل ہوا اور امریکہ نے مسلمان مجاہدین کے ذریعے افغانستان میں سرمایہ دارانہ نظام کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا تو پورے مسلم ورلڈ میں مجاہدین کی فیکٹریاں لگ گئیں، دُنیا جہان سے مسلمان نوجوان پاکستان لائے گئے، انہیں پاکستان میں قائم ٹریننگ کیمپوں میں عسکری تربیت دی گئی، جب

وہ مرنے اور مارنے کے قابل ہوگئے تو انہیں افغانستان کی بھٹی میں جھونک دیا گیا۔۱۹۹۰ء میں افغانستان کی بھٹی بجھ گئی، امریکی اور رُوسی واپس چلے گئے، لیکن یہ مجاہدین پیچھے رہ گئے، طالبان کی طاقت اُبھری تو ان میں سے کچھ ان کے ساتھ مل گئے، کچھ مقبوضہ کشمیر چلے گئے، اور جو باقی بچ گئے وہ پاکستانی معاشرے میں رچ بس گئے، ہم ان لوگوں کو جتنا چاہیں بُرا سمجھیں، لیکن یہ حقیقت ہے، یہ لوگ اسلام کے سچے سپاہی تھے، یہ وہ لوگ تھے جو اِسلام کے نام پر جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے، یہ لوگ جدید اسلحہ چلانا جانتے تھے، اور یہ لوگ نڈر اور بے باک تھے، یہ لوگ اس قدر باہمت اور جوشیلے تھے کہ انہوں نے ۱۹۹۷ء میں کارگل کے محاذ پر بھارت کی ٹرینڈ آرمی کو ناک سے چنے چبوادیئے۔

دُوسرے نمبر پر طالبان آتے ہیں، یہ لوگ طویل عرصہ تک پاکستان میں رہے، ان میں سے بہت سے پیدا ہی پاکستان میں ہوئے، پاکستان میں تعلیم حاصل کی، ذہنی طور پر بھی یہ لوگ پاکستان کو اپنے لئے ناگزیر سمجھتے تھے، یہ لوگ پاکستان کی بقا، پاکستان کی مضبوطی کو، اپنی مضبوطی اور اپنی بقا خیال کرتے تھے، پاکستان بھی ان کی وجہ سے اپنی مغربی سرحدوں سے مطمئن تھا، کارگل کے دور میں طالبان نے پاکستان کو مدد کی پیشکش بھی کی تھی۔

تیسرے نمبر پر پاکستان کا مذہبی طبقہ آتا ہے، یہ لوگ مسجدوں اور مدرسوں میں آباد ہیں، نعتیں پڑھتے ہیں اور ذِکر کرتے ہیں، عام زندگی میں تو شاید ان کا کوئی خاص کردار نہ ہو،

لیکن جب بھی پاکستان پر بُرا وقت آتا ہے، یہ لوگ اس ملک میں یکجہتی اور اُخوت کی علامت بن کر اُبھر آتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ۶۵ء، ۷۱ء اور ۱۹۹۷ء کی جنگوں میں عوام کا خون گرمایا، یہی وہ لوگ ہیں جو آج تک پاکستانیوں کے دِلوں میں بھارت کے خلاف نفرت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو عوام کو یاد دلاتے رہتے ہیں کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور ہم اسے واپس لے کر رہیں گے۔ اور چوتھے اور آخری نمبر پر پاکستانی عوام آتے ہیں وہ عوام جو آج بھی افواجِ پاکستان کو ملک کی سلامتی اور بقا کا آخری مورچہ سمجھتے ہیں، جنھیں آج بھی یقین ہے جب تک پاک فوج کا ایک بھی جوان زندہ ہے، اس ملک کی حرمت پر آنچ نہیں آئے گی، جو یہ سمجھتے ہیں فوج ہی وہ واحد ادارہ ہے جس میں ایمان داری، ڈسپلن، پروفیشنل ازم اور کمٹمنٹ موجود ہے، لیکن کیا ہوا؟ گیارہ ستمبر کے بعد یکے بعد دیگرے یہ چاروں اسپورٹیں اپنی اپنی جگہ چھوڑ گئیں، امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایسے حالات پیدا کردیئے جن سے مجبور ہوکر صدرِ پاکستان کو طالبان کے خلاف کاروائیوں میں امریکہ کا ساتھ دینا پڑا، دو ماہ کے اس آپریشن میں طالبان اور کسی حد تک افغان قوم ہمارے خلاف ہوگئی، شمالی اتحاد کی شکل میں ہمارے دُشمن، ہماری سرحد پر آبیٹھے، یکم اکتوبر اور ۱۳؍ دسمبر کے واقعات کے بعد بھارت نے واویلا مچایا تو بھارتی دباؤ میں آکر امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مجاہدین کو دہشت گرد قرار دینے کے مطالبات شروع کردیئے۔

ہم ان کے دباؤ میں آگئے، جہادی تنظیموں پر پابندی

لگ گئی، جس سے مجاہدین بھی حکومت کے خلاف ہوگئے، بھارت کی تسلی نہیں ہوئی امریکہ اور یورپ بھی مطمئن نہیں ہوا تو ہمیں مجبوراً مذہبی طبقوں کی آزادی کم کرنا پڑی، علمائے دِین، پیش اِماموں، مؤذّنوں اور مساجد کے خادموں کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں، مدرسوں میں اسپیشل برانچ کے اہلکار آ بیٹھے، لاؤڈ اسپیکر اُتر گئے، مذہبی اور رُوحانی مجالس پر پابندی لگ گئی، جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ مضبوط اور پُراثر طبقہ جو ہر بُرے وقت میں عوام کو یکجہتی اور اُخوت کا پیغام دیتا تھا، لوگوں کا دِل گرماتا تھا، اس کے دِل میں بھی حکومت کے خلاف کدورت پیدا ہوگئی ہے۔ آخر میں رہے عوام، تو حکومت کی اتنی سنگین پسپائیاں دیکھ کر ان کے دِل بھی ٹوٹ گئے، لہٰذا آج یہ صورتِ حال ہے پاکستان میں حکومت بُری طرح تنہا ہوچکی ہے۔

اب ایک دُوسرا امکان بھی ملاحظہ کیجئے! صدر جنرل پرویز مشرف، امریکہ، یورپ اور بھارت کو جو سپورٹ دے سکتے تھے وہ دے چکے ہیں، پاکستان جہاں تک لچک دکھا سکتا تھا، وہ دکھا چکا ہے، ہم نے واجپائی کو مصافحہ بھی پیش کردیا، لشکرِ طیبہ اور جیشِ محمد پر پابندی بھی لگادی، مجاہدین کے کیمپ بھی اُکھاڑ دیئے، لیکن اس کے بعد بھی اگر مطالبہ کرنے والوں کی تسلی نہ ہوئی اور انھوں نے ہم سے کشمیر اور ایٹمی پروگرام بھی مانگ لیا تو پھر ہمارے پاس کیا آپشن رہ جائے گا...؟

میرا خیال ہے، ہمارے پاس انکار ہی واحد آپشن ہوگا، اب سوال یہ ہے اس انکار کے بعد کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ایک خوفناک جنگ ہوگی! ایک ایسی جنگ جس میں بھارت کو

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا پورا تعاون حاصل ہوگا، اب یہاں وہ سوال پیدا ہوتا ہے جس کے لئے میں نے اتنی طویل تمہید باندھی، ذرا دِل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے! ”کیا ہم ان چار دوستوں کی مدد کے بغیر یہ جنگ جیت سکتے ہیں؟“ میرا خیال ہے پاکستان کل تک صرف بیرونی طور پر تنہا تھا، لیکن آج وہ اندرونی تنہائی کا بھی شکار ہوچکا ہے۔“

(روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۱۷ جنوری ۲۰۰۲ء)

جنابِ صدر! اب بھی وقت ہے، اپنی حکمتِ عملی پر نظرِ ثانی کیجئے، اور اپنے اصلی دوستوں سے مصالحت کرلیجئے، محض بیرونی دباؤ سے ان سے نہ بگاڑیئے، حکمت و دانشمندی سے ان کے دِل جیتنے کی کوشش کیجئے، اگر آپ کے خیال میں کہیں کوئی اصلاح طلب اَمر ہے، تو باہمی اعتماد کی فضا اور مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر اس کی طرف توجہ دلائیے۔ جنابِ صدر! آپ نے جو انداز اختیار کیا ہے، اس سے اصلاح کی بجائے بگاڑ کا زیادہ اندیشہ ہے۔

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق مارچ ۲۰۰۲ء)

مسلمان بچوں کی اسمگلنگ

اربابِ اقتدار کے لئے لمحۂ فکریہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ دنوں ۱۶؍مارچ ۲۰۰۲ء کو ہفتہ کے دن روزنامہ ''جنگ'' کراچی، روزنامہ ''خبریں''، روزنامہ ''اُمت''، روزنامہ ''اسلام'' کراچی اور تقریباً دُوسرے تمام اخبارات میں یہ رُوح فرسا خبریں چھپی ہیں کہ:

الف:... ''کراچی (کرائم رپورٹر) گلشن اقبال پولیس نے کراچی سے بچوں کو اغوا کرکے مالٹا اسمگل کرنے والے عیسائی گروہ کے آٹھ کارندوں کو گرفتار کرکے گیارہ مغوی شیرخوار بچے بازیاب کرالئے ہیں، ملزمان مالٹا میں فی بچہ ۲۰ہزار ڈالر معاوضہ لے کر فروخت کرتے تھے، جنھیں بعدازاں گروہ کے دیگر کارندے وہاں مقیم عیسائیوں کو بھاری رقم کے عوض فروخت کرتے تھے، بازیاب ہونے والے بچوں کی عمریں ۱۵ دن سے ایک برس تک ہیں۔ تفصیلات کے مطابق گلشن اقبال تھانے کے ایس ایچ او انسپکٹر چوہدری سہیل فیض کو ۲۰؍فروری کو خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ ایک عیسائی گروہ کے کارندے مسلمان بچوں کو مختلف اسپتالوں سے اغوا کرکے انہیں جعلی کاغذات کے ذریعہ مالٹا اسمگل کرتے ہیں، اور ان بچوں کو وہاں عیسائی افراد کو بھاری

رقم کے عوض فروخت کرتے ہیں، خفیہ اطلاع میں بتایا گیا تھا کہ اس وقت گروہ کے کارندوں نے گلشن اقبال کے ایک بنگلے میں اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا ہے، اس اطلاع پر ایس ایچ او سہیل فیض اور ڈی ایس پی انوسٹی گیشن قاسم غوری نے ملزمان کی گرفتاری کے لئے یونین کونسل ۸ کے ناظم یاسین ناگوری کے ہمراہ ایک ٹیم تشکیل دی اور ملزمان کی تلاش اور تعاقب شروع کردیا، بعدازاں پولیس نے ملزمان کا سراغ لگاکر ۱۵/مارچ کو بھاری نفری کے ہمراہ بلاک ۱۳، ڈی-۱ کے بنگلہ نمبر اے-۲۹ پر چھاپہ مارکر آٹھ ملزمان کو گرفتار کرکے گیارہ مغوی شیرخوار بچے بازیاب کرالئے، گرفتار ملزمان کے نام ڈینس چارلس، ڈیرک چارلس، جوزف عزیز، جوانس مارشل، شازیہ، نسرین، پروین اور زینت ہیں، گرفتار شدگان میں اسمگلر گروہ کی چار عورتیں بھی شامل ہیں، بازیاب کئے جانے والے بچوں میں چار لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، جن کی عمریں ۱۵ یوم سے ایک سال تک کی ہیں، پولیس کے مطابق ملزمان نے ابتدائی تفتیش کے دوران بتایا ہے کہ وہ شہر کے مختلف سرکاری اور نجی اسپتالوں سے نوزائیدہ بچے حاصل کرتے تھے۔ ملزمان نے انکشاف کیا کہ بچے حاصل کرنے پر متعدد اسپتالوں کے ملازمین بھاری رقم کے عوض انہیں بچے فروخت کرتے تھے، جن کے بارے میں پولیس مزید تفتیش کررہی ہے، ملزمان نے بتایا کہ وہ ڈسٹرکٹ میونسپل کارپوریشن کراچی وسطی کے محکمۂ صحت سے مذکورہ بچوں کے جعلی پیدائشی سرٹیفکیٹ بنواتے تھے، بعدازاں بچوں کے مختلف ناموں سے پاسپورٹ بنواکر مالٹا میں مقیم اپنے گروہ کے کارندوں کو کراچی بلواتے تھے اور مذکورہ

بچے انہیں گود لئے ہوئے بچے ظاہر کر کے مالٹا لے جاتے تھے، جہاں مقیم ملزم ڈینس چارلس کی اہلیہ کونچیتانی ہر بچے کے ۲۰ ہزار ڈالر بطور معاوضہ دیتی تھی، کونچیتانی مذکورہ خریدے ہوئے بچوں کو بعد ازاں وہاں مقیم عیسائیوں کو بھاری رقم کے عوض فروخت کرتی تھی۔“ (روزنامہ ”اُمت“ کراچی ۱۶/مارچ ۲۰۰۲ء)

ب:...روزنامہ ”خبریں“ کراچی ۱۶/مارچ کے مطابق:

”ملزمان نے بنگلے کی حفاظت کے لئے خطرناک کتے پال رکھے تھے، جو معصوم بچے ہلاک ہوجاتے تھے، ملزمان انہیں دفنانے کے بجائے کتوں کو کھلا دیتے تھے.....“

ج:...”معصوم بچوں کی اسمگلنگ میں ملوّث گروہ کے سرغنہ ڈینس چارلس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ دو سال میں سو (۱۰۰) سے زائد پاکستانی بچے مالٹا اسمگل کر کے فروخت کرچکا ہے ..... ملزم کا کہنا ہے کہ ملک بھر سے خاص طور پر چھوٹے شہروں اور دیہاتوں میں قائم اسپتالوں اور میٹرنٹی ہوم کے عملے سے ملی بھگت کے ذریعہ نومولود بچے حاصل کر کے فرضی عیسائی ناموں سے اسمگل کیا جاتا ہے.....“

(روزنامہ ”اُمت“ کراچی ۱۸/مارچ ۲۰۰۲ء)

د:...روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۱۸/مارچ ۲۰۰۲ء کی اشاعت میں اپنے ادارتی شذرہ میں لکھتا ہے:

”کراچی میں پولیس نے گیارہ شیرخوار بچوں کی اسمگلنگ کی ایک کوشش کو ناکام بناکر اس میں ملوّث پانچ عورتوں سمیت آٹھ افراد کو گرفتار کرلیا ہے، چھوٹے بچوں کی اسمگلنگ کے اس دلدوز واقعے اور اس گھناؤنے دھندے میں ملوّث گروہ

کے حوالے سے اطلاعات سامنے آئی ہیں ان کے مطابق گروہ اب تک سو بچوں کو ملک سے باہر اسمگل کرکے انہیں مالٹا میں ۲۰ ہزار ڈالر فی بچہ کے حساب سے فروخت کرتا رہا ہے، اسمگلنگ کے لئے ملزمان کا گروہ کراچی اور لاہور کے ہوائی اَڈّوں کو استعمال کرتا رہا ہے، اس انسانیت سوز دھندے کے حوالے سے سب سے پہلے اس بات کا پتہ چلایا جانا ضروری ہے کہ یہ گروہ اتنی بڑی تعداد میں بچے کہاں سے حاصل کرتا رہا؟ واضح رہے کہ اس قسم کے کالے دھندے کے لئے عام طور پر فلاحی کاموں کو آڑ بنایا جاتا ہے اور سرکاری اداروں اور محکموں کے بااثر لوگوں کی سرپرستی کے بغیر اسے جاری رکھنا ممکن نہیں ہوتا، بہرحال بچوں کی اسمگلنگ کے سفاکانہ کاروبار میں ملوّث افراد اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں اس جرم کی کڑی سے کڑی سزا دی جائے اور اس کے ساتھ ان کی مدد کرنے والے سرکاری اداروں اور ایجنسیوں کے اہلکاروں اور حکام کا پتہ لگاکر انہیں بھی کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اُمید کی جانی چاہئے کہ حکومت انسانی حوالے سے اس بدترین جرم میں ملوّث تمام کرداروں کا پتہ چلاکر ان کی مکمل سرکوبی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گی، تاکہ آئندہ کسی کو ایسے گندے کاروبار چلانے کی جرأت نہ ہوسکے۔‘‘

ہ:... ’’کراچی سے ماہانہ ۱۳۵ بچے اغوا کئے جارہے ہیں، جنھیں اغوا کنندگان بیرونِ ملک بچوں کے خریداروں کو بھاری رقوم کے عوض فروخت کررہے ہیں، جبکہ بعض بچے پاکستان میں جرائم پیشہ افراد کو فروخت کئے جارہے ہیں۔‘‘

(روزنامہ ’’اُمت‘‘ کراچی ۲۱؍مارچ ۲۰۰۲ء)

و:... ''مالٹا کی شہری کونچیتانی نے مالٹا میں اپنے بیان میں اعتراف کیا ہے کہ اب تک سترہ بچے مالٹا میں لے جاچکی ہے۔''
(روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۱۹/مارچ ۲۰۰۲ء)

ز:... ''بلوچستان کے ساحلی علاقے پسنی میں سرگرم ایک ایسے گروہ کا انکشاف ہوا ہے جو اغوا شدہ بچوں کو لانچوں کے ذریعے بیرون ملک اسمگل کرتا ہے ..... بچوں کی محفوظ ترسیل کے لئے یہ گروہ پانچ ہزار روپے فی بچہ رقم وصول کرتا ہے۔''
(روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۲۲/مارچ ۲۰۰۲ء)

عین ممکن ہے کہ یہ خبریں قارئین کی نگاہ سے نہ گزری ہوں، یا انہیں قابلِ توجہ نہ سمجھا گیا ہو، یا پھر انہیں معمولی خبریں سمجھ کر ان سے بھی اسی طرح صرف نظر کرلیا گیا ہو، یا جس طرح ہم روزانہ اخبارات میں قتل و دہشت گردی کی خبریں پڑھتے ہیں اور افسوس و تأسف کا اظہار کرتے ہوئے صرف خبر کی سرخی پڑھ کر آگے گزر جاتے ہیں، بہت ممکن ہے ان خبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا ہو، کیونکہ تسلسل سے اس طرح کی خبریں پڑھتے پڑھتے اب قریب قریب ہم ان کی سنگینی کے احساس سے عاری ہوچکے ہیں، چنانچہ بعض اوقات بڑی بڑی خبریں اور سانحات بھی ہمیں جھنجوڑنے اور ہمارے مردہ ضمیر کو بیدار کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

مسلمان بچوں کے اغوا، ان کی خرید و فروخت کے گھناؤنے اور بدترین کاروبار کے پسِ منظر پر غور کیا جائے اور اس سلسلے کی جدید و قدیم خبروں کی تفصیلات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ محض ایک خبر نہیں، بلکہ قوم و ملک، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت گہری اور بدترین سازش ہے، اخبارات کی اصطلاح اور صحافتی زبان میں تو اسے ''بچوں کی اسمگلنگ'' کے گھناؤنے کاروبار کا نام دیا جائے گا، لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ پاکستانی حکومت، حکومتی اہل کاروں اور سرکاری ایجنسیوں

کے منہ پر زوردار طمانچہ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھیانک سازش اور خفیہ جنگ کا الارم ہے۔

ان خبروں سے معلوم ہوا ہوگا کہ یہ گھناؤنا کاروبار آج کا نہیں، بلکہ یہ بدترین کھیل اور ناپاک دھندا کئی سال سے نہایت رازداری اور منصوبہ بندی سے جاری ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہماری حکومت، اس کی ایجنسیاں اور ضمیر فروش سرکاری اہل کار سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود اس پر نہ صرف خاموش ہیں، بلکہ انسان فروشی کے اس ''نفع بخش'' کاروبار میں برابر کے شریک و سہیم ہیں۔

غالباً انسانیت دُشمن پاکستانیوں کو اس کا اندازہ نہیں کہ وہ اسلام دُشمنوں کے اشارہ پر قوم و ملک اور مذہب و ملت کے خلاف کس برے طریقے سے استعمال ہوکر اپنی آخرت ہی نہیں دُنیا بھی تباہ و برباد کر رہے ہیں، انہیں تو اس سے مطلب ہے کہ ان کی چشم پوشی اور این او سی جاری کرنے سے فی بچہ انہیں ایک معقول رقم میسر آجاتی ہے، ان کو اس سے غرض نہیں کہ اس سے کتنے گھروں میں ماتم برپا ہوتا ہے؟ کتنے گھرانے اولاد جیسی نعمت سے محروم ہوجاتے ہیں؟ کتنے معصوم اور مسلمان بچے عیسائیت کی گود میں چلے جاتے ہیں؟ عیسائی دُنیا میں مسلمانوں اور پاکستانیوں کی کس قدر تحقیر و تضحیک ہوتی ہے، اور بچوں کے اغوا کے بدترین مجرم عیسائیوں کے ہاں ان ضمیر فروش پاکستانیوں کو کس تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے...؟ مگر ہائے افسوس کہ: ''کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا!'' درحقیقت مسلمان بچوں کے اغوا کا مقصد یہ ہے کہ:

۱:... مسلمان ماں باپ کو ان کے جگر گوشوں سے محروم کرکے ان کو کرب و اذیت میں مبتلا کیا جائے۔

۲:... مسلمان گھرانوں میں کھلنے والے ان پھولوں اور کلیوں کو کھلتے ہی مسل دیا جائے، اور گلشن اسلام کو ان کلیوں اور پھولوں سے محروم کرکے تباہ و برباد اور ویران

کردیا جائے۔

۳:...مسلمانوں کی افرادی قوّت گھٹائی جائے اس لئے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے دُنیائے کفر پر لرزہ طاری ہے۔

۴:...عیسائیوں کی تعداد بڑھائی جائے۔

۵:...فرعونی تاریخ دُہراتے ہوئے مسلمان بچوں اور بچیوں سے وہ تمام گھٹیا کام کرائے جائیں جو عیسائی انجام نہیں دے سکتے۔

۶:...مسلمان بچوں اور بچیوں کو بازاری جنس بنا کر اسلام دُشمنی کی اندرونی آگ کو ٹھنڈا کیا جائے۔

۷:...مسلمانوں کے خلاف بُغضِ باطن اور غیظ وغضب کا اظہار کیا جائے۔

۸:...مسلمانوں سے عداوت کا بدلہ ان کے جگر گوشوں سے چکایا جائے۔

۹:...ان معصوم نونہالوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جائیں اور ان سے بیگار لی جائے۔

۱۰:...ان کو عیسائی مبلغ بنا کر مسلمانوں کی نسل کو اسلام کے خلاف استعمال کیا جائے۔

۱۱:...اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو بین الاقوامی طور پر بدنام کیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ مسلمان اور پاکستانی ایسی رذیل، کمینہ، گھٹیا اور دُنیا پرست قوم ہے کہ چند ٹکوں کے عوض اپنے دِین و مذہب، اور قوم و ملک کو ہی نہیں، اپنے معصوم بچوں کو بھی فروخت کردیتی ہے۔

غالباً آج سے چند سال قبل ایک امریکی عیسائی نے کچھ اسی طرح کے ضمیر فروش پاکستانیوں کو بنیاد بنا کر کہا تھا کہ پاکستانی قوم اس قدر پیسے کی پجاری ہے کہ اگر اسے ضرورت پڑے تو وہ اپنی ماں کو فروخت کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتی۔ اس بدبخت اور بدفطرت عیسائی کی اس ہرزہ سرائی پر قوم و ملک کے باضمیر مسلمانوں نے بھرپور احتجاج

کیا اور اسے اپنے الفاظ واپس لینے پر مجبور کردیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ان خبروں کی اشاعت سے اس امریکی جیسے اسلام اور پاکستان دُشمن عیسائیوں کے موقف کو کس قدر تقویت پہنچی ہوگی؟ تف ہے ایسے نام نہاد مسلمانوں، پاکستانیوں اور پاکستانی ایجنسیوں کے اہل کاروں پر! جو چند ٹکوں کے عوض قوم و ملک کا سر شرم سے جھکا دیتے ہیں۔

یہ لکھتے ہوئے مارے شرم کے قلم ساتھ نہیں دے رہا کہ اخبارات اور کورٹ کے ریکارڈ پر یہ بات آ چکی ہے کہ انسانیت کے ان سوداگروں نے اس ملک کے ۲۳ ہزار سے زائد مسلمان بچے اور بچیاں مختلف اوقات میں عیسائی دُنیا کے حوالے کئے ہیں، اور ہر بچے کے عوض متعلقہ محکموں کے بااختیار اور ذمہ دار دُنیا پرستوں نے اپنی تجوریاں بھری ہیں۔

اخباری تفصیلات کے مطابق اس بدترین کاروبار میں صرف عیسائی ہی ملوّث نہیں بلکہ ہمارے ہاں کے ''معزّزین'' بھی اس گنگا سے اشنان کر چکے ہیں، اور اس حمام میں بڑے سے لے کر چھوٹے تک تقریباً سب ہی ننگے ہیں، چنانچہ اس دن کے اخبارت میں یہ تفصیلات بھی آ چکی ہیں کہ ہمارے اسپتالوں کے بعض ضمیر فروش ڈاکٹر، نرسیں، پولیس اہلکار، ایف آئی اے، وکلاء اور نام نہاد این جی اوز، اس غلیظ کاروبار میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

ملک و قوم اور انسانیت دُشمنی کے اس غلیظ کاروبار کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے جب ہم نے اس کیس کے پہلے مدعی، فریق اور اس سازش سے پردہ اُٹھانے والے انسان دوست ایڈوکیٹ جناب منظور احمد راجپوت سے رابطہ کیا، تو انہوں نے درج ذیل تحریری حقائق نامہ پیش کیا، آپ بھی پڑھئے اور سر دھنئے:

''اس گھناؤنے جرم کا راز ۲۳ رستمبر ۱۹۹۸ء کو اس وقت فاش ہوا جب سٹی کورٹ کراچی پاکستان میں چار عورتیں اور پانچ انگریز مرد موجود تھے اور ان کے پاس ٹوکریوں میں چھ نومولود

بچے ڈالے ہوئے تھے، ان میں سے ایک عورت نے ایک بچہ گود میں لیا ہوا تھا اور وہ سگریٹ کے کش لگا کر بچے کے منہ اور آنکھوں میں دُھواں پھینک رہی تھی، اور بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا، اتفاق سے اسی وقت راقم الحروف (منظور احمد راجپوت) قریب سے گزرا، جب میں نے یہ منظر دیکھا تو اس خاتون سے اس بچے کے رشتے کے بارے میں معلوم کرتے ہوئے کہا کہ: کیا یہ بچہ تمہارا ہے؟ جس کے ساتھ آپ اس طرح کا سلوک کر رہی ہیں کہ اس کے منہ اور آنکھوں میں زہریلا دھواں پھینک رہی ہیں؟ اس سوال سے وہ خاتون گھبرا گئی اور فوراً دوڑ کر کورٹ رُوم میں چلی گئی، جہاں عدالت میں مزید تین عورتیں اور پانچ مرد موجود تھے، اور ان کے درمیان پاکستان کے ایک سینئر ترین ایڈوکیٹ بھی موجود تھے، جو سب کے سب جج صاحب سے خوش گپیوں میں مصروف تھے، چونکہ کورٹ کا ٹائم ختم ہونے والا تھا، اس لئے سینئر وکیل صاحب عدالت/ جج سے کہہ رہے تھے کہ جلدی کریں، کیونکہ کل ان لوگوں کی مالٹا کے لئے فلائٹ ہے اور ان کی سیٹ کنفرم ہوچکی ہے۔

اتنے میں راقم الحروف نے کورٹ کلرک سے کہا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے؟ کیونکہ یہ بچے شکل سے پاکستانی لگتے ہیں اور یہ لوگ انگریز ہیں، آخر یہ بچے کہاں سے آئے ہیں؟ کلرک نے کہا کہ ابھی آرڈر ہوجائے گا تو آپ کو بتاتا ہوں، میں نے کہا کہ آرڈر سے پہلے ہی فائل دِکھا دیں، جب کلرک سے فائل دیکھنے کی درخواست کی تو جج صاحب نے متوجہ ہوکر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں یہ فائل دیکھنا چاہتا ہوں، جج

صاحب نے کہا آپ فائل دیکھ کر کیا کریں گے؟ میں نے کہا کہ صرف فائل دِکھادیں، چنانچہ جب راقم الحروف کو فائل دِکھائی گئی تو اس میں درج تھا کہ یہ چھ بچے ایک پادری نے ان کو دیئے ہیں اور یہ لوگ آج ان کو مالٹا لے جارہے ہیں۔ درخواست گزار ڈینس چارلس، کینٹیا چارلس جورڈن لی، مارتھا اوران کی بیگمات تھیں، اورانہوں نے کورٹ میں درخواست دی تھی کہ ہم یہ بچے مالٹا لے جانا چاہتے ہیں، کورٹ ہمیں سرپرستی کا سرٹیفکیٹ دے دے۔

ان تفصیلات کے ملاحظہ کرنے کے بعد میں نے اسی وقت درخواست لگائی کہ چونکہ ابھی تک کورٹ نے آرڈر نہیں کیا ہے، لہٰذا میری درخواست ہے کہ بقول ان لوگوں کے چونکہ یہ بچے پاکستان سے لاوارث ملے ہیں، اور پاکستان کی سرزمین سے ملے ہیں اور یہ کہ یہ مسلمان ہیں، ان کو عیسائی اور خاص طور پر غیرملکی لوگ اپنی سرپرستی میں نہیں لے سکتے، میں ایک مسلمان ہوں اور پاکستانی ہوں یہ بچے مجھے دیئے جائیں، اس پر کورٹ میں میرے اور ڈینس چارلس اور ان کے سینئر پاکستانی وکیل کے درمیان جھگڑا ہوگیا، ان کے پاکستانی وکیل نے کہا کہ آپ ان بچوں کو جانے دیں، چونکہ بچے آٹھ دن بعد واپس آنے والے ہیں، اس وقت یہ اعتراض داخل کردینا۔

اس بات پر میں نے کہا کہ نہیں میں کسی بھی صورت میں یہ بات نہیں مانوں گا، اس دوران جج سے بحث ہوئی کہ آپ جج ہیں، اس درخواست پر آرڈر پاس کریں اور میرے اعتراضات کو ریکارڈ پر لے آئیں، چنانچہ اس بحث وتکرار کے

بعد میری درخواست پر آرڈر ہوا اور سماعت کے لئے دوسرے دن کا وقت مقرّر ہوگیا، اور ان لوگوں کے خلاف مقدمہ چلا، اسی دوران دو تاریخوں پر مالٹا کے عیسائی اور ان کے وکیل عدالت میں پیش نہیں ہوئے، تو میں نے کورٹ میں درخواست دی کہ یہ لوگ بچے لے کر بھاگ جائیں گے، لہٰذا FIA اور امگریشن کو آڈر کیا جائے کہ ان کا نام ECL (ایگزٹ کنٹرول لسٹ) میں ڈالا جائے، چنانچہ کورٹ نے دو آرڈر پاس کئے، ایک امگریشن کو اور دُوسرا تھانے کو کہ ان لوگوں نے مقدمے کی فائل میں جو اپنے پتے درج کئے ہیں وہاں کورٹ کا نوٹس تعمیل کرایا جائے، دُوسرے دن تھانے والوں نے رپورٹ پیش کی کہ جو پتہ کورٹ نے دیا ہے وہ ایک خالی پلاٹ کا ہے، وہاں کوئی رہائش پذیر نہیں ہے، کورٹ نے اسی وقت دوبارہ امگریشن کو نوٹس بھیجا تو ملزمان دوبارہ کورٹ میں حاضر ہوئے، اس لئے کہ جب وہ ایئرپورٹ پر پہنچے تو FIA نے ان کو بتایا کہ آپ کا نام ECL میں ہے اور آپ لوگ باہر نہیں جاسکتے، اور وہ مجبوراً کورٹ میں حاضر ہوگئے، تب میں نے کہا کہ مجھے شدید خطرہ ہے کہ یہ لوگ ان بچوں کو لے کر کسی دُوسرے راستے سے بھاگ جائیں گے، اس لئے ان کو یا تو گرفتار کرلیا جائے یا ان کے اصل پاسپورٹ کورٹ میں جمع کرلئے جائیں، تاکہ یہ بھاگ نہ سکیں اور ان سے بچے لے کر مجھے دے دیئے جائیں، اس پر کورٹ نے ان کے اصل پاسپورٹ جمع کرلئے اور بچے فیصل ایدھی کے حوالے کردیئے کہ جب تک مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوگا، اس وقت تک یہ بچے آپ کے پاس امانت کے طور پر رہیں گے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس وقت ان بچوں کی عمریں دس دن سے لے کر ایک ماہ تک تھیں، جن میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، اس دوران بہت سے حقائق سے پردہ چاک ہوا کہ انہوں نے مقدمہ میں D.C سینٹرل کے جعلی لیٹر/خط اور پادری کے لیٹر لگائے ہوئے تھے، یہی گروہ اس مقدمے میں چار ماہ پیشتر مئی ۱۹۹۸ء میں ۹ بچے لے کر گیا تھا، وہ بات بھی ریکارڈ پر آئی۔

چونکہ قانون کے مطابق لاوارث بچے کی پرورِش کی ذمہ داری گورنمنٹ کی ہوتی ہے، اگر کورٹ یا گورنمنٹ کسی آدمی کو بچے کی سرپرستی کے لئے بچہ دیتی ہے تو اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ بچے کو اپنے دائرۂ اختیار سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی، کیونکہ قانون کے مطابق کورٹ اس بچے کے بارے میں اٹھارہ سال تک مکمل رپورٹ یعنی صحت اور تعلیم کے بارے میں لے سکتی ہے، اور جب بھی گورنمنٹ یا عدالت یہ محسوس کرے کہ اس کی پرورِش ٹھیک طریقہ سے نہیں ہورہی تو وہ بچے کو واپس لے سکتی ہے۔

اس مقدمے میں صاف اور واضح طور پر لکھا تھا کہ بچے مالٹا لے کر جارہے ہیں، اور عیسائی لے کر جارہے ہیں، لہٰذا یہ غیرقانونی کاروائی اور مجرمانہ اقدام تھا، اور جو بچے پہلے لے جائے جاچکے ہیں ان کے بارے میں آج تک اس کی کوئی رپورٹ کورٹ یا گورنمنٹ کے پاس نہیں ہے کہ ان بچوں کا کیا ہوا؟

اسی دوران یہ پتا چلا کہ ۱۹۹۹ء تک پاکستان کی عدالتوں سے نام نہاد N.G.O اور فلاحی اداروں کے ذریعہ

تقریباً ۲۳ ہزار بچے مختلف ممالک میں بھیجے جاچکے ہیں، اور اب تک کسی بھی بچے کے بارے میں کسی قسم کی کوئی رپورٹ نہیں آئی کہ وہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مردہ؟ اور مسلمان ہے یا عیسائی؟

۳۱رمئی ۲۰۰۱ء کو VII سینئر سول جج محترمہ راشدہ صدیقی صاحبہ نے مقدمے کا فیصلہ کیا کہ ایک بچہ منظور احمد راجپوت کو دیا جائے، اور باقی پانچ بچوں کی سرپرستی بلقیس ایدھی اور منظور احمد راجپوت کریں گے۔

جج صاحبہ نے اس فیصلے میں یہ بات واضح طور پر لکھی کہ یہ بچوں کی اسمگلنگ ہے، اور انہوں نے چیف ایگزیکٹو، وزیر داخلہ، وزیرخارجہ، ہوم سیکٹری، وزیر قانون کو لکھا کہ اس قسم کے مقدمات پر خاص نظر رکھی جائے اور ایسے اقدامات کا سدِباب کیا جائے، کیونکہ یہ بچوں کی اسمگلنگ ہے۔

ابھی مقدمے کا فیصلہ ہونا باقی تھا کہ مالٹا کے ان عیسائی شہریوں نے ہائی کورٹ میں درخواست دی اور ہوشیاری و خاموشی سے اپنے پاسپورٹ واپس لے کر پاکستان سے بھاگ گئے۔

اس دوران مختلف دیگر مقدمات بھی داخل ہوئے، راقم الحروف اعتراضات کرتا رہا، اور بچوں کو روکتا رہا،لیکن گورنمنٹ نے اس کی روک تھام کے لئے کوئی قابلِ ذکر اقدام نہ کیا۔

اسی طرح ۱۴رمارچ ۲۰۰۲ء کو گلشن اقبال تھانے کے اہل کاروں نے چھاپہ مارکر اس گروہ کو پکڑا اور ان سے مزید گیارہ بچے برآمد ہوئے، اس پر ایک گونہ خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی، کہ اگر گورنمنٹ اس وقت مؤثر اقدامات کرلیتی تو آج یہ بدترین حادثہ پیش نہ آتا۔

لیکن جب پہلے دن ریمانڈ پر لے کر پولیس ملزمان کو عدالت میں لے آئی تو پتہ چلا کہ ملزمان نے انکشاف کیا ہے کہ وہ اب تک ایک سو چالیس بچے لے کر جا چکے ہیں، اور ان کے ساتھ اسپتال کی نرسیں، ڈاکٹر اور FIA کا عملہ شامل ہے۔

پولیس نے اس موقع پر اگرچہ بلند و بانگ اور بڑے بڑے دعوے کئے اور کہا کہ ہم اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث پوری مافیا کو گرفتار کرلیں گے، لیکن ۲۷؍مارچ کو یہ دیکھ کر حیرت و افسوس کی انتہا نہ رہی جب وہی پولیس ان ملزمان کو کرسیوں پر بٹھا کر، ''سر''، ''سر'' کرتے ہوئے انہیں گولڈلیف کے سگریٹ، منرل واٹر کی بوتلیں اور چائے وغیرہ پیش کر رہی تھی۔ پولیس کی اعلیٰ کارکردگی دیکھئے کہ جو لوگ ۱۶؍مارچ کو ملزمان تھے، وہ آج معزّز بن گئے، بلکہ ڈینس چارلس کی بیوی کنٹا چارلس جو اس گروہ کی سرغنہ تھی اس کو پہلے ملزم لکھا گیا، بعد میں اس کا نام تک ملزمان کی فہرست سے خارج کردیا گیا، نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے اور پولیس کا یہ کردار ہے کہ جس نے چند سکوں کی خاطر ہمارے سینکڑوں بچوں کا کاروبار کرکے ان کو فروخت کردیا اور ان ملزمان کو VIP پروٹوکول کا مستحق گردانا جارہا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اسی دوران معلوم ہوا کہ پولیس کی ملی بھگت سے اس گروہ کے کارندوں نے کوشش کی کہ ان بچوں کے فرضی ماں باپ بنا کر پیش کئے جائیں، اور مقدمہ کو کمزور کیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ یہ وہ عیسائی ماں باپ ہیں جنھوں نے خود اپنی مرضی سے یہ بچے دیئے ہیں۔

اس لئے میں نے یہ اعتراض اور نکتہ اُٹھایا کہ جو لوگ یہ بچے مانگ رہے ہیں، یا کہہ رہے ہیں کہ یہ ہمارے بچے ہیں، ان کے D.N.A ٹیسٹ کرائے جائیں تا کہ پتہ چلے کہ واقعی یہ ان ہی کے بچے ہیں؟ جب یہ بات عدالت میں آئی تو وہ تمام لوگ جو اپنے آپ کو ان بچوں کے ماں باپ بتا رہے تھے ایک دَم غائب ہوگئے، دراصل یہ عیسائی مشنریوں کے بھیجے ہوئے لوگ تھے، اور پولیس نے چند سکوں کی خاطر انہیں یہ طریقہ بتایا تھا تا کہ یہ ملزمان مقدمے سے بری ہو جائیں۔

اب راقم الحروف نے کورٹ میں درخواست دی ہے کہ جن نو بچوں کو یہ مئی ۱۹۹۸ء میں لے کر گئے تھے، ان کو واپس منگوایا جائے، اور ان کی تفصیلی رپورٹ پیش کی جائے تا کہ پتہ چل سکے کہ ان بچوں کے ساتھ ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟ اور ان کے عزائم کیا تھے؟ میں نے لکھا ہے کہ اس قسم کے اقدامات کئے جانے چاہئیں کہ دوبارہ ایسے حادثات پیش نہ آئیں۔

اگر گورنمنٹ ۲۰۰۱ء والے فیصلے پر عمل درآمد کرتی تو آج یہ سینکڑوں بچے ان کی بھینٹ نہ چڑھتے۔''

ہم اربابِ اقتدار سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ملک وقوم اور دِین و ملت کے ایسے غداروں اور نسل فروشوں کے خلاف کوئی قانون نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے، تو سوال یہ ہے کہ ایسے بدباطنوں کے خلاف قانون حرکت میں کیوں نہیں آتا؟ کیا قانون صرف غریبوں، کمزوروں اور شریفوں کے لئے ہے؟

عیسائی دُنیا اپنے معاملات میں تو ایسی حساس ہے کہ دُنیا کے جس خطے سے چاہے اور جس مسلمان کو چاہے مجرم باور کرا کر اس کے خلاف فوج کشی کر لیتی ہے، اور

کوئی عذر معذرت سننے کی روادار نہیں ہوتی، اسی طرح وہ جہاں چاہے اور جس کے خون سے ہاتھ رنگین کرنا چاہے، کسی کو قتل کرے، اغوا کرے، ارتدادی سرگرمیوں میں ملوّث ہو، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، حیرت ہے کہ عیسائی دُنیا کے انسان تو انسان، ان کے کتوں اور بلیوں کے بھی حقوق ہیں، ان کے حقوق کی تنظیمیں ہیں، اور ان کو ستانے والوں کے خلاف کاروائی ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان اور ان کے معصوم بچے عیسائی دُنیا کے جانوروں کا درجہ بھی نہیں رکھتے کہ انہیں اغوا کرکے ماں باپ کی محبت سے محروم کیا جاتا ہے، انہیں بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے، اور ہر طرح کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض عینی شاہدین اور ملزمان کے ٹھکانے کے پڑوسیوں نے بتلایا کہ اس مکان میں کتے پلے ہوئے تھے، اور اکثر و بیشتر اس مکان سے دھلائی کے پانی کے ساتھ ایسا خون بہتا تھا جیسے کسی جانور کے ذبح کا خون ہوتا ہے، انہوں نے بتایا کہ غالباً یہ درندہ صفت لوگ مریض اور مردہ بچوں کو کتوں کے سامنے پھینک دیتے تھے، جو انہیں چیر پھاڑ کر کھا جاتے تھے۔

چونکہ یہ عیسائی درندوں کا سیاہ کارنامہ تھا اس لئے پہلے کی طرح اب بھی بین الاقوامی میڈیا اور اخبارات کی سرخیوں میں جگہ نہ پاسکا، ورنہ اگر یہی کام خدانخواستہ کوئی دُوسرا کرتا تو انسانی حقوق کی تنظیمیں چیخ اُٹھتیں، مگر افسوس کہ ان سفاک عیسائیوں کے سیاہ کارنامے پر کسی بین الاقوامی تنظیم کو آواز اُٹھانا تو کیا، مذمت کے دو بول بولنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔

درحقیقت یہ انہیں این جی اوز کی کارستانی ہے جنھیں مسلمان حکومتوں نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور وہ اسلامی ممالک اور مسلمان معاشروں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، چنانچہ بنگلہ دیش اور پاکستان عیسائی دُنیا اور ان کی این جی اوز کے خاص نشانے پر ہیں، اور اب تو یہاں تک خبریں ہیں کہ دورِ حاضر کا فرعون امریکہ، مشرقی تیمور کی طرح پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع سیالکوٹ کے آس پاس کے چند عیسائی

آبادی کے مقامات کو عیسائی اسٹیٹ میں تبدیل کرنے کی خواہش اور کوششوں میں ہے۔

دُوسری طرف عیسائی این جی اوز پورے بنگلہ دیش کو عیسائی ریاست میں بدلنے کی سوچ میں ہیں، چنانچہ مسلمانوں کی بےحسی، بےتوجہی اور غربت و افلاس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے، عیسائی دُنیا نے بنگلہ دیش میں اپنا اثر نفوذ اتنا بڑھادیا ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت کی پانچ ہزار کی عیسائی تعداد اب لاکھوں میں بدل چکی ہے، اگر پاکستانی مسلمانوں اور اربابِ اقتدار نے عیسائی این جی اوز کی ناک میں نکیل نہ ڈالی اور مزید کسی غفلت کا مظاہرہ کیا تو اندیشہ ہے کہ پاکستان بھی عیسائی اسٹیٹ نہ بن جائے، ولا فعل اللہ ذالک!

بچوں کی اسمگلنگ کے جرم میں گرفتار ملزمان اور ان کے سرپرستوں نے اخبارات میں یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ: وہ ان بچوں کو مالٹا منتقل کرتے ہیں جو ناجائز طور پر پیدا ہوتے ہیں، اور جنھیں کنواری مائیں اپنا جرم چھپانے کے لئے اسپتالوں میں لاوارث چھوڑ جاتی ہیں، یا پھر یہ بچے ان عیسائی والدین کے ہوتے ہیں جن کو ان کے ماں باپ عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ کی غرض سے ان کے حوالے کرتے ہیں۔

ملزمان کا یہ بیان اور تأثر نہایت شرانگیز اور گمراہ کن ہے، بغور دیکھا جائے تو ملزمان نے اس تأثر سے مسلمانوں، اسلامی معاشرہ اور پاکستانی قوم کو بیک زبان متعدّد غلیظ گالیاں دی ہیں، مثلاً:

اوّل:... ملزمان نے ان معصوم و مسلمان بچوں کو (جو اپنے دفاع کی صلاحیت نہیں رکھتے) زبردستی عیسائی کہہ کر انہیں اسلامی برادری سے نکال باہر کرنے کی مذموم کوشش کی ہے، اور وہ ان کو ان تمام حقوق سے، جو ایک مسلمان کو زندگی اور موت کے بعد حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: اسلامی نام، اسلامی ماحول میں تعلیم و تربیت، حلال غذا، آزادی و حریت، مسلمان ماں باپ کی وراثت، اسی طرح موت کے بعد کے حقوق میں سے غسل، کفن، جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین وغیرہ، سے محروم کرنا

چاہتے ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں ملزمان ان معصوموں کو اہلِ جنت سے نکال کر اہلِ جہنم میں دھکیلنا چاہتے ہیں، جو اپنی جگہ بدترین جرم ہے، سوال یہ ہے کہ ان کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ کسی معصوم و بے زبان کے مستقبل سے کھیل کر ان کے کفر و ایمان کا فیصلہ کریں...؟

دوم:...ملزمان نے اس بیان سے گویا پورے پاکستانی معاشرہ کو بین الاقوامی طور پر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے کہ ...نعوذ باللہ... پاکستانی مسلمانوں میں زنا کاری اور بدکاری کے نتیجے میں اس قدر وافر مقدار میں حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں کہ سالانہ ڈیڑھ دوصد بچے مالٹا منتقل کرنا پڑتے ہیں۔ تف ہے ہمارے اربابِ حل وعقد پر! اور حیف ہے ان سرکاری اور پرائیویٹ اہل کاروں پر! جو اپنی عفت مآب بہنوں اور بیٹیوں کے خلاف ایسی بدترین تہمت اور غلیظ گالی سننے کے باوجود بھی ان عیسائی گماشتوں اور این جی اوز کے انسان نما درندوں کے گلے میں پٹہ ڈالنے اور انہیں لگام دینے کے بجائے ان کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ملزمان نے اپنے اس بیان میں مسلمانوں کی نئی نسل کو بے حیائی، بے شرمی و بے راہ روی کا درس اور دعوتِ گناہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ...نعوذ باللہ...تم بدکاری کرو اور اپنا جرم چھپانے کے لئے بچے ہمیں فروخت کردو، ہم تمہارا جرم بھی چھپائیں گے اور تمہیں اس کا معاوضہ بھی دیں گے۔

سوم:...اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ معصوم و مظلوم اور بے زبان بچوں پر انسانیت کے ان سوداگروں نے جہاں دُوسرے مظالم ڈھائے ہیں، وہاں ان پر ایک اور ظلم یہ بھی کیا جارہا ہے کہ ...نعوذ باللہ...ان کو حرامی النسل کہہ کر ان کی مزید تذلیل و توہین کی جارہی ہے۔

دراصل اس بیان سے جہاں مسلمانوں اور پاکستانیوں کی توہین و تذلیل کرنا مقصود ہے، وہاں ان ناپاک ہتھکنڈوں سے اپنے جرم کو خفیف اور ہلکا ظاہر کرکے اپنے

آپ کو معصوم و بے قصور، بلکہ انسانیت کا خیر خواہ باور کرانا ہے، جو سراسر دھوکا اور فراڈ ہے، اور کوئی معمولی عقل وفہم کا انسان بھی ان کے دھوکے میں نہیں آئے گا۔

اس لئے ضرورت ہے کہ اربابِ اقتدار اور اربابِ حل وعقد کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور قوم و ملک کو اس عیسائی یلغار سے بچایا جائے، اور ایسی کالی بھیڑوں کو جو بین الاقوامی طور پر ملک و ملت کی بدنامی کا سبب بنتی ہوں، ان کو قرار واقعی سزا دی جائے، اسی طرح مسلمان بچوں اور بچیوں کے اغوا میں ملوّث ان گروہوں کی سرکوبی کی جائے اور ان کو عبرت کا نشان بنایا جائے تاکہ آئندہ ایسے واقعات و سانحات کا اعادہ نہ ہو، ہمارے خیال میں اس بدترین مجرمانہ کاروائی کے تمام کرداروں کو سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا جائے تو اِن شاء اللہ آئندہ ایسے واقعات کا اعادہ نہیں ہوگا:

''بر رسولان بلاغ وبس''

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی صفر ۱۴۲۳ھ مطابق مئی ۲۰۰۲ء)

امریکی مطالبات اور اربابِ اقتدار!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کی نفسیات اور روز افزوں مطالبات کی انتہا کو بیان فرماتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:

"وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ......" (البقرۃ:۱۲۰)

ترجمہ:... "اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوجاویں۔"

دُوسری جگہ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے معاملات و تعلقات استوار کرنے پر یوں وعید کی گئی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ، وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ." (المائدۃ:۵۱)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ ان ہی میں سے

ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتا ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔"

ایک اور جگہ کفار و مشرکین کی مسلمانوں سے عداوت کے بارے میں ارشاد ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ....." (الممتحنہ:۱)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! تم میرے دُشمنوں اور اپنے دُشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ عیسائیت و یہودیت اسلام کی دُشمن ہے، بلکہ حقائق و واقعات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کے خمیر میں اسلام اور مسلمان دُشمنی شامل ہے، چنانچہ کبھی کوئی عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی تو کجا، ان کا وجود برداشت کرنے کا روادار نہیں رہا، مگر افسوس! کہ مسلمان ہمیشہ اپنے حقیقی دُشمن کو پہچاننے میں ٹھوکر کھاتے آئے ہیں، اور مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی سادہ دِلی سے ان آستین کے سانپوں سے نقصان اُٹھایا ہے۔

دورِ حاضر کے "شیطانِ اکبر" امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جس طرح مسلمانوں کو ختم کرنے اور مٹانے کی پالیسی کو اپنا رکھا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے ڈرامے کے ہتھیار کو اس نے جس طرح مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا ہے، محتاجِ بیان نہیں۔

امریکہ کی مسلمانوں کے خلاف معاندانہ بلکہ منتقمانہ پالیسیوں، اسلامی ممالک میں اس کے اثر ونفوذ اور بڑھتے ہوئے تسلط کے تناظر میں افغانستان کے خلاف اس کی کاروائی اپنی غیر معمولی حیثیت کے باوجود اب کمتر دکھائی دیتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ افغانستان کے خلاف امریکی جارحیت اس کے اصل پروگرام کا پیش

خیمہ اور مقدمہ تھا، اصل پروگرام اب شروع ہورہا ہے۔

امریکی دہشت گردی کے پیشِ نظر ہمیں اس کا پہلے سے ہی اندیشہ تھا، چنانچہ آج سے آٹھ ماہ قبل رجب ۱۴۲۲ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۱ء کے ''بینات'' کے شمارہ میں ''امریکی عزائم اور ہماری ذمہ داری'' کے عنوان سے ہم نے اربابِ اقتدار کو اس خطرے سے پیشگی آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''جنابِ صدر اور اس کی کابینہ کے دانشوروں نے طے کرلیا ہے کہ امریکہ بہادر کی خوشنودی اور چند دُنیاوی مفادات حاصل کرنے کے لئے امریکی دہشت گردی میں اس کا ساتھ دیں گے، لیکن غالباً انہیں اس اقدام کی سنگینی اور پاکستان کے لئے مشکلات کا اندازہ نہیں، اگر خدانخواستہ امریکہ پاکستان میں آنے اور اس کے اَڈّے استعمال کرنے پر قادر ہوگیا تو پاکستان درج ذیل مشکلات کا شکار ہوسکتا ہے، مثلاً:

... پاکستان پر ہمیشہ امریکی ناراضگی کی تلوار لٹکتی رہے گی، اور اس کی آزاد حیثیت ختم ہوجائے گی، بلکہ وہ امریکہ کی کالونی کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

...اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ کے لئے اسے (پاکستان کو) مزید غیراسلامی اقدامات پر مجبور نہ کرے۔

... امریکہ کی خوشنودی اور دُنیاوی مفادات میں مسلمانوں کی غداری کے مرتکب پاکستانی حکمران کیا اس کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ آئندہ کے لئے امریکہ اس سے راضی رہے اور ان سے کئے گئے وعدے پورے بھی ہوں؟ ہمارا وجدان یہ کہتا ہے کہ امریکہ اپنے مقاصد پورے کرنے کے

باوجود بھی پاکستان کو طفل تسلیوں میں رکھے گا۔

ﷺ... قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق امریکہ کے یہودی اور عیسائی پالیسی ساز، مسلمانوں سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ یہودیت یا عیسائیت نہ قبول کرلیں، کیا اربابِ اقتدار اس کے لئے تیار ہیں...؟'' (ص:۸، ۹)

چنانچہ وہ موہومہ خطرات اور اندیشے اب حقیقت بن کر سامنے آرہے ہیں، اور امریکہ افغانستان کے خلاف ہمارے ہوائی اَڈّے استعمال کرکے بھی ہم سے راضی نہیں ہوا، بلکہ اس کے مطالبات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں، چنانچہ:

۱:... سب سے پہلے اس نے ہم سے اَڈّے مانگے، ہم نے نہایت ''عقل مندی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے اپنے ہوائی اَڈّے استعمال کرنے دیئے، مگر وہ ہمارے اَڈّے استعمال کرکے بھی ہم سے راضی نہ ہوا۔

۲:... اس نے لاجسٹک سپورٹ مانگی، ہمارے اربابِ اقتدار نے وہ بھی دے دی۔

۳:... اس نے ''فرمایا'' دِینی مدارس میں دہشت گردی سکھائی جاتی ہے، ہم نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور مدارس کو ''دہشت گردی کے اَڈّوں'' کا عنوان دیا۔

۴:... اس نے کہا مدارس کی تعداد کم کرو اور ان کو بند کرو، ہماری حکومت نے رجسٹریشن کی پابندی لگاکر اس کے سدِ باب کا انتظام کیا۔

۵:... اس نے کہا مدارس میں مذہبی تعلیم کم کی جائے، ہم نے مدارس میں عصری تعلیم کی شرط لگاکر تعمیلِ ارشاد کی۔

۶:... اس نے کہا کہ افغانستان کا سفیر ہمارے حوالے کردو، ہم نے سفارتی اُصولوں کو پامال کرتے ہوئے مُلّا عبدالسلام ضعیف ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

۷:... اس نے مذہبی اور جہادی تنظیموں پر پابندی کا اشارہ دیا، ہمارے

حکمرانوں نے اس کی تعمیل کی۔

۸:...اس نے کہا کہ پاکستان کے فلاں فلاں علاقوں میں ہم نے آپریشن کرنا ہے، ہماری سرکار نے ''وفادار غلام'' کا سا کردار ادا کرتے ہوئے ان کے باغی زندہ اور مردہ ان کے حوالے کردیئے۔

۹:...اس نے ہم سے قبائلی علاقوں میں اپنی تفتیشی ٹیموں کے داخلے کی برائے نام اجازت چاہی، ہم نے بلاتکلف نہ صرف اجازت دی بلکہ اسے ''سعادت'' سمجھا۔

۱۰:...اس نے کہا تمہارے ہاں حدود آرڈی نینس کی شکل میں زنا پر پابندی کیوں ہے؟ ہمارے عزّت مآب صدر نے حدود آرڈی نینس کے عدالتی فیصلے کو معطل کرتے ہوئے کہا کہ: ''زانی کو سنگسار کرنے کی سزا نہیں ہوگی اور شرعی سزا پر عمل درآمد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ پاکستان میں نہ تو اس سے قبل ایسا ہوا ہے، اور نہ ہی ہونا چاہئے اور نہ ہونے دیا جائے گا۔'' (روزنامہ ''اسلام'' ۵رمئی ۲۰۰۲ء)

۱۱:...امریکہ بہادر نے کہا: پاکستان توہینِ رسالت قانون تبدیل کرے اور قادیانیوں کے خلاف قوانین ختم کرے (روزنامہ ''خبریں'' ۸رمئی ۲۰۰۲ء)، ہمارے حکام نے نہایت ہمت اور جرأتِ رندانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے عرض کیا: آقا! ناراضگی معاف...! یہ قوانین ہمیں ورثے میں ملے ہیں، بہرحال ہم ان کو ختم کرکے دَم لیں گے، چنانچہ ہمارے ذمہ دار وفاقی وزیر اطلاعات نے امریکہ کو یقین دہانی کراتے ہوئے عرض کیا:

> ''حکومت کو توہینِ رسالت کا قانون اور حدود آرڈی نینس ورثے میں ملے ہیں، تاہم میں یقین دِلاتا ہوں کہ صدر پرویز مشرف کو ان کے بارے میں تشویش ہے اور اس حوالے سے مستقبل قریب میں حکومت نے اس کے بارے میں اقدامات کئے تو آپ کو حیران نہیں ہونا چاہئے ..... وزیر

اطلاعات نے کہا کہ حکومت بہت جلد حدود آرڈی نینس اور توہینِ رسالت کے قوانین میں مذہبی، قانونی اور تاریخی پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے تبدیلیاں لائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام معاف کرنے والا مذہب ہے، لہٰذا اس کو انتہا پسند نہیں بنانا چاہئے، توہینِ رسالت کے قانون اور حدود آرڈی نینس میں تبدیلیاں لانا ایک مشکل فیصلہ ہے، لیکن حکومت یہ تبدیلیاں جلد کرے گی۔ وزیر اطلاعات نے کہا میں آپ کو یقین دِلاتا ہوں کہ صدر مشرف، جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور پوری دُنیا جانتی ہے کہ انتہائی جرأت مندانہ فیصلے کر رہے ہیں۔ نثار میمن نے کہا کہ حکومت مذہبی، قانونی اور تاریخی حوالوں سے ان اُمور کا جائزہ لے رہی ہے ..... اور بہت جلد اس بارے میں حقیقت پسندانہ فیصلہ کریں گے .....'' (روزنامہ ''خبریں'' کراچی ۸رمئی ۲۰۰۲ء)
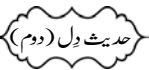
بلا شبہ اسلام عفو و درگزر کا مذہب ہے، اور وہ اپنے پیروکاروں کو اپنے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات میں معاف کرنے کی تلقین کرتا ہے، لیکن جہاں تک حدود و قصاص اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و ناموس کی توہین و تنقیص کا تعلق ہے، اسلام اس میں کسی نرمی کا روادار نہیں، بلکہ اسلام ایسے تمام عناصر کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی تلقین کرتا ہے جو دُوسروں کی عزّتوں کو پامال کرتے ہیں، یا کسی کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگین کرتے ہیں، اسی طرح ایسے کسی شخص کے لئے بھی اسلام کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا جو شعائرِ اسلام کی توہین و تنقیص کا مرتکب ہوتا ہے، یا حضراتِ انبیائے کرام اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں دریدہ دہنی کا ارتکاب کرتا ہے۔ چنانچہ تاریخ و سِیر کی کتابوں میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں ایسے بدباطنوں کو ان کے انجام تک پہنچایا گیا، جنھوں نے ایسی کوئی گستاخی کی تھی،

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ''الصارم المسلول علٰی شاتم الرسول''۔

کیا ہم اپنے وزیرِ موصوف سے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ کوئی بدبخت ان کی بہو بیٹیوں کی عزّت و ناموس سے کھیلنے کی کوشش کرے، یا ان کی جان و مال کے درپے ہو، یا کم ازکم ان کی ذاتِ والا صفات کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرے، تو کیا وہ اسے یہ کہہ کر معاف فرمادیں گے کہ: ''اسلام معاف کرنے والا مذہب ہے''؟ اسی طرح اگر کوئی صدرِ پاکستان جناب پرویز مشرف کو گالی دے یا بانیٔ پاکستان، قائدِ اعظم محمد علی جناح کی توہین کرے تو وہ اس کو بھی معاف کرنے کے روادار ہوں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں...!

افسوس صد افسوس! کہ ہم اپنی ذات کی حد تک تو اتنے حساس ہیں کہ جب تک اپنے مخالف کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچادیں، ہمارے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی، لیکن جب دُوسروں کی جان و مال، عزّت و ناموس اور ان کی بہو بیٹیوں کی عزّتوں سے کھیلنے والوں کا معاملہ پیش آئے تو ہم عفو و درگزر کی تلقین کرتے ہیں، تف ہے ہماری عقل و دانش پر! اور حیف ہے ہماری غیرتِ ایمانی پر! کہ ہمارے نزدیک خدانخواستہ اسلام، اسلامی اقدار، شعائرِ اسلام، حضرات انبیائے کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و ناموس کی اتنی بھی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں رہی جتنا کہ ہمیں اپنی عزّت و وقار کا خیال ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یا تو ہمارے دِلوں سے ایمان رُخصت ہوچکا ہے یا پھر ایمان کی سطح اس حد تک گرچکی ہے کہ اب ہمیں کفر و اسلام کی تمیز ہی باقی نہیں رہی۔

۱۲:... اسی طرح جب امریکہ نے کہا کہ مسلم و غیرمسلم کا امتیاز ختم کرو، اور جداگانہ انتخابات کے ووٹر لسٹ فارم سے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے حلف نامے کو حذف کرو، تو ہمارے اربابِ حل و عقد نے مخلوط طرزِ انتخابات کا اعلان کرکے اس کا یہ مطالبہ بھی پورا کردیا۔ چنانچہ ووٹر لسٹ فارم قدیم و جدید کا بالترتیب عکس ملاحظہ ہو:

غرض ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے ڈرامے کے بعد امریکی مطالبات کی فہرست شیطان
کی آنت کی طرح لمبی ہوتی جارہی ہے، اور ہمارے اربابِ اقتدار بغیر کسی ادنیٰ تأمل

کے اس کے ہر حکم اور مطالبہ کو نہایت ’’سعادت مندی‘‘ سے پورا کرتے چلے جارہے ہیں: ’’آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟‘‘۔

امریکی احکامات اور ہمارے اربابِ اقتدار کی تعمیلِ ارشاد کی پالیسی سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ امریکہ کا اگلا حکم یہ نہ ہو کہ پاکستان امریکہ کی ۵۳ویں ریاست ہے، اور اس کا سرکاری مذہب عیسائیت ہے، لہٰذا جو لوگ پاکستان میں برسرِاقتدار رہنا چاہتے ہیں وہ فوراً عیسائیت قبول کرلیں، ورنہ وہ اپنے گھر کی راہ لیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ امریکہ نے یہ اعلان کردیا تو ہمارے اربابِ اقتدار اس ارشاد کی تعمیل کیونکر کرسکیں گے...؟

غالباً ہمارے اربابِ اقتدار کو اسلام اور اسلامی شعائر، ملک وملت اور دِین و مذہب سے کوئی دِلچسپی نہیں، اور نہ ہی انہیں اس کا احساس وعلم ہے کہ یہ ملک کن مقاصد کے لئے معرضِ وجود میں آیا؟ اور اس کے لئے ہمارے اکابر و بزرگوں نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں؟ اور مسلمانوں نے اِستخلاصِ وطن اور اس اَرضِ پاک کے حصول کے لئے کتنے آگ وخون کے سمندر عبور کئے ہیں، پھر ملک کو موجودہ صورتِ حال تک پہنچانے کے لئے کتنے خون بہے؟ کتنی عصمتیں لٹیں اور کتنی مالی قربانیاں دی گئیں؟ اس کے اندرونی اور بیرونی دُشمن کون ہیں؟ اور کون اس کے وفادار ہیں اور کون انگریز کے نمک خوار اور زلہ بار تھے اور ہیں...؟ جنابِ صدر کو متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی قربانیوں اور انگریزی مظالم کی تاریخ یقیناً معلوم ہوگی، اور انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور اِیسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے بعد تقریباً دوسو سال تک مسلمانانِ ہند، انگریزی جبر و استبداد کی چکی میں پستے رہے، ہر وقت ان کے لئے انگریزی مظالم کی بھٹی دہکتی رہی اور ہر آن برطانوی سامراج کی خون آشام تلوار، حریت و آزادی کے متوالوں کے سروں پر لٹکتی رہی، اور ہزاروں معصوم جرمِ ’’بغاوت‘‘ کی پاداش میں خاک وخون میں تڑپائے گئے، سیکڑوں دہکتی آگ کے

حوالے کئے گئے اور اَن گنت ایسے تھے جن کا آج تک پتہ نہ چل سکا کہ انہیں زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا...؟

بالآخر ان بااِخلاص فرزانوں کی قربانیاں اور مجاہدین کی جرأتِ ایمانی رنگ لائی اور انگریز بہادر کو یہاں سے بوریا بستر باندھنا پڑا۔ لیکن جاتے جاتے اس نے مسلمانوں کے دِلوں سے ایمان و اتحاد اور جذبۂ جہاد کو سرد اور فرو بلکہ کھرچ کر نکالنے کے لئے غلام احمد قادیانی کے دعویٔ نبوّت کا اسٹیج ڈرامہ رچایا، اور مسلمانوں کو اس میں اُلجھا کر خود چلتا بنا، غلام احمد قادیانی نے پوری عمارتِ اسلام کو دعویٔ نبوّت کے پھاوڑے سے ڈھادینے کی کوشش کی اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹنے کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

چنانچہ مسلمانانِ ہند و پاک پورے نوّے سال تک فتنۂ قادیانیت کی شکل میں انگریز کی طرف سے بچھائے گئے کانٹے اور راستے کے پتھر ہٹاتے اور دفاعِ اسلام کی جنگ لڑتے رہے، بالآخر ہزاروں مسلمانوں کی قربانیوں کے بعد وہ اربابِ اقتدار کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، بلکہ قادیانیت کو اسلام سے وہی نسبت ہے جو عبداللہ بن اُبیّ کو اِسلام سے تھی۔

بلا شبہ مسلمانوں نے ہر میدان میں چومکھی لڑائی لڑی اور ناموسِ رسالت کا تحفظ کیا، تاآنکہ ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ قادیانی ناسور کو اُمتِ مسلمہ کے جسد سے کاٹ کر پھینک دیا گیا، مگر افسوس کہ اس کی قانون سازی نہ ہوسکی، جس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قادیانی، شعائرِ اسلام کی توہین کرتے، مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے، اور غلام احمد قادیانی کو نبی، رسول، مسیحِ موعود، مہدیٔ معہود، اس کی بیوی کو ''اُمّ المؤمنین'' اور اس پر ایمان لانے والوں کو ''صحابہ'' وغیرہ کے القاب سے یاد کرکے اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے کی کوشش کرتے اور سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالنے کی ناپاک سعی کرتے رہے، اس خطرناک صورتِ

حال کے پیشِ نظر مسلمانوں نے ایک بار پھر تحریک چلائی اور اربابِ اقتدار کو اس مسئلے کی طرف متوجہ فرمایا، چنانچہ ۱۹۸۴ء میں امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا، یوں اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی مملکت میں ۳۷ سال بعد ناموسِ رسالت کے تحفظ کا قانون مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

لیکن افسوس کہ اسلام کے نام پر قربانی دینے والوں کی ہی نسل سے تعلق رکھنے والے موجودہ حکمرانوں کے دور میں یہ منحوس اور بُری خبر سننے کو مل رہی ہے کہ حکومت اس قانون کو بدل کر رہے گی، اور ...نعوذ باللہ...قادیانیت کے خلاف سو سالہ جہاد اور مسلمانوں کی قربانیوں پر پانی پھیر کر ہی رہے گی، ولا فعل اللہ!

کیا اربابِ اقتدار چاہتے ہیں کہ ملک میں حدود آرڈی نینس ختم کرکے امریکہ، برطانیہ اور یورپ کی طرح فحاشی، عریانی اور زناکاری عام ہو؟ کیا وہ حدود آرڈی نینس ختم کرکے زناکاری اور زانیوں کو تحفظ دینا چاہتے ہیں؟ کیا وہ چاہتے ہیں کہ امریکہ و برطانیہ کی طرح پاکستان میں بھی ان کی عفت مآب بیٹیاں کھلے بندوں اپنے آشناؤں کو گھروں میں لائیں، اور ماں باپ کے سامنے منہ کالا کریں؟ ماں باپ کی عزّت خاک میں ملائیں اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جائیں، اور ماں باپ قانون کے دروازے پر دستک نہ دے سکیں، اور وہ ان کی اس بے حیائی کا سدِ باب نہ کرسکیں؟ کیا وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی خاندانی نظام ختم ہوجائے اور جانوروں کی طرح مادر و پدر آزاد انسان نما حیوان گلی کوچوں میں جنسی عمل کرتے ہوئے نظر آئیں...؟

اسی طرح کیا وہ قانون میں ترمیم کے ذریعہ قادیانیوں کو مسلمانوں کی فہرست میں شامل کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ قرآن وسنت اور علمائے اُمت کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان کا قرآن پر ایمان نہیں ہے؟ کیا وہ ختمِ نبوّت کے منکر ہیں؟ کیا وہ حدیث کو نہیں مانتے؟ کیا ان کے نظریات اُمتِ مسلمہ سے جدا ہیں...؟ اگر اربابِ اقتدار مسلمان ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قادیانی پاکستان کے نہیں

ہندوستان کے وفادار ہیں، ان کا اکھنڈ بھارت کا خواب ہنوز تشنۂ تکمیل اور شرمندۂ تعبیر ہے، ان کے دِل مسلمانوں کے ساتھ نہیں، گورے انگریزوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں، وہ مسلمان کہلاکر مسلمانوں کی جڑیں کاٹتے ہیں، وہ پاکستان کی تنخواہ کھاکر قادیانیت کے لئے کام کرتے ہیں، وہ مسلمانوں کو جہنمی، ولدالحرام، کنجریوں کی اولاد، جنگل کے سور اور کتے سمجھتے اور کہتے ہیں، اگر اربابِ اقتدار غور فرمائیں تو قادیانیوں کے نزدیک وہ سب ان خطابات کے مستحق ہیں، کیا وہ اس قانون کو ختم کرکے قادیانیوں کی طرف سے کھلے عام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری جماعت انبیاء کو گالیاں دِلانا چاہتے ہیں؟ کیا ان کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ان کی مقدس ہستیوں کو بُرا بھلا کہا جائے اور وہ ان کی زبان بند نہ کراسکیں؟ کیا وہ چاہتے ہیں کہ قادیانیوں کی دریدہ دہنیوں کے خلاف حکومت کے بجائے مسلمان اُٹھ کھڑے ہوں اور راجپال کے ان جانشینوں کو غازی علم الدین شہیدؒ کے پیروکار خود ہی ٹھکانے لگائیں...؟

جنابِ صدر! حدود آرڈی نینس اور ختمِ نبوّت کی آئینی ترمیم کو ہاتھ لگانے کی غلطی نہ کیجئے...! ورنہ تاریخ میں آپ کا نام راجپال کے جانشینوں میں لکھا جائے گا، اور قوم آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ جس قوم نے سو سال تک اس مسئلہ کو اُٹھائے رکھا اور کئی تحریکوں کے بعد اس قانون سازی میں کامیاب ہوئی، اور اس کے لئے اس نے ہزاروں جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، کیا وہ اپنے شہیدوں کے خون سے غداری کرکے اس آئینی ترمیم کو ہضم کرسکے گی؟ نہیں، نہیں، قطعاً نہیں...!

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ہر شئ کی قربانی دے سکتا ہے، حتیٰ کہ اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ بھی پیش کرسکتا ہے، مگر ناموسِ رسالت پر سودے بازی نہیں کرسکتا، کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر ناموسِ رسالت کا تحفظ نہیں تو ہماری نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ حتیٰ کہ ہمارا زندہ رہنا بھی لغو اور فضول ہے، اس لئے مسلمان کٹ مرنا پسند کریں گے مگر ناموسِ رسالت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

اس لئے اربابِ اقتدار ہوش سے کام لیں اور امریکہ کی ’’خوشنودی‘‘ میں اتنا آگے نہ بڑھیں کہ ان کے اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کا ایمان و اسلام بھی خطرے میں پڑ جائے، اور مسلمان ان کو بیک بینی و دو گوش کرسیٔ اقتدار سے الگ کر دیں۔

ہم اربابِ اقتدار سے عرض کریں گے کہ وہ مسلمانوں کی قوّت برداشت کا مزید امتحان نہ لیں، اور ان غیر قانونی اور غیر اسلامی اقدامات سے باز آجائیں اور ملک کو کسی بحران میں مبتلا نہ کریں، اس لئے کہ ملکی حالات مزید کسی تحریک اور بحران کے متحمل نہیں ہیں، اسی میں ان کی اور مسلمانوں کی عافیت ہے، اور ملکی بقا کا راز ہے۔ لہٰذا فوری طور پر ووٹر لسٹ فارم میں حلف نامے کا اندراج کیا جائے، اور قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکا جائے، اسی طرح ملک میں این جی اوز کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ پر بھی قدغن لگائی جائے۔

(ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ مطابق جون ۲۰۰۲ء)

ملکی امن و امان کی مخدوش صورتِ حال
اور ہماری ذمہ داری!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

پاکستان ایک عرصہ سے دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے، اور اس قتل و غارت گری سے سب سے زیادہ متأثر دِین دار طبقہ رہا ہے، اگر اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو اس میں کام آنے والے زیادہ تر جید علمائے کرام اور اہلِ دِین ہی نظر آئیں گے۔

موجودہ فوجی حکومت نے بڑی بلند آہنگی سے یہ دعوے کئے تھے کہ ہم نے دہشت گردی کا نیٹ ورک توڑ دیا ہے، مگر حالیہ دہشت گردی کے واقعات اور بم دھماکے حکومت اور انتظامیہ کے دعوؤں کی نفی کرتے ہیں، چنانچہ حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ، جامعہ ملیہ کالج کے پروفیسر اور کراچی کے دسیوں ڈاکٹروں کے قتل، اغوا، اور ۸رمئی ۲۰۰۲ء کے بم دھماکے میں ۱۱ فرانسیسیوں سمیت اُنیس افراد کی ہلاکت اس کا واضح ثبوت ہے کہ حکومت و انتظامیہ ملک میں امن و امان قائم کرنے میں ناکام ہوچکی ہے، اور جو حکومت شہریوں کی جان و مال کا تحفظ نہ کرسکے، اسے برسرِاقتدار رہنے کا کوئی حق نہیں۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب حکومت اور انتظامیہ کے بقول قتل و دہشت گردی میں ملوّث گروہوں کا نیٹ ورک ٹوٹ چکا ہے، دہشت گرد تنظیموں کو کالعدم قرار

دے کر پابندِ سلاسل کردیا گیا ہے اور ایسے تمام لوگ جو دہشت گردی میں ملوّث ہوسکتے تھے وہ سب کے سب حکومت کی تحویل میں ہیں، تو پھر یہ قتل و غارت گری اور بم دھماکے کون کررہا ہے؟ آخر ہماری دسیوں ایجنسیاں کیا کرتی ہیں کہ ان کی ناک کے نیچے یہ سب کچھ ہوتا ہے اور قتل و غارت میں ملوّث دہشت گرد اپنی کاروائی کرکے غائب ہوجاتے ہیں۔ اگر ملک میں اسلامی آئین نافذ کردیا جاتا، ہماری پولیس، انتظامیہ اور عدالتیں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتیں تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مجرم چھپ سکتے اور ان مجرمانہ کاروائیوں کا اعادہ ہوتا۔

حکومت کو اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ان کاروائیوں کے پیچھے ان قوّتوں کا ہاتھ ہے جو پاکستان کی سلامتی اور خودمختاری کی دُشمن ہیں، وہ پاکستان میں بدامنی پھیلاکر اس میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانا چاہتی ہیں، چنانچہ ہمارے خیال میں کوئی محبّ وطن مسلمان، فرانسیسی انجینئروں کے خون سے ہاتھ رنگین نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ ہمارے ملکی دِفاع میں تعاون پر مأمور تھے اور وہ ہمارے پاس ایک مستأمن و معاہد کی حیثیت سے کام کررہے تھے، اور اسلام ایسے لوگوں کی جان و مال کے تحفظ کی بھی اسی طرح تلقین کرتا ہے جس طرح ایک مسلمان کی جان و مال اور عزّت و ناموس کی حفاظت کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ان کے قتل میں وہی قوّتیں ملوّث ہیں جو کسی بہانے سے پاکستان میں مداخلت کرنے کی خواہش مند ہیں، اس لئے ہمارا وجدان یہ کہتا ہے کہ ان کاروائیوں کے پیچھے بھی امریکہ بہادر کا ہاتھ ہے، جو اس بہانے مملکتِ خداداد پاکستان میں براہِ راست مداخلت کرنا چاہتا ہے، اس لئے اربابِ اقتدار بیرونی ایجنسیوں کو تحقیقات کے عنوان سے اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کا موقع دے کر اپنی کمزوری کا اظہار نہ کریں اور تمام غیرملکی ایجنسیوں کو نکال باہر کریں، اگر اس کا سدِ باب نہ کیا گیا تو ملکی بقا اور سالمیت خطرہ میں پڑجائے گی۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ مطابق جون ۲۰۰۲ء)

خودداری کا مظاہرہ کیجئے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ سے پیوستہ اشاعت میں ''امریکی مطالبات اور اربابِ اقتدار'' کے عنوان سے ہم نے ایسے بارہ امریکی مطالبات گنوائے تھے جو ہمارے اربابِ حکومت، امریکہ سرکار کے ایک اشارۂ ابروئے چشم پر بلاچوں و چرا پورے کرچکے ہیں، جبکہ اس سے قبل ہم متعدّد بار انہیں صفحات میں عرض کرچکے ہیں کہ اگر ہمارے حکمرانوں نے ہمت و جرأت، خودداری و خودمختاری کا مظاہرہ کیا ہوتا تو انہیں یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا، بلاشبہ یہ ہماری بزدلی اور بے غیرتی کی نحوست ہے کہ ہم روز بروز امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے دباؤ اور جکڑبندیوں میں مزید سے مزید تر بندھتے چلے جارہے ہیں۔ دُوسری طرف امریکی مطالبات کی فہرست ہے جو طویل سے طویل تر ہوتی جارہی ہے، اور ''مرے کو ماریں شاہ مدار'' کے مصداق امریکہ بہادر ہمیں مزید دبانے، آنکھیں دِکھانے اور بلیک میل کرنے میں پہلے سے کہیں زیادہ چاق و چوبند نظر آتا ہے، اس سب کے باوجود ہمارے حکمران، امریکہ کی نظروں میں کوئی مقام تو کیا حاصل کرتے، اُلٹا روز بروز اس کے غیظ وغضب اور ظلم وستم کے نشانے پر ہیں۔

بلاشبہ اس وقت امریکہ کی نسبت پاکستانی حکمرانوں کی بزدلانہ سوچ وفکر اور اطاعت وفرماں برداری کا حال تاتاری دور کے ان بزدل مسلمانوں سے ذرا بھی

مختلف نہیں جو تاتاریوں کی تلوار کی بھینٹ چڑھ جاتے، مگر تاتاریوں کی ''اطاعت و فرماں برداری'' سے سرِمو اِنحراف نہ کرتے۔ چنانچہ تاریخ میں ہے کہ ایک تاتاری کسی نام نہاد مسلمان کو پکڑتا اور کہتا: ''یہیں کھڑا رہ! میں گھر سے تلوار لاتا ہوں اور تجھے قتل کرتا ہوں''، پھر وہ تاتاری گھر جاتا، تلوار لاتا اور آکر اسے قتل کردیتا، مگر وہ بزدل و بے ہمت نام نہاد مسلمان وہاں سے بھاگ جانے یا مزاحمت کرنے کی کوئی ادنیٰ سی کوشش محض اس لئے نہ کرتا کہ شاید تاتاری کو میری ''فرماں برداری'' اور عدم مزاحمت کی یہ ''ادائے دِل نواز'' پسند آجائے اور مجھے چھوڑ دے، یا میری جان بخشی کردے۔ ظاہر ہے اس کی اس بزدلانہ اور احمقانہ سوچ سے تاتاری تو کیا متأثر ہوتا، البتہ وہ ''شرافت'' سے موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا۔

اس وقت ہمارے اربابِ بست و کشاد کی ٹھیک یہی کیفیت ہے، کہ دورِ حاضر کا تاتاری ظالم امریکہ انہیں جو کچھ کہتا ہے، وہ صرف اس اُمید پر بلاتوقف اس کی تعمیل کرلیتے ہیں کہ شاید اسے ہماری یہ ''ادائے وفا'' پسند آجائے اور وہ ہمیں اپنے غیظ وغضب کا نشانہ نہ بنائے، یا کم ازکم ہمیں اس کی نظروں میں کچھ ''عزّت کا مقام'' حاصل ہوجائے۔ لیکن افسوس، صد افسوس! کہ اس تمام تر ذِلت و رُسوائی اور بے غیرتی کے باوجود ہم آج بھی اس کی تاتاری تلوار کی نوک پر ہیں اور وہ ظالم اپنی خون آشام تلوار سے ہمیں تہ تیغ کرنے پر تلا ہوا ہے، مگر ہمارے اندر اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ کم ازکم ہم اس کی کسی غلط بات کو غلط کہہ سکیں، یا اس کی ظلم آشنا تلوار سے گردن بچانے کی اپنی سی کوشش کریں۔ تف ہے ہماری اس بزدلی اور بے غیرتی پر! اور حیف ہے ہماری اس فکر وسوچ پر! کہ ہمیں اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش کی تکمیل کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ اب ہم سے یہ مطالبہ ہونے لگا ہے کہ تم افغانستان کے بعد اب کشمیر سے بھی دستبردار ہوجاؤ، بلکہ اب تو نوبت بایں جارسید کہ مظلوم کشمیری مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کے حق میں ہمارا کسی قسم کا اخلاقی تعاون تو اپنی جگہ، ان کے حق میں

دو حرفی بیان بھی دہشت گردی کی سرپرستی کے زُمرے میں آئے گا، صرف یہی نہیں، بلکہ اس سے دو قدم آگے اب ہم سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ کنٹرول لائن کو مستقل سرحد تسلیم کرکے اپنی ۵۴ سالہ کشمیری پالیسی کو حرفِ غلط کی طرح اپنے دِل و دِماغ سے نکال دو۔ نہیں معلوم کہ ہمارے اَربابِ اقتدار اس امریکی مطالبے کی تعمیل میں کس قدر گرم جوشی کا مظاہرہ کریں گے...؟

دُوسری جانب امریکہ کے اتحادی اور مسلمانوں کے اَزلی دُشمن برطانیہ نے کھل کر اپنا پورا وزن بھارتی مفادات کے پلڑے میں ڈال کر ہندو بنئے کی بولی بولنا شروع کردی ہے، برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا نے پاکستان کے دورے کے بعد بھارت جاکر جو زہریلا بیان دیا ہے، وہ مسلمانوں اور خصوصاً پاکستان کے بارے میں برطانیہ اور مغربی دُنیا کے عزائم اور بغضِ باطن کی نشاندہی کرتا ہے، چنانچہ جیک اسٹرا نے بھارتی وزیراعظم سے ملاقات کے بعد اپنے پالیسی بیان میں کہا:

> ''دہشت گردی کے خلاف جنگ میں برطانیہ پوری طرح بھارت کے ساتھ ہے ..... برطانوی وزیر خارجہ نے کہا کہ صدر مشرف کو اب صورتِ حال کی سنگینی کو سمجھ لینا چاہئے۔ جیک اسٹرا نے کہا کہ کشمیر ایک دو طرفہ مسئلہ ہے، لیکن اس کے بین الاقوامی اثرات ہیں، تاہم انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کو کسی بھی صورت میں جائز یا جنگِ آزادی قرار نہیں دیا جاسکتا، جیک اسٹرا نے کہا کہ پاکستان جن کو مجاہدینِ آزادی قرار دے رہا ہے، دُنیا انہیں دہشت گرد مانتی ہے، انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کے سوال پر بھارت اور برطانیہ کی سوچ ایک ہے اور دونوں ایک ہی انداز سے اس کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔''

(روزنامہ ''اُمت''، ''جنگ''، ''جسارت'' کراچی ۳۰؍مئی ۲۰۰۲ء)

مگر صد حیف! کہ اربابِ اقتدار نے جس امریکہ کی خوشنودی اور مغرب کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے ایک اسلامی ریاست کی تباہی و بربادی میں تعاون کیا، اپنا تیس سالہ جہادی موقف بدلا، اپنی تیس سالہ تاریخی قربانیوں کو پسِ پشت ڈالا، اور قوم و ملک کو داؤ پر لگادیا، اس اسلام اور پاکستان دُشمن کے خود پاکستان کے بارے میں کیا عزائم ہیں؟ اس کا اندازہ اس کے اس اخباری بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

''کابل (اے ایف پی) امریکہ نے کہا ہے کہ وہ القاعدہ کے نیٹ ورک کے خلاف پاکستان میں بھی اسی طرح کاروائی کرے گا جیسی افغانستان میں کی گئی تھی، افغانستان کے لئے امریکی صدر کے نمائندۂ خصوصی مسٹر زالمے خانزاد نے منگل کو کابل پہنچنے پر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ طالبان اور القاعدہ کے ارکان ایک بار پھر کسی بڑی کاروائی کے لئے پاکستان میں جمع ہو رہے ہیں، تاہم پاکستان نے اس اَمر کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ہم افغانستان کے ساتھ طویل بارڈر پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق امریکی سفیر نے کہا کہ القاعدہ نیٹ ورک کے خلاف کاروائی صدر بش کی شدید خواہش میں شامل ہے اور امریکہ پاکستان میں بھی اس نیٹ ورک کو توڑنے کے لئے افغانستان جیسی کاروائی کرے گا، امریکی سفیر نے یہ بھی کہا کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشیدگی میں اضافے کے بعد پاکستان نے اپنی سیکورٹی فورسز کو پاک بھارت بارڈر پر بھیجنے کا اشارہ دیا تھا اور یہ بات واشنگٹن کے لئے انتہائی اہم ہے کیونکہ اس طرح پاک افغان بارڈر سے متصل آزاد علاقوں میں القاعدہ کے خلاف آپریشن میں رُکاوٹ پیدا ہوگی۔ انہوں نے کہا القاعدہ نیٹ ورک جون میں

کابل میں ہونے والے لویہ جرگے کے لئے شدید خطرہ ہے، اس لئے اس کے خلاف پاکستان میں کاروائی ضروری ہے۔ دریں اثنا پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان عزیز احمد نے امریکی سفیر کے اس بیان پر تبصرہ کرنے سے انکار کردیا، تاہم انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحادیوں کے ساتھ پاکستان مکمل تعاون کررہا ہے۔‘‘

(روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی ۵؍جون ۲۰۰۲ء)

افسوس! صد افسوس! وہ منحوس گھڑی آن پہنچی اور امریکہ نے اپنے کراچی کے قونصل خانے پر خودساختہ حملے کی آڑ میں صرف کراچی ہی نہیں پورے پاکستان میں پکڑ دھکڑ شروع کردی ہے، چنانچہ امریکی اہل کار، القاعدہ کے نام پر جس کو چاہتے ہیں پکڑ کر لے جاتے ہیں، جب اور جہاں چاہتے ہیں شب خون مارتے ہیں، خاص طور پر ملک بھر کے دِینی مدارس اور دِین دار افراد ان کے نشانے پر ہیں، حتیٰ کہ معصوم بچے اور عمر رسیدہ شریف شہری بھی ان کے ظلم وستم سے محفوظ نہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ اس کھلی دہشت گردی کے خلاف کہیں کوئی شنوائی نہیں، سب سے بڑھ کر تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ہماری انتظامیہ اور پاکستانی ایجنسیوں کے اہل کار، امریکی ایجنسیوں کے تنخواہ دار ملازم کا کردار ادا کر رہے ہیں، اور ان کے مقاصد کی تکمیل میں ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔

اس آپریشن کا سب سے تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اب امریکہ اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح پاکستانی عوام اور فوج، آپس میں دست و گریباں ہوجائیں، اور ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجائے، تاکہ اسے حکومتِ پاکستان سے تعاون کے نام پر پاکستان میں براہِ راست مداخلت اور دراندازی کا موقع ہاتھ آجائے، چنانچہ وزیرستان کے ضلع وانا میں اس نے اسی طرح کی ایک سازش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے دس

پاکستانی فوجیوں کو القاعدہ سے مقابلے کے نام سے ٹھکانے لگوادیا، اسی طرح گزشتہ ہفتے میں کوہاٹ کے قریب پولیس کے ہاتھوں چار نہتے چیچن نوجوانوں کی مظلومانہ شہادت، پھر اس سانحے کے خلاف احتجاج کرنے والے کوہاٹ کے غیور مسلمانوں، علماء اور مذہبی راہ نماؤں کی دھڑا دھڑ گرفتاری بھی کسی گہری سازش کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ملک بھر کے دِینی مدارس کو مشتعل کرنا، علماء، طلباء اور اہلِ ثروت مسلمانوں کو ہراساں کرنا، دِین دار اور باشرع مسلمانوں کی مسلسل گرفتاریاں، امریکی ایجنسی ایف بی آئی کا ہر جگہ چھاپے مارنا، حکومتی اداروں میں امریکی اہل کاروں کی دخل اندازی بھی کسی بدترین خطرے کی گھنٹی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح دِین دار اور باکردار حکومتی اہل کاروں، وزیروں اور ججوں خصوصاً حضرت مولانا محمد تقی عثمانی جیسے بین الاقوامی ماہرِ اقتصادیات اور ایک عرصے سے شریعت کورٹ اور شریعت اپیلٹ بنچ کے رکن اور جج رہنے والے بلند پایہ عالمِ دِین اور اسلامی اسکالر کی عین اس وقت سبکدوشی، جبکہ ملک میں سودی نظام کے خاتمے کی مدّت پوری ہورہی تھی، اور سود جیسے خالص حرام معاملے کی سرپرستی اور کھلے عام اس کی حرمت کا انکار اور سپریم کورٹ کے سود کی حرمت کے فیصلے کو کالعدم قرار دینے کی ناپاک سعی، ایسے اقدامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں ملک کی جغرافیائی سرحدوں کو کمزور کیا جارہا ہے، وہاں اس کی دِینی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کیا جارہا ہے۔

شاید اربابِ حکومت سمجھتے ہوں گے کہ اس طرح ملک سے اسلام اور اسلامی اقدار کا صفایا ہوجائے گا، اور یہاں امریکہ کی خواہش کے مطابق مادر پدر آزاد معاشرہ اور لادِین حکومت قائم ہوجائے گی، لیکن یہ ان کی بھول ہے، یہ ترکی نہیں، یہاں ترکی جیسے انقلاب کے خواب دیکھنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں، یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے، اور اس کی بنیادوں میں ہزاروں معصوموں کا خون ہے، اِن شاء اللہ

یہاں کے لوگ اپنے شہیدوں کے خون سے بے وفائی برداشت نہیں کریں گے، اس لئے یہاں اسلام کو مٹانے والے، مدارس اور اہلِ دِین کو ختم کرنے والے اِن شاءاللہ خود تو ختم ہوجائیں گے، مگر ان کے عزائم کامیاب نہیں ہوں گے۔

اربابِ حکومت کو کھلی آنکھوں بین الاقوامی حالات و واقعات کا جائزہ لینا چاہئے، اس وقت امریکہ صلیبی جنگ لڑ رہا ہے، جنابِ صدر! آپ مسلمانوں کے نمائندے ہیں، عیسائیوں کے نہیں، اس لئے اگر امریکہ صلیبی جنگ لڑکر عیسائیوں کے مفادات کا تحفظ کر رہا ہے تو آپ کو مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرنا چاہئے، اگر آپ مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرسکتے تو آپ کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔

امریکہ نہتے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، آپ اس کو روک نہیں سکتے تو اس کا ساتھ بھی نہ دیجئے! ورنہ کل قیامت کے دن جب اُمتِ مسلمہ کے ہزاروں مظلوم مسلمان بارگاہِ الٰہی میں آپ کے خلاف استغاثہ دائر کریں گے، تو امریکہ آپ کو غضبِ الٰہی سے نہیں بچاسکے گا، اس لئے ہمارے ملک میں رہنے والے غیرملکی مسلمانوں کو امریکہ کے حوالے کرنے کی بجائے آپ ان کا راستہ چھوڑ دیجئے تاکہ وہ اپنے اپنے مقامات پر چلے جائیں۔

اس وقت ایف بی آئی اور دُوسری ایجنسیاں پاکستان میں پناہ گزین طالبان اور عربوں کے خلاف وہی کردار ادا کر رہی ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف یزیدیوں نے ادا کیا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ''میرا راستہ چھوڑ دو تاکہ میں واپس چلا جاؤں، یا میرے اور یزید کے درمیان سے ہٹ جاؤ، تاکہ میں خود اس سے معاملہ کرلوں، یا میں کسی دُوسری جگہ چلا جاتا ہوں''، مگر یزیدیوں نے ان کی ایک نہ سنی اور ان کو لڑنے پر مجبور کرکے شہید کردیا تھا، کیا کوئی مسلمان، یزیدیوں کے موقف کو صحیح باور کرسکتا ہے؟ نہیں، نہیں! بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے،

یزیدی باطل پر تھے۔ یاد رکھئے! جس طرح چودہ سو سال سے یزیدی، مسلمانوں کی نگاہ میں قابلِ نفرت ہیں، ٹھیک اسی طرح اگر ان لوگوں نے یزیدیوں کا کردار ادا کیا اور امریکہ سے مل کر مسلمانوں کو تہ تیغ کیا تو تاریخ ان کو بھی معاف نہیں کرے گی، جب بھی تاریخ میں ان کا نام آئے گا، تو ان سے اسی طرح نفرت کی جائے گی جس طرح یزیدیوں سے نفرت کی جاتی ہے۔

سنا ہے کہ امریکہ کا اصرار ہے کہ اسے قبائلی علاقوں خصوصاً وزیرستان میں آپریشن اور بمباری کی اجازت دی جائے، تاکہ وہ افغانستان کے بعد اب پاکستان کے دِین پسند علاقوں سے بھی مسلمانوں کا صفایا کرسکے۔ ہم اربابِ بست وکشاد سے عرض کریں گے کہ وہ بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کریں، اگر خدانخواستہ انہوں نے یہ غلطی کرلی، تو ملک ایک بدترین خانہ جنگی اور سوِل نافرمانی کی لپیٹ میں آجائے گا، جو ملک وقوم کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی۔

اس لئے حکومت اور فوج کے انصاف پسند اور معاملہ فہم افراد کو چاہئے کہ وہ اپنے اثر ورُسوخ کو استعمال کریں اور اربابِ اقتدار کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں، اسی میں ان کی اور ملک کی خیرخواہی ہے، اور انہیں باور کرائیں کہ جو لوگ "سب اچھا" کی رَٹ لگا لگا کر آپ کو اسلام اور پاکستان دُشمنی کی راہ پر لگا رہے ہیں، وہ آپ کے خیرخواہ نہیں، وہ آپ کو تنہا کر رہے ہیں، اس لئے کہ کوئی اقتدار ظلم و جبر اور بربریت سے زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا، ایسے لوگ بُرے وقت میں آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ پی پی کے ذوالفقار علی بھٹو سے زیادہ طاقت ور اس ملک میں کوئی حکمران نہیں آیا، لیکن جن لوگوں نے اس کو انانیت کی راہ پر لگایا تھا، اس کے بُرے وقت میں ان میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ شریکِ اقتدار لوگ اگر اپنا اثر ورُسوخ استعمال کرکے نہایت خیرخواہی سے صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ جنابِ صدر معاملے

کی تہ تک نہ پہنچ سکیں، چنانچہ ہمارے سامنے ووٹر لسٹ فارم میں ختمِ نبوّت کے حلف نامے کے اندراج کے معاملے کی مثال موجود ہے، کہ اس میں ...ہماری معلومات کے مطابق... جناب نثار میمن اور دُوسرے ذمہ دار حضرات نے جنابِ صدر کو جیسے ہی صورتِ حال کی نزاکت سے آگاہ کیا تو انہوں نے فوراً اس حلف نامے کی بحالی کا نوٹیفکیشن جاری کردیا۔

اس لئے اب بھی وقت ہے کہ اربابِ اقتدار اپنی رَوِش بدل لیں اور قوم و ملک کی مزید تحقیر و تذلیل سے باز آجائیں، اور ایک خودمختار قوم کے خوددار حکمران کی حیثیت سے اپنی تاریخ اور ماضی کو داغ دار نہ کریں، اور نہ ملکی آزادی کو داوٴ پر لگائیں، ممکن ہے پاکستان کو اس خودداری کے طرزِ عمل سے وقتی طور پر کچھ مشکلات کا سامنا ہو، مگر اِن شاء اللہ اربابِ اقتدار کے اس طرزِ عمل سے نہ صرف پوری قوم ان کی پشت پر ہوگی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قوم و ملک امریکہ کی غلامی سے نجات حاصل کرلیں گے، اور ہم بین الاقوامی طور پر ایک باوقار اور خوددار قوم کے رُوپ میں عزّت و وقار اور سربلندی سے سرفراز ہوں گے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ مطابق اگست ۲۰۰۲ء)

سرحد اسمبلی کا کارنامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

کون نہیں جانتا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا؟ شاید اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے چھپن سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، مگر افسوس! کہ آج تک اس کے مقصدِ قیام کی طرف ذرّہ بھر پیش قدمی نہیں ہوسکی۔

پاکستان میں سب کچھ ہوا، مگر افسوس کہ یہاں نفاذِ اسلام نہیں ہونے دیا گیا، یہاں جب کبھی نفاذِ اسلام کی بات کی گئی، اشرافیہ نے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے، فرضی مشکلات کے پہاڑ کھڑے کئے اور مختلف حیلوں بہانوں سے نفاذِ اسلام سے پہلوتہی کی راہ اپنائی گئی، بلکہ صحیح معنی میں اس کی راہ روکی گئی۔ ایک طرف حکمرانوں کا یہ مکروہ اور معاندانہ کردار رہا، تو دُوسری طرف حامیانِ دِین وشریعت اور علمائے حقہ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ حکام کو قیامِ پاکستان کے مقاصد سے منحرف نہ ہونے دیا جائے، چنانچہ انہوں نے اربابِ اقتدار کو ان کے بیرونی آقاؤں کے پروگرام کی تکمیل سے نہ صرف باز رکھا، بلکہ کوشش کی کہ کسی طرح خدا کی زمین پر خدا کا قانون نافذ ہوجائے، اس لئے علماء ہمیشہ اس طبقے کے بغض و عداوت اور انتقام کے نشانے پر رہے، انہیں مطعون و بدنام کیا گیا، ان کو ایذائیں دی گئیں، ان کے خلاف نامعلوم کیا

کیا جلی وخفی منصوبے بنائے گئے؟ مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور کسی اعتبار سے ان کو راہِ فرار نہیں اختیار کرنے دی۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی جب اربابِ اقتدار نے نفاذِ اسلام کے وعدوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے ٹالنے کی کوشش کی، تو علماء نے بھرپور انداز میں ان کی راہ روکی، ان کو ایفائے عہد پر مجبور کیا اور نفاذِ اسلام کی راہ میں کھڑی کی گئی فرضی مشکلات و پروپیگنڈے کا مؤثر و بھرپور جواب دیا۔

چنانچہ ۹-۱۰/فروری ۱۹۴۹ء مطابق ۱۰-۱۱/ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ کو جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی، جس کے خطبۂ صدارت میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے اس طبقے کی تمام کج ادائیوں کو طشت اَزبام کیا اور نفاذِ اسلام کے سلسلے میں ان کے تمام اعتراضات کا جواب دیا، مسلسل دو سال کی محنت اور اربابِ اقتدار کی ٹال مٹول کے بعد حضرتِ مرحوم قراردادِ مقاصد پیش کرنے اور اسے پاس کرانے میں کامیاب ہوگئے، مگر افسوس کہ یہ مرحلہ اس سے آگے نہ بڑھ سکا، اس کے بعد بھی متعدّد بار علماء نے نفاذِ شریعت کی غرض سے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں شریعت بل پیش کئے، لیکن شومیٔ قسمت کہ شریعت اور شریعت بل کو اربابِ اقتدار کی بارگاہ میں شرفِ باریابی حاصل نہ ہوسکا، اور ہوتا بھی کیوں؟ اس لئے کہ اسلام اور اسلامی آئین کے نفاذ سے اربابِ اقتدار کو ٹھیک اسی طرح نفرت و عداوت تھی جس طرح ان کے انگریز آقاؤں کو تھی۔ اسی طرح اشرافیہ بھی اسلام کو اسی طرح اپنی بے دِینی کی راہ میں رُکاوٹ سمجھتی تھی، جس طرح اس کے آقا انگریز اسے اپنا سب سے بڑا حریف اور مخالف سمجھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں برسرِ اقتدار آنے والا طبقہ ہمیشہ یورپ وامریکہ کے مفادات کا محافظ رہا، اس ملک میں جو بھی کرسیٔ اقتدار پر آیا اس نے ملک وقوم کے لئے کچھ کیا ہو یا نہ، البتہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا گلا ضرور دبایا، بلکہ اسلام اور

مسلمانوں کی جڑیں کاٹیں، قرآن وسنت کا مذاق اُڑایا، ...نعوذ باللہ... اسے فرسودہ اور غیر ترقی یافتہ کہا، مسلمانوں کی مقدس شخصیات کے خلاف زبانِ طعن کھول کر اپنے آقاؤں سے پسندیدگی کی سند حاصل کی اور اپنے اقتدار کو دوام واستحکام بخشا۔

پورے چھپن سال سے اس ملک میں مسلسل بے دِینی و بے راہ روی اور دِین بیزاری کی ہواؤں کے تیز جھکڑ چل رہے تھے کہ یکا یک سرحد اسمبلی سے ''نفاذِ شریعت بل'' کی خبر نسیمِ صبح کا جھونکا بن کر اُبھری اور مشامِ جان کو معطر کرگئی۔

قابلِ صد تبریک و مبارک باد ہے متحدہ مجلسِ عمل، ان کے ارکانِ سرحد اسمبلی اور وزیرِ اعلیٰ سرحد جناب اکرم درانی صاحب جن کی محنت وکوشش سے یکم ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ۲؍جون ۲۰۰۳ء کو سرحد اسمبلی میں شریعت بل پیش کیا گیا اور اسے تمام ارکانِ اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔

گزشتہ سال ۱۰؍اکتوبر ۲۰۰۳ء کے انتخابات کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آنے والی سرحد حکومت جو دراصل متحدہ مجلسِ عمل کی نمائندہ کہلاتی ہے، اس کو اگرچہ وفاق، صدر پرویز مشرف اور سیکولر طبقے کی بھرپور مخالفت وتنقید کا سامنا ہے، مگر اس نے اپنے قیام کے تھوڑے ہی عرصے میں جہاں اور بہت سے لائقِ تقلید کارنامے انجام دیئے ہیں، وہاں اس نے حسبہ ایکٹ اور شریعت بل کی ترتیب، اسمبلی میں پیش کرنے اور پاس کرانے میں جس خوبصورت حکمتِ عملی اور ہمت و جرأت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ اس پر بجا طور پر مبارک باد کی مستحق ہے۔ بلاشبہ ارکانِ سرحد اسمبلی نے اپنے اس عمل سے مسلمانانِ پاکستان کے دِل جیت لئے ہیں اور اس سے مسلمانوں کے سر فخر سے بلند ہوگئے ہیں۔

دیکھا جائے تو متحدہ مجلسِ عمل کے ارکانِ سرحد اسمبلی نے قیامِ پاکستان کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے لاکھوں مسلمانوں کے خون سے ایفا کرتے ہوئے ان کے نفاذِ اسلام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کردیا ہے، یقیناً آج پاکستان اور

اسلام کے نام پر قربانی دینے والے شہداء کی رُوحیں خوش ہوں گی اور ان کو اپنی قربانیوں پر تسکین میسر آئی ہوگی۔

متحدہ مجلسِ عمل کے ارکانِ سرحد اسمبلی کے اس سنہری کارنامے پر جہاں ہر مسلمان اور پاکستانی خوش ہے، وہاں ان کے مخالفین کے سینوں میں انتقام کی آگ جل رہی ہے، بلاشبہ انگریز کے کاسہ لیس، ان کے مقاصد کے محافظ ونگران حکمران اور ان کی کابینہ کے گھروں میں ماتم برپا ہے، ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ کس طرح سرحد اسمبلی کو تحلیل کردیں، ان کو سمجھ نہیں آرہا کہ کس طرح ان کو اپنے غیظ وغضب اور انتقام کا مزہ چکھائیں؟ غالباً اربابِ اقتدار کی مجبوری یہ ہے کہ ارکانِ سرحد اسمبلی قوم کے منتخب نمائندے ہیں اور قوم نے ان کو نفاذِ اسلام کے لئے ہی ووٹ دیئے ہیں، ہمارے خیال میں اربابِ اختیار کا بس چلے تو وہ ان کو شریعت بل سمیت اپنے انتقام کی آگ میں جھونک دیں، مگر اے کاش کہ وہ اس وقت بے دست و پا ہیں، ہاں! البتہ ارشادِ الٰہی:

”قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ.“ (آل عمران:۱۱۸)

ترجمہ:... ”نکلی پڑی ہے دُشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔“

کے تحت وہ زبان و بیان سے جس قدر ہوسکتا ہے، دِین و شریعت، مذہب و ملت، اسلام اور آئینِ اسلام کے خلاف اپنی نفرت و عداوت اور بغض وعناد کا اظہار کرتے رہتے ہیں، مثلاً: جناب صدر پرویز مشرف کا یہ ارشاد کہ:

”پسماندہ اسلام ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ہے، اسلام بزورِ قوّت نافذ نہیں ہونا چاہئے، مجھے نہ کہو کہ میں داڑھی رکھوں، خواتین برقع پہنیں، میوزک نہ سنیں، یہ چھوٹے ایشو ہیں۔“

(روزنامہ ”اسلام“ کراچی ۱۱رجون ۲۰۰۳ء)

اسی طرح موصوف نے اپنے دورۂ انگلینڈ میں متعدّد مقامات پر یہ فرمایا:

''پاکستان میں ایک روشن خیال، پیش بین، ماڈریٹ اور ماڈرن اسلام نافذ کیا جائے گا۔''

اگر یہ خبریں صحیح ہیں، تو کیا ہم جنابِ صدر سے پوچھ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ان ''ارشادات'' میں ...نعوذ باللہ... قرآن وسنت اور پورے اسلام کو بیک زبان متعدّد گالیوں سے نہیں نوازا؟ کیا اسلام کو ''پسماندہ'' کہنے سے ...نعوذ باللہ... ذاتِ باری اور نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت زَد میں نہیں آتیں؟ کیا حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، پوری چودہ صدیوں کی مسلم برادری اور اکابر علماء وصلحاء اس کند چھری سے ذبح نہیں ہوجاتے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو داڑھی رکھنے اور میوزک نہ سننے کا حکم نہیں دیا؟ کیا قرآنِ کریم نے خواتین کو پردے کا حکم نہیں دیا؟ جو اِن صریح اَحکام کا انکار کرے کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے...؟

حیف! اور صد حیف ہے! کہ ہمارے ملک کا سربراہ اعدائے اسلام کے منفی پروپیگنڈے سے متأثر ہوکر منہ سے ایسے کلمات نکالتا ہے کہ ہم ان کی کوئی تأویل کرنے سے بھی قاصر ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

کیا ہم جنابِ صدر سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ قرآنی دستور وآئین، جس کو اللہ تعالیٰ نے کامل ومکمل کرکے اس اُمت کی صلاح وفلاح کے لئے نازل کیا، جس کی برکت سے عرب کا معاشرہ رشکِ ملائکہ بن گیا، جس پر عمل کرکے صحابہ کرام کو ''رَضِیَ اللهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ'' کا خطاب دیا گیا، جس کے عدل وانصاف کے نظارے دُنیا نے کئے، اور جس کے ذریعہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک پوری دُنیا پر کامیاب حکومت کی، کیا اس کو فرسودہ اور ناقابلِ عمل کہنا ...نعوذ باللہ... پوری اسلامی تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف نہیں؟ کیا کسی مسلمان کا دِین وایمان اور ملّی غیرت اس کو گوارا کرسکتی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو خدارا! اپنے اس بیان سے رُجوع فرمائیے اور

آئندہ کے لئے ایسے غیرمحتاط بیانات سے پرہیز کیجئے!

کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو گالیاں دی جائیں؟ اسلام کو ''فرسودہ نظام'' کہا جائے؟ ''ماڈرن اسلام'' کے نام پر جہالتِ جدیدہ اور اِلحاد و زَندقہ کی راہ ہموار کی جائے؟ اپنے آقاؤں کی گود میں بیٹھ کر اسلام کو گالیاں دی جائیں؟ کیا پاکستانی وسائل اور قومی خزانے پر پلنے والوں کا اب یہی کام رہ گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی دِل آزاری کریں اور اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اسلام کو ...نعوذ باللہ...فرسودہ، پسماندہ اور ترقی کی راہ میں رُکاوٹ کہا کریں...؟

کیا ہم پرویز مشرف صاحب اور ان کے حواریوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ چشمِ بددُور! آخر وہ ''ماڈرن، ماڈریٹ، پیش بین اور ترقی یافتہ اسلام'' کہاں سے درآمد فرمانا چاہتے ہیں؟ خدانخواستہ کہیں وہ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح دعویٔ نبوّت تو نہیں کرنا چاہتے؟ کیونکہ چودہ صدیوں میں صرف اس ملعون اور اس کے ماننے والوں نے ہی اسلام کو ''مردہ اسلام'' قرار دیا تھا۔ (دیکھئے: ملفوظاتِ مرزا ج:۱۰ ص:۱۲۷)

آخر وہ ایسا کون سا ''اسلام'' ہوگا جو پرویز مشرف صاحب اور ان کے آقاؤں کے معیار پر پورا اُترے گا؟ ہمارے خیال میں جو اسلام اللہ اور اس کے رسولؐ نے قرآن وسنت کی شکل میں ہمیں عطا فرمایا ہے، یقیناً پرویز مشرف صاحب کا ''ترقی یافتہ اسلام'' اس سے مختلف ہوگا، کیونکہ ...نعوذ باللہ... وہ تو غیرترقی یافتہ اور فرسودہ ہے! غالبًا پرویز صاحب کے ''جدید، ماڈرن، پیش بین اور ترقی یافتہ اسلام'' میں ان تمام اُمور کی کھلی چھٹی ہوگی جن پر محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام قدغن لگاتا ہے، غالبًا اس میں شراب، جوا، زنا، عریانی، فحاشی، بے حیائی، بے پردگی، قتل و غارت گری، چوری، ڈکیتی، لوگوں کی جان و مال، عزّت و ناموس وغیرہ پر ڈاکا ڈالنا جائز ہوگا...! اسی طرح کسی کے مکان، دُکان، جائیداد پر قبضہ کرنا اور کسی ایرے غیرے کا کرسیٔ صدارت پر قبضہ جمانا، آرمی چیف کی وردی پہننا اور ان مقدس مناصب کی توہین کرنا کوئی قانونی

جرم نہیں ہوگا...!

افسوس ہے کہ ایک اسلامی ملک کا سربراہ اور مسلمان افواج کا اعلیٰ عہدہ دار اپنے منہ سے ایسے غیرمحتاط الفاظ نکالتا ہے کہ پوری قوم کے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں، اور دُنیائے کفر کو اسلامی آئین پر انگشت نمائی کا موقع میسر آجاتا ہے۔

جنابِ صدر! آپ کی نظر میں یہ الفاظ شاید معمولی ہوں گے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اعدائے اسلام کے لئے آپ کے ان الفاظ میں بہت بڑا وزن ہے، وہ آپ کے ان الفاظ کو ایک مسلمان ملک کے مسلمان سربراہ کا واقعاتی تجزیہ سمجھتے ہوئے مسلمانوں کی اسلام سے نفرت و برگشتگی اور اس کے ناقابلِ عمل ہونے پر، ہر جگہ بطورِ شہادت پیش کریں گے، کیا آپ یہ گوارا فرمائیں گے کہ آپ کے ان الفاظ کا وزن معاندینِ اسلام اور اعدائے دِین کے پلڑے میں ڈالا جائے...؟

آخر میں ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ پاکستان میں صرف وہی اسلام نافذ ہوگا جو چودہ سو سال پیشتر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور پورے ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے اس کی برکت سے پوری دُنیا پر کامیاب حکومت کی تھی، اور بس...!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ مطابق اگست ۲۰۰۳ء)

اسرائیل سے تعلقات کی شروعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

روزنامہ ''جنگ'' کے مشہور کالم ''زیرو پوائنٹ'' کی ۱۳؍جولائی کی اشاعت میں جناب جاوید چوہدری صاحب نے پرویز مشرف اور ان کی کابینہ کی جانب سے اسرائیلی ریاست کو تسلیم اور اس سے تعلقات استوار کرنے کے عندیے کے تحت اپنے لکھے گئے ایک کالم ''تالاب میں کودنے سے پہلے'' کے ردِّعمل میں ایک صاحب کی طرف سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ایک تقریر اور آیتِ کریمہ: ''یٰٓـأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی أَوْلِیَآءَ'' (المائدہ:۵۱) کے تحت یہودیوں سے تعلقات کے جواز کے لئے لفظِ ''اولیاء'' کی تفسیر و مفہوم کی تعیین کے سلسلے میں نہایت کرب و سوز سے علمائے اُمت کو اس موضوع پر لکھنے کی دعوت دی ہے۔ جی میں آیا کہ اس پر چند معروضات پیش کردی جائیں، ابھی اس پر سوچ ہی رہا تھا کہ برادرم مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی کی درج ذیل تحریر سامنے آگئی، چنانچہ کسی قدر حک و اضافے کے بعد اسے

یہاں درج کیا جاتا ہے:

''بحضور گرامیٔ قدر محترم جناب جاوید چوہدری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معروض آنکہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی سے نوازے، آپ جیسے پاکستانیوں کی بہتات فرمائے اور کرسیٔ اقتدار کے سائے سے دُور رکھے، آمین!

اتوار ۱۳؍جولائی ۲۰۰۳ء کو آپ کا کالم ''علمائے دِین کے حضور میں'' نظر سے گزرا، آپ نے مسئلے کی حساسیت و نزاکت کو واضح فرماتے ہوئے سورۂ مائدہ کی یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی و موالات سے متعلق آیتِ کریمہ پر اظہارِ خیال کے لئے علمائے کرام کو دعوت دی، اور بجا طور پر اپنا شکوہ بھی ظاہر فرمایا، آپ کی مخلصانہ دعوت اور نیک جذبات پر لبیک کہتے ہوئے اکابر علمائے کرام کی آرا و خیالات کا انتظار کئے بغیر چند طالب علمانہ باتیں حاضرِ خدمت کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

سورۂ مائدہ کی آیت:۵۱ جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات و دوستی سے منع فرمایا ہے، اگر بزرگوار ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی رائے گرامی سامنے نہ ہوتی تو اس مقام پر موالات و دوستی (اولیاء) کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دُشواری نہ تھی، معمولی لکھا پڑھا شخص بھی کسی مترجم قرآنِ کریم کی مدد سے سمجھ سکتا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب چونکہ عظیم مفکر اور عالی المرتبت محقق تھے، ان کی تحقیق تک رسائی کا راستہ بھی تحقیقی ہو تو زیادہ بہتر ہے، مگر تحقیق تو اہلِ علم ہی کو زیب دیتی ہے، تاہم میں اختصار کے ساتھ صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا

کہ محولہ بالا آیتِ کریمہ میں لفظِ ''اولیاء'' کا مفرد ''ولی'' ہے، جس کا مصدر ''وِلَایَۃٌ'' واوٗ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، یہ لفظ (ولی) قرآنِ کریم میں کم وبیش پچانوے مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

علمائے لغت میں سے ابنِ درید، مرتضٰی زبیدی، احمد بن فارس، ابنِ منظور، اسماعیل حماد الجوہری اور مجدالدین الفیروز آبادی نے بالترتیب **جمهرة اللغة، تاج العروس، معجم مقاييس اللغة، لسان العرب، الصحاح** اور **القاموس المحيط** نیز **منتهى الادب** وغیرہ کتبِ لغت میں ''ولایت'' کے متعدّد معانی شمار کروائے ہیں، جن میں سے: محبت (دوستی)، نصرت اور سرپرستی، مشہور اور تقریباً سب کتابوں میں مذکور ہیں۔

''ولایۃ'' کے مادّے سے لفظِ ''ولی'' قرآنِ کریم میں جہاں کہیں جس معنی میں استعمال ہوا، مفسرینِ عظام نے موقع و محل (سیاق و سباق) کی مناسبت سے اس کا معنی متعین فرمایا، اس مقام پر لفظِ ''ولی'' کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ اپنی دسترس کے مطابق اوّلاً ایک درجن سے زائد قرآنِ کریم کے قدیم و جدید تراجم دیکھے، جن میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، سیّد امیر علی اور مولانا پیر کرم شاہ صاحب بھی شامل ہیں، ان تمام حضرات نے سورۂ مائدہ کی آیت:۵۱ میں ''اولیاء'' کا ترجمہ ''دوست'' یا ''رفیق'' سے فرمایا ہے۔

مفسرینِ عظام کی ایک جماعت جن میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، امام رازیؒ، علامہ

محمود آلوسیؒ، حافظ ابنِ کثیرؒ، امام راغب اصفہانیؒ، امام ابوبکر جصاصؒ، علامہ زمخشری، علامہ قرطبیؒ اور مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ، سرِفہرست ہیں۔ ان حضرات نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر اور پسِ منظر میں جو واقعات و ارشادات نقل فرمائے ہیں، وہ سب کے سب یہود و نصاریٰ کی رفاقت (دوستی) کے بیان پر مشتمل ہیں، اس ضمن میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ یہاں پر ''ولایت'' اپنے عمومی مفہوم ''دوستی و رفاقت'' کے معنی میں ہے، یعنی یہود و نصاریٰ تمہاری طرف سے دوستی کے کسی بھی ایسے اعزاز و اکرام کے مستحق نہیں، جو ان کی دِین دُشمنی اور سازشوں کے لئے اعتماد کا کام دے، اور وہ اس دوستی کی آڑ میں مسلمانوں کا قرب پاکر مسلمانوں کے خلاف سازشی اُمور بآسانی انجام دے سکیں۔ دُوسرے مقام پر قرآنِ کریم نے واضح اعلان کردیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی تمہارے ساتھ سچی دوستی سے ان کی خوشنودی کی شرط یہ ہے کہ تم ان کے دِین کے تابع بن جاؤ، اس کے علاوہ ان کی دوستی دھوکا ہی دھوکا ہے، قرآنِ کریم بار بار اس پُرفتن اور پُرفریب دوستی سے دُور رہنے کی تلقین کر رہا ہے۔

اس آیت میں بھی لفظِ ''اولیاء'' سے ''دوستی'' ہی مراد ہے، یقین کے ساتھ یہ تعیین اس لئے کر رہا ہوں کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تک جتنے اساطینِ علم کی تفاسیر دیکھ سکا، سب نے سورۂ مائدہ کی آیت:۵۱ میں ''ولایتِ ممنوعہ'' سے: ''دوستی، رفاقت اور نصرت و معاونت'' ہی مراد لی ہے۔ اس مقام پر ''ولی'' کا جو مفہوم (حکمرانی) حضرت

ڈاکٹر صاحب نے ذکر فرمایا ہے، مجھے نہیں مل سکا، اس لئے ''ولی'' کا ترجمہ ''دوست'' سے کرنا ہی دُرست ٹھہرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی جلالتِ قدر کے باوجود ان کے مقابلے میں امام رازیؒ، علامہ آلوسیؒ، علامہ قرطبیؒ اور علامہ زمخشری کی تفسیر و تعبیر کو ترجیح دینا کوئی مشکل یا بھدی بات نہیں، بلکہ زیادہ موزوں اور قرینِ قیاس ہے، کیونکہ دُنیائے علم کے یہ آفتاب و ماہتاب، حضرت ڈاکٹر صاحب سمیت جملہ اکابرین، مفکرین اور دانشوروں کے لئے مأخذ و مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا اگر پاکستان کی خارجہ پالیسی اور عالمِ اسلام کے یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلقات کا طے ہونا لفظِ ''ولی'' کی تشریح پر موقوف ہو تو اسے ضرور طے ہونا چاہئے، لیکن میری ناقص دانست اور کم فہمی کے مطابق ''پاک اسرائیل دوستی'' کا معاملہ عالمِ اسلام اور دُوسری غیرمسلم دُنیا کے تعلقات سے مختلف ہے، اگر عالمِ اسلام پُرامن غیرمسلم برادری سے انسان دوستی کی بنا پر مواسات و مدارات، اور ملکی مفادات کے لئے ظاہری خوش خلقی کا برتاؤ رکھے تو اسلام نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ مسلمانوں کے دِینی و دُنیوی مفادات کی غرض سے اس کی ترغیب بھی دیتا ہے، لیکن پاکستان اور اسرائیل اپنے تأسیسی نظریات کی بنا پر روزِ اوّل سے ہی بالکل مختلف ہیں۔

کیونکہ اسرائیل کا قیام خالص یہودی ریاست کے طور پر عمل میں آیا، جو مذہب و سیاست کو الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹتا، اس کا نظامِ ریاست یہودی روایات کا علم بردار اور پاس دار ہے، یہودی روایات کی اساس و بنیاد ہی یہ ہے کہ غیر یہودی کی

بُرائی چاہو، اور دُنیا کے ہر یہودی بچے، جوان اور بوڑھے کو یک جان متعدّد قالب مانو۔ اسی لئے اسرائیل، دُنیا کے ہر ہر یہودی کے مفادات کے تحفظ و بقا کو لازمی جانتا ہے، اسرائیل چونکہ ''یہودیت'' کے نام پر معرضِ وجود میں آیا ہے، اس لئے اسرائیلی زمین پر دُنیا کے ہر یہودی (خواہ وہ دُنیا کے کسی بھی حصے میں ہو) کا مذہبی حق ہے۔ قیامِ اسرائیل کے باقاعدہ اعلان کے بعد دُنیا بھر کے یہودیوں کو وہاں لاکر آباد کرنے کے انتظامات بھی کئے گئے، اب بھی اگر کوئی یہودی اسرائیل میں آباد ہونا چاہے، یا کسی زورآور کا ستایا ہوا یہودی وہاں پناہ لینا چاہے، یا اپنی ملّی و معاشی ضروریات کے لئے اسرائیل کا رُخ کرے، تو نظریۂ اسرائیل کی رُو سے اسے کوئی منع کرتا ہے اور نہ کرسکتا ہے، نہ ہی اس ''مظلوم'' یہودی کو دُشمن کے حوالے کرنے کی کوئی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ دُنیا کا ہر یہودی خواہ وہ دُنیا کے کسی بھی گوشے میں ہو، وہ ''اسرائیلی'' ہے، اس کے تمام تر مفادات کا تحفظ کرنا مسٹر شیرون کا قومی وملّی فریضہ ہے، ورنہ مسٹر شیرون، یہودی اور اسرائیلی کہلانے کی بجائے نظریۂ اسرائیل سے بغاوت کا مجرم، دِینِ یہود سے برگشتہ اور صومعہ (کنیسہ) کے رشتے سے محروم ہوجائے گا۔

دُوسری جانب مملکتِ خداداد پاکستان، جس کے قیام کی بنیاد ہی کلمۂ طیبہ ''لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' ہے، اس کا بندھن اسرائیل کے خودساختہ رشتوں سے بدرجہا مضبوط و محکم ہے، کیونکہ دُنیا کا ہر مسلمان ''لَآ اِلٰــهَ'' کی ''مالا'' میں پرویا ہوا ہے، خواہ جغرافیائی اعتبار سے وہ اسلام آباد سے کتنے ہی

فاصلوں پر کیوں نہ ہو؟ مگر وہ نظریاتی اعتبار سے ”المؤمنون کجسد واحد“ کے پیشِ نظر شرعی اعتبار سے پاکستانی شمار ہوگا، اس لئے کہ اس مسلمان کے تمام تر دِینی و دُنیوی مفادات کی نگہداشت اور پاس داری اسلام آباد کی مسئولیت میں داخل ہے، گویا پاکستان اور اسرائیل ایک دُوسرے کی ضد ہیں، اپنے اپنے نظریات پر قائم رہتے ہوئے دونوں کی دوستی، اسلام اور یہودیت کا سمجھوتہ ہوگا، جو کسی یہودی اور کسی مسلمان کے لئے کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہوگا، کیونکہ نظریاتی پاکستان اور نظریاتی اسرائیل مشرق و مغرب کی طرح کبھی یکجا نہیں ہوسکتے، اِلَّا یہ کہ اسرائیل اپنے قول و عمل سے یہ ثابت کردے کہ وہ خالص مذہبی انتہاپسند ریاست نہیں، بلکہ دُوسرے متعدّد غیرمسلم ممالک کی طرح ”سیکولر“ ریاست ہے، مثلاً:

الف:... وہ یہودی شعائر اور مقدسات کی تعظیم و تقدیس کو ضروری نہ سمجھے، یعنی اگر ماڈریٹ شیرون مذہبی انتہاپسندی پر اپنی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار کے لئے یہودی شعائر اور تعلیمات پر زبانِ تنقید کھولے تو ریاستی سطح پر اس کے خلاف کوئی قانونی و انتظامی رَدِّعمل سامنے نہ آئے۔

ب:... اگر شیرون مذہبی تعلیمات کو عصری تقاضوں کے لئے ناموزوں قرار دیتے ہوئے قبالہ، تالمود اور توراۃ جیسے مذہبی مراجع کو فرسودہ قرار دے کر اسے سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی میں رُکاوٹ قرار دے، تو سرکاری سطح پر اسے کسی سخت و سست رَدِّعمل کی توقع اور خدشہ نہ ہو، تب ہم سوچیں گے کہ واقعتاً شیرون اور اس کی کابینہ، انتہاپسندانہ مذہبی خیالات و رُجحانات

سے آزاد ہوچکے ہیں، اور شیرون کا موجودہ اسرائیل، بانیانِ اسرائیل کے اس متعصب و متعفن اسرائیل سے بالکل مختلف ایک سیکولر ملک ہے، اگر ایسا ہوتو شاید دیگر سیکولر ممالک کی طرح اسرائیل سے سفارتی تعلقات میں عربوں کے علاوہ دُوسری کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔

پھر فرمانِ الٰہی: ''لا تتخذوا الیھود والنصٰرٰی أولیآء'' اور ارشادِ نبوی: ''أخرجوا الیھود'' جیسے اَحکام صرف کٹر مذہبی اور انتہاپسند سازشی یہودیوں کے لئے رہ جائیں گے۔

جہاں تک حضرت ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کے ارشادِ عالی کا تعلق ہے، ہمارے خیال میں اس کی یہ تأویل ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے موجودہ پاکستان، قائدِاعظم، حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ اقبال کے تصوّرِ پاکستان کے درمیان تضاد و منافات کو دیکھ کر اپنے رنج و افسوس اور مایوسی کے اظہار و استعجاب کے لئے یہ الزامی جواب دیا ہو، جیسا کہ ایک گمنام دیہاتی شاعر، بانیانِ پاکستان کی اَرواح کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے:

کتاب اللہ دریں جا چاک چاک است
بتدفینِ احادیث انہماک است
جرائم از نجومِ آسماں بیش
ایں پاک چہ پاک است...؟

محترم جاوید چوہدری صاحب! نہایت معذرت کے ساتھ ایک طالب علمانہ درخواست پر اپنی گزارشات کوختم کرتا ہوں، وہ یہ کہ میں آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں کہ سورۂ مائدہ کی

آیت:۵۱ اور اس مضمون کی دُوسری آیاتِ مبارکہ میں دوستی کی ممانعت میں یہودیوں کے ساتھ نصاریٰ (عیسائی) بھی تو شامل ہیں، مگر عیسائیوں کی دوستی کبھی اس شد و مد کے ساتھ زیرِ بحث نہیں آئی، آخر کیوں؟ بلکہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بل کلنٹن کے دربار میں جھک کر حاضری دینا، ''کامیاب خارجہ پالیسی'' کی علامت، اور ''وائٹ ہاؤس'' کی چوکھٹ پر سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ نیازِ جبیں جھکانا ''تحفظ''، ''کامیابی'' اور ''کامرانی'' کی ضمانت قرار دیا جاتا ہے، کیا یہود و نصاریٰ کے درمیان واقعتاً سچ اور جھوٹ اور سیاہ وسفید کا سا فرق ہے؟ پھر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ بلاشبہ اسرائیل دہشت گرد ریاست ہے، اس نے فلسطینیوں کا بے دریغ خون بہایا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لمحہ فکریہ ہے کہ وہ آخر کس کا پروردہ ہے؟ اگر اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں کے قتلِ عام کا مجرم ہے تو جس نے جاپان، افغانستان اور عراق اُجاڑے، اور ویران و برباد کئے، وہ کیوں مجرم نہیں...؟''

اسرائیل، اسلام اور مسلمانوں کا دُشمن ہے، کٹر اور انتہاپسند یہودی ہے، جس کی وجہ سے عالمِ اسلام اور مسلمان اس سے نفرت کرتے ہیں، اگر ان وجوہ کی بنا پر اسرائیل سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ وہ کٹر مذہبی عیسائی ملک اور ان کے صلیبی راہ نما کیوں قابلِ نفرت نہیں؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب عیسائیوں سے ہمارے تعلقات ہیں تو اسرائیل سے بھی ہونے چاہئیں، بلکہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی محولہ بالا آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں سے قلبی تعلقات اور گہری دوستی سے منع کیا گیا ہے، جس طرح یہودی ہمارے دُشمن ہیں اور ان کی دوستی سمِ قاتل ہے، ٹھیک اسی طرح عیسائی بھی مسلمانوں کے دُشمن ہیں اور ان کی دوستی بھی

زہرِ ہلاہل ہے، جس کے چند مناظر افغانستان اور عراق کی جنگ کی شکل میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو دونوں سے بغض و عداوت اور نفرت کا اظہار کرنا چاہئے، نہ کہ ان کی طرف قلبی دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے، اور ان سے تعلقات کی استواری میں قرآنی آیات کو کیوں پسِ پشت ڈالا جاتا ہے؟ قرآنِ کریم جس طرح اسلام دُشمن یہودیوں سے گہری دوستی اور قلبی تعلقات کو منع کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح عیسائیوں کے ساتھ دِلی اور قلبی تعلقات سے بھی منع کرتا ہے۔

چوہدری صاحب! یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں اپنی ذمہ داری نبھانی چاہئے، اور ایسے ملکی وملّی معاملات میں قوم کی راہ نمائی کرنا چاہئے، لیکن یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ اربابِ اقتدار نے جب اسرائیل کو تسلیم کرنا ہوگا، وہ ہم آپ سے نہیں پوچھیں گے، اور نہ ہی وہ کسی قرآنی آیت یا ارشادِ نبوی کی وجہ سے اسرائیل کے تسلیم کرنے سے ہچکچا رہے ہیں، بلکہ کتنے ایسے اُصول وقوانین ہیں جن پر قرآن وسنت کی واضح نصوص موجود ہیں، مگر ان کو آج تک اربابِ اقتدار کی ''بارگاہ'' میں شرفِ باریابی حاصل نہیں ہوسکا۔

ہمارے حکمرانوں کو جب اسرائیل کو تسلیم کرنا ہوگا تو انہیں قرآنی نصوص میں تحریفِ معنوی کے لئے کوئی ابوالفضل اور فیضی بھی دستیاب ہوجائیں گے، نہیں تو کسی ''مُسلَّمہ محقق'' کی تحقیق کو غلط رنگ میں پیش کرکے اپنا اُلّو سیدھا کرلیا جائے گا۔ بہرحال آپ بے فکر رہیں، اسرائیل کا ماننا یا نہ ماننا کسی آیت کی تفسیر وتشریح پر موقوف نہیں، بلکہ اربابِ اقتدار کی پسند و ناپسند پر موقوف ہے، جس روز ان کو ''اُوپر'' سے اشارہ ہوجائے گا، اس دن بغیر کسی پس و پیش کے اسرائیل سے تعلقات استوار ہوجائیں گے، اور آپ جیسے ملک وملت کے بہی خواہ، مسلمانانِ عالم اور علمائے اُمت چیختے رہ جائیں گے، مگر کسی کی نہیں سنی جائے گی۔ ہمارے خیال میں ایک عرصے سے اس قسم کے بیانات، نئی نئی موشگافیاں اور بحثیں اسرائیل سے تعلقات کی شروعات ہیں اور قوم کو اس ''مبارک'' فعل کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جارہا ہے،

ولا فعل اللہ ذٰلک!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ مطابق ستمبر ۲۰۰۳ء)

ملکی صورتِ حال اور ہماری ذمہ داری

طے شدہ مسائل کو نہ چھیڑیئے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اس وقت پورا عالمِ اسلام مہیب خطرات میں گھرا ہوا ہے، ہر جگہ ظلم و تشدّد اور قتل و غارت گری کا راج ہے، ہر جگہ مسلمانوں کے خونِ ناحق سے زمین سرخ و لالہ زار ہے، افغانستان ہو کہ عراق، کشمیر ہو یا فلسطین، چیچنیا ہو یا بوسنیا، ہر جگہ کفر کی ننگی تلوار مسلمان کشی کے لئے لہرا رہی ہے اور مسلمانوں کو دہشت گردی کے نام سے صفحۂ ہستی سے مٹایا جا رہا ہے۔

کبھی فلسطین کے مسلمانوں کی لاشیں بے گور و کفن تھیں، تو کبھی بوسنیا او چیچنیا کے نہتے مسلمان دہشت و بربریت کے نشانے پر تھے، کل افغانستان پر امریکہ بارُود کی بارش کر رہا تھا تو آج عراق و احمد آباد کے مسلمانوں کو جرمِ ضعیفی کی سزا دی جارہی ہے، غرض دُنیا کے جس خطے میں اسلام کے نام لیوا ہیں، وہ خوف و ہراس کی زندگی گزار رہے ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ اگلے لمحہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے؟

ادھر مسلمان اپنی افرادی قوّت اور وسائل کے باوجود نہ صرف منتشر ہیں، بلکہ نہایت بے حسی کا شکار ہیں، مسلمان ممالک اور ان کے اربابِ اختیار مسلمانوں کی حمایت تو کجا، ان کے حق میں آواز اُٹھانے اور صدائے احتجاج بلند کرنے کے روادار نہیں، بلکہ جلی و خفی انداز میں مسلمانوں کی حکومت وقوّت کا وزن بھی دُشمنانِ اسلام

کے پلڑے میں ہے، جس کی وجہ سے اسلام دُشمنوں کو مزید کھل کھیلنے کا موقع مل رہا ہے، وہ عالمِ اسلام کے جس خطے اور حصے میں جب چاہیں دراندازی کریں، ان کی راہ روکنے کی کسی میں ہمت و جرأت نہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

حد تو یہ ہے کہ اب ہم اپنے ملک میں رہتے ہوئے بھی امریکی بربریت سے محفوظ نہیں، چنانچہ گزشتہ دنوں صوبہ سرحد کے بارڈر پر امریکی فوجیوں نے بے جواز فائرنگ کرکے پاک فوج کے دو جوانوں کو شہید، ایک کو زخمی اور تین کو اغوا کرلیا، اور ہم سوائے احتجاج کے مزید کچھ نہیں کرسکے۔ اسی طرح دو دن قبل پشاور شہر میں ایک پُرامن عرب باشندے کو اس کی رہائش گاہ میں گھس کر تفتیش کے نام پر گولیوں سے بھون دیا گیا، حالانکہ اخباری اطلاعات کے مطابق وہ شخص اپنے ملک کے پاسپورٹ اور پاکستانی ویزا کے ساتھ پاکستان میں قانونی رہائش پذیر تھا، اسلامی اُصول وقوانین کے اعتبار سے وہ پاکستان کا مہمان تھا، جس کی جان و مال کی ذمہ داری حکومت کے فرائض میں شامل تھی، مگر اے کاش! کہ اس افسوسناک سانحے پر تو امریکی اہل کاروں سے احتجاج بھی نہیں کیا جاسکا۔

دُوسری طرف پاکستان اندرونی اور بیرونی اعتبار سے عدم استحکام کا شکار ہے، جمہوریت کے نام پر اس میں آمریت کا راج ہے، برسرِاقتدار چھوٹے اور بڑے اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف ہیں، انہیں اس کی پروا نہیں کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے اس ملک میں ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں؟ جس قوم نے ہمیں اپنے ووٹوں سے ایوانِ زیریں و بالا میں بھیجا ہے، کیا ہم ان کی نمائندگی اور نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں؟ کیا ان کی جان و مال اور عزّت و آبرو محفوظ ہے؟ ان کو ان کے جائز حقوق مل گئے ہیں؟ کیا ہم اپنی قوم و ملک کے تحفظ و دِفاع کا فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ آیئے آج کی نشست میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۰؍اکتوبر ۲۰۰۳ء کو انتخابات کو ایک سال پورا ہوجائے گا، گویا ایک سال

ہونے کو آیا ہے کہ ملک، قوم کے منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں ہے، مگر افسوس کہ جمہوریت کی گاڑی ابھی تک پٹری پر نہیں چڑھ سکی۔

متحدہ اپوزیشن کے مطابق ملک کے منتخب وزیرِاعظم اور ان کی تقدس مآب کابینہ تاحال باوردی صدر کی صدارت کا جواز اور ان کی ترجیحات کا قانونی جواز تک پیش نہیں کرسکے، بلکہ دیکھا جائے تو ان کی ساری تگ و دو اپنے مفادات کے گرد گھوم رہی ہے، ہر طرف تعلّی آمیز دعوؤں، دھمکیوں اور ''سب اچھا ہے!'' کی رَٹ ہے۔

ملک معاشی اور اقتصادی بدحالی میں کہاں تک پہنچ گیا ہے؟ امن و امان کی صورتِ حال کیا ہے؟ قانون سازی میں کہاں تک پیش رفت ہوئی ہے؟ قوم و ملک کے منتخب نمائندوں کو اپنے حلقوں میں کام کرنے اور عوام کے مسائل حل کرنے کے کس قدر مواقع دیئے گئے ہیں؟ اس کی کسی کو پروا نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں موجودہ حکومت کو قوم و ملک کے مفاد کی بجائے اپنی ذاتی اغراض و مقاصد کا زیادہ خیال ہے، چنانچہ ہر جگہ انہوں نے اپنے مہرے فٹ کرنے کی کوشش کی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ قوم و ملک کے لئے مفید بھی ہیں یا نہیں؟

یہی وجہ ہے کہ ملکی امن و امان کی صورتِ حال روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، شریف شہریوں کا جینا دوبھر کردیا گیا ہے، گزشتہ ہفتے عشرے کے اخبارات کی خبروں کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہوگا کہ اس ملک میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں، دہشت گرد کھلے عام قتل و غارت گری کرتے ہیں، معصوم شہریوں کی جان و مال سے کھیلتے ہیں اور آناً فاناً غائب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ نواب شاہ کے قریب ریلوے پٹری پر بم دھماکہ، کراچی جہانگیر روڈ پر تبلیغی جماعت سے منسلک پانچ معصوم شہریوں اور سگے بھائیوں کی شہادت، ملیر میں ڈاکٹر ابن الحسن کا قتل، فردوس کالونی میں اُسامہ میڈیکل کے مالک محمد عبداللہ، ناظم آباد میں سینٹری کے مالک محمد شعیب اور ڈاکٹر شعیب نقوی ایسے نیک دِل ماہر ڈاکٹر کی شہادت کے علاوہ ملک بھر میں بیسیوں مسلمانوں کا قتلِ عام،

اس بات کی شہادت نہیں کہ اربابِ اقتدار کو ملکی امن و امان سے کوئی دِلچسپی نہیں؟ اس کے علاوہ اخبارات میں نام وَر علماء اور سیاسی زعماء کے قتل کے منصوبے کی فہرست کا اجرا، کیا اس کا ثبوت نہیں کہ ہماری نیک دِل حکومت اس ''مقدس مشن'' میں شریک ہے؟

اگر اربابِ اقتدار کو ملک وقوم کا مفاد عزیز ہوتا تو متحدہ اپوزیشن سے رسہ کشی کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اپوزیشن کو دبانے کے لئے ان کے خلاف فرضی مقدمات اور خفیہ فائلیں کھولنے کی دھمکی دی جارہی ہے، اسی طرح یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے ملک بھر کے دِینی مدارس کے بورڈوں: وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تنظیم المدارس، وفاق المدارس السّلفیہ، رابطۃ المدارس الاسلامیہ اور وفاق المدارس شیعہ کی جانب سے جاری کردہ شہادۃ العالمیہ کو ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کے مساوی قرار دیئے جانے کے باوجود، ان اسناد کے حامل قومی وصوبائی اسمبلی کے ارکان علماء کی اسناد کو چیلنج کرکے انہیں دبانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

جس سند کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ایم اے کے مساوی قرار دیا، اس پر سینکڑوں علماء نے ایم فِل اور پی ایچ ڈی کیا، سینکڑوں علماء ان اسناد کی بنا پر اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز ہوئے، الیکشن کمیشن نے ان اسناد کے حامل افراد کو انتخابات میں حصہ لینے کا اہل قرار دیا، اور پاکستان کے ہائی کورٹ کے ججوں نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے نوٹیفکیشن کی بنیاد پر متفقہ طور پر رائے دی کہ ان اسناد کے حامل افراد الیکشن میں حصہ لینے کے اہل ہیں، لیکن بایں ہمہ محض اس وجہ سے ان اسناد کے حامل ارکانِ اسمبلی کی اسناد کو چیلنج کرنا، ان کو نااہل اور ناخواندہ قرار دینا کہ وہ حکومت کی ہر اچھی بُری پالیسیوں پر ''ہاں'' کیوں نہیں کرتے؟ کہاں کا انصاف، کون سی دیانت و شرافت اور کہاں کی عقل مندی ہے...؟

ہم اربابِ اقتدار سے نہایت باادب عرض کرنا چاہیں گے کہ طے شدہ مسائل کو چھیڑنا اور مخالفت کے نئے نئے محاذ کھولنا ملک وقوم اور خود ان کے حق میں اچھا شگون نہیں۔

ہم ان سے یہی گزارش کریں گے کہ خدارا قوم و ملک کی خدمت کو شعار بنائیے اور پاکستان کے اساسی مقاصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھائیے، نہ صرف پوری قوم بلکہ تمام ارکانِ اسمبلی بھی آپ کی پشت پر ہوں گے، اور اگر آپ نے قومی و ملکی مفادات سے ہٹ کر، یورپ و امریکہ اور اسلام دُشمنوں کے ایجنڈے کی تکمیل کو پیشِ نظر رکھا تو نہ صرف یہ کہ پوری قوم آپ کا راستہ روکے گی، بلکہ موجودہ منتخب ارکانِ اسمبلی بھی آپ کے اقتدار کو نہیں بچاسکیں گے۔

اخباری اطلاعات، صدر، وزیراعظم، سرکاری کابینہ کے ارکان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا پاکستان پر دباؤ ہے کہ عراق میں ''قیامِ امن'' کے لئے پاکستانی فوج بھیجی جائے، جبکہ اربابِ حل وعقد کے بیانات کے لب و لہجے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس ''کارِ خیر'' میں شریک ہونے کے لئے آمادہ ہیں، جبکہ متحدہ مجلسِ عمل، اپوزیشن اور پوری قوم کے ساتھ ساتھ پاکستانی افواج کے دِین دار افسران اور فوجی جوان امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے عراق میں فوج بھیجنے کے حق میں نہیں ہیں، چنانچہ متحدہ مجلسِ عمل نے اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جس نے ملک بھر کے اکابر علماء سے اس سلسلے میں فتاویٰ حاصل کرلئے ہیں، اس وقت پوری قوم اور دِینی قیادت اس اقدام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے، لہٰذا اربابِ حکومت کی خدمت میں نہایت اِخلاص سے عرض ہے کہ وہ اس غیرشرعی، غیراخلاقی اور غیراسلامی اقدام سے باز رہے، کیونکہ کفر کے ساتھ تعاون بھی کفر سے کم نہیں، اس کے علاوہ قرآن وسنت میں واضح طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ تعاون کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا جو پاکستانی فوجی عراق میں کام آئیں گے ان کی دُنیا و آخرت

برباد ہوگی اور وہ قیامت کے دن کفار کی ہم نوائی کرنے کی وجہ سے کفار کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے، یقیناً کوئی مسلمان فوجی اس کو برداشت نہیں کرے گا، اس لئے ہر مسلمان فوجی جس کی ترتیب وتربیت ہی جہاد کے لئے کی جاتی ہے، وہ جان تو قربان کرسکتا ہے مگر وہ کفار کی ہم نوائی اور مسلمانوں کے قتلِ عام میں شریک نہیں ہوسکتا، خدانخواستہ اگر کارپردازانِ حکومت نے یہ اقدام کیا تو یہ ان کی حکومت کا آخری دن ثابت ہوگا:

''حذر! اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں''

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رجب ۱۴۲۴ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۳ء)

امریکی دباؤ اور مسلم حکمران!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

سپر طاقت رُوس کی شکست و تحلیل، مسلمانوں کی کسی قدر بیداری اور جہاد کے احیاء کے بعد اسلام دُشمن قوّتوں کے پوری دُنیا پر تسلط کے خواب، چکنا چور ہوگئے اور انہیں اندیشہ ہونے لگا کہ اگر مسلمان سر اُٹھا کر چلنے لگے تو نہ صرف ان کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں رُکاوٹ بن سکتے ہیں بلکہ بہت جلد وہ عالمی استعمار کے مقابلے میں بھی آسکتے ہیں، کیوں نہ ان کی راہ روکی جائے، چنانچہ مسلمانوں کی اس ''سرکشی''، ''بغاوت'' اور ''جرمِ عظیم'' کی سزا کے لئے یہ ''تریاق'' ایجاد کیا گیا کہ ان کو کچل دیا جائے، ان کی افرادی قوّت و طاقت اور معیشت و اقتصادیات کو تہس نہس کردیا جائے بلکہ ان سے زندہ رہنے کا حق ہی چھین لیا جائے۔

اس ''نسخۂ شفا'' اور منصوبے کی تکمیل کے لئے پہلے افغانستان، پھر عراق کی حکومت کا دھڑن تختہ کیا گیا، ان ہر دو ممالک میں لاکھوں مسلمان کو تہہ تیغ کیا گیا، عفت مآب مسلمان خواتین کی عزّت و ناموس تارتار کی گئی، اَربوں، کھربوں کی املاک کو بارودی آگ سے بھسم کردیا گیا، شہروں اور آبادیوں کو آنِ واحد میں کھنڈرات سے بدل دیا گیا، ''دہشت گردی'' کے نام پر مسلمانوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا اور سرِعام ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا گیا، بلاشبہ سرزمینِ افغانستان و عراق پر اَمن کی دہائی

دینے والے انسان نما درندوں نے ظلم وتشدّد کے تمام ریکارڈ توڑ کر کھلے عام شیطنیت کا ننگا ناچ ناچا اور یہ سلسلہ تاحال نہ صرف جاری ہے بلکہ روز افزوں ہے۔

ان درندوں نے اپنے سفاکانہ عزائم کی تکمیل کے لئے ایک طرف اگر پُرامن مسلمانوں کو ''دہشت گرد'' اور نام نہاد ''القاعدہ'' کا رُکن کہہ کر ٹھکانے لگانے کی بدترین رَوِش اپنائی تو دُوسری طرف دِین دار مسلمانوں کو دُنیا بھر کے مختلف شہروں سے گرفتار کرکے کیوبا جیسے بدنامِ زمانہ جزیرے میں جانوروں کی طرح تنگ وتاریک پنجروں میں مقید کردیا، تاکہ مسلمانوں کو دُنیا بھر میں بدنام کرکے ''اسلام'' کو خدانخواستہ گالی کا درجہ دے دیا جائے، اور دُنیا کو اسلام سے برگشتہ نہیں تو کم ازکم متنفر ضرور کردیا جائے۔

دراصل امریکہ بہادر اور اس کے حلیف، مسلمان ممالک پر، نام نہاد ''دہشت گردی'' اور ''القاعدہ'' سے تعاون وسرپرستی کا الزام دے کر، ان پر اپنا دباؤ بڑھانا اور مسلمانوں کے خلاف کاروائی کرنا چاہتے ہیں، ہمارے خیال میں وہ اپنی اس پالیسی میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوچکے ہیں۔

چنانچہ اسی دباؤ کے نتیجے میں پاکستان نے اپنے پڑوسی برادر اسلامی ملک افغانستان کی طالبان حکومت کا ساتھ نہیں دیا اور امریکی یلغار کے موقع پر پاکستان نے افغانستان کی طالبان حکومت کی نہ صرف یہ کہ کوئی مدد نہیں کی بلکہ اس کڑے وقت میں اَربابِ اقتدار نے طالبان کے بجائے کھل کر امریکہ کا ساتھ دیا اور افغانستان کے سفیر کو بین الاقوامی اُصولوں کو پامال کرتے ہوئے گرفتار کرکے امریکہ کے حوالے کیا۔

اسی طرح شآم نے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں عراق پر امریکی قرارداد کی حمایت کی۔

ایران نے جوہری مسئلے پر اپنے موقف میں تبدیلی کی، بلکہ ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی ادارے کے مطالبے پر یورینیم کی افزودگی روک دینے کا اعلان کیا اور اب امریکہ کی نامزد کردہ کونسل کو بھی تسلیم کرلیا، جبکہ سعودی عرب اور خلیج کی ریاستیں پہلے

سے ہی امریکہ کی حلیف وہم نوا ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ امریکہ بہادر اپنی انسانیت کش پالیسی کے ذریعہ جہاں پاکستان سمیت تمام مسلمان ملکوں پر مزید دباؤ بڑھا کر اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہاں وہ پاکستان، ایران، شام اور سعودی عرب میں کاروائی کر کے ان کے تیل اور اقتصادیات پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ اس کی واضح مثال سعودی عرب سے امریکی افواج کے انخلاء کے بعد وہاں ہونے والی دہشت گردی اور بم دھماکے ہیں۔

گویا امریکہ، اسلامی دُنیا کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اگر تم نے میری ہاں میں ہاں نہ ملائی تو تباہ کن ہتھیاروں، نیپام بموں اور آگ برساتے میزائلوں کا نشانہ بننے کے لئے تیار ہوجاؤ اور تمہارا حشر بھی افغانستان وعراق سے کچھ مختلف نہیں ہوگا۔

اس صورتِ حال کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کی انسانیت کش پالیسیوں، اسلام دُشمن ہتھکنڈوں اور فرعونیت کے سامنے ظلم کو ظلم کہنے کی کسی کو جرأت و ہمت تو کیا ہوتی؟ اس سنگین صورتِ حال پر غور وفکر کرنے اور اس کا حل سوچنے کے لئے بھی کوئی تیار نہیں، اُلٹا غفلت و دنائت، حماقت و سفاہت، بے بسی و بزدِلی، مصلحت کوشی و مفاد پرستی کا شکار حکمران، روز بروز امریکی دباؤ کے نیچے دبتے چلے جارہے ہیں۔

اے کاش! کسی اسلامی سربراہ اور مسلم حکمران کو اس کا ادراک ہوجاتا اور مستقبل میں پیش آنے والے حقائق اور دِل دہلادینے والے عواقب ونتائج کا احساس ہوجاتا تو وہ ان امریکی پالیسیوں کا حصہ نہ بنتا، صدحیف! کہ موجودہ صورتِ حال میں مسلمانوں کے ہاتھوں، مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کا سامان کیا جارہا ہے اور بزدِل مسلمان حکمران، امریکی وفاداری کے شوق میں سب کچھ نہایت ''اِخلاص'' اور خوشی سے انجام دے کر اپنے ہاتھوں مسلمانوں کی قبر کھودرہے ہیں، اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق فروری ۲۰۰۴ء)

محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان
کی
قربانیوں کا صلہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

آج سے ڈھائی سال قبل رجب ۱۴۲۲ھ کے بصائر و عبر میں ''امریکی عزائم اور ہماری ذمہ داری'' کے تحت ہم نے جناب صدر پرویز مشرف صاحب اور ان کی کابینہ کے دانشوروں کی خدمت میں نہایت دِل سوزی سے عرض کیا تھا کہ: ''امریکی دہشت گردی کا ساتھ دینے کی صورت میں آئندہ پاکستان جن مشکلات کا شکار ہوگا، شاید انہیں ابھی اس کا اندازہ نہیں۔'' پھر اس سلسلے کی چند ایک مشکلات کی نشاندہی کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ: ''پاکستان کا ایٹمی پروگرام غیر محفوظ ہو جائے گا!''

شاید اس وقت تو اس کو ''دیوانے کی بڑ'' اور ''پاگل پن'' کا نام دیا گیا ہوگا، مگر موجودہ صورتِ حال کے تناظر میں دیکھا جائے تو ''دیوانے کی بڑ'' کچھ غلط نہیں تھی، چنانچہ امریکہ بہادر کے مطالبات شیطان کی آنت کی طرح دراز ہوتے گئے، اور ہم ''فرماں بردار غلام'' کی طرح یکے بعد دیگرے اس کے مطالبات مانتے چلے گئے، یہاں تک کہ اس نے ہمارے ایٹمی سائنس دانوں اور ان کی تحقیقات پر ہاتھ صاف کرنا چاہا، تو ہم اس سے بھی انکار نہ کرسکے، اور ہم نے پوری دُنیا کے سامنے یہ کہنے میں ذرّہ بھر

خفت محسوس نہیں کی کہ ہم اور ہمارے سائنس دان مجرم، کرپٹ، مفاد پرست اور زر پرست ہیں۔ ہم نے اخبارات اور ٹی وی پر اپنے سائنس دانوں کو مجرم باور کرایا، ان کو پوری دُنیا کے سامنے مجرم کی حیثیت سے پیش کیا، ان سے اعترافِ جرم کرایا، ان سے رحم کی اپیل کرائی اور ٹی وی پر ان کو ڈانٹا، ان کو ان کے مناصب سے معزول کیا، ان کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی، اور ''معاف'' کرکے نظر بند کردیا، لیکن بایں ہمہ ''ہمارے آقا و مولیٰ حضور'' بُش اور ان کے ہم نوا، ہمارے اس ''جرأت مندانہ کارنامہ'' سے بھی راضی نہ ہوئے اور ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا کہ: ''جب تک ڈاکٹر عبدالقدیر کا نیٹ ورک نہیں ٹوٹے گا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۲؍فروری ۲۰۰۴ء)۔ صرف یہی نہیں بلکہ مطالبہ ہوا کہ: ''پاکستان کے جوہری پروگرام کی دیکھ بھال اور نگرانی میں امریکہ کی شمولیت ضروری ہے۔'' (روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۸؍فروری ۲۰۰۴ء)۔ ہم نے اس پر بھی کسی خفگی و ناگواری کا اظہار نہ کیا، اور اب تو شنید ہے کہ یورپی ممالک: فرانس، برطانیہ اور جرمنی کے معائنہ کار پاکستان کے جوہری پروگرام کے تفصیلی جائزہ کو تشریف لایا ہی چاہتے ہیں: ''آگے آگے دیکھئے! ہوتا ہے کیا؟''

ہمیں جنابِ صدر اور ان کی کابینہ کی نیک نیتی پر ذرّہ بھر شبہ نہیں، بلاشبہ انہوں نے اپنے تئیں یہ سب کچھ ملک و قوم کے ''مفاد'' میں کیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجائیں گے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ان اقدامات سے روز بروز امریکی غلامی کی دلدل میں دھنستے چلے جارہے ہیں؟ گزشتہ تین سالوں کے امریکی مطالبات اور ہماری اطاعت شعاری کی تاریخ سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ اور اس کے ہم نوا قرآن کریم کی تصریح: ''وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ'' کے مطابق ہم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ...خاکم بدہن... ہم عیسائیت و یہودیت قبول کرکے ان کے ہم نوا نہ بن جائیں۔ ہمارے خیال میں اگر پہلے دن سے ہی یہ کہہ کر امریکہ سے معذرت

کرلی جاتی کہ: ”ہم نہ دہشت گرد ہیں اور نہ دہشت گردوں کا ساتھ دیتے ہیں، اور نہ ہی ہم کسی مسلمان ملک کی تباہی و بربادی میں کسی کا ساتھ دیں گے، لہٰذا ہمیں معاف رکھا جائے“ تو شاید ہمیں یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا، لیکن جو لوگ ”گربہ کشتن روزِ اوّل“ پر عمل نہیں کرتے، وہ زندگی بھر جوتے کھاتے ہیں اور ان کی چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں ہوتا، کیا ہماری صورتِ حال کچھ یہی نہیں؟

کیا ہم موجودہ صورتِ حال میں اپنے اربابِ اقتدار سے یہ سوال کرسکتے ہیں کہ:

الف:... کیا ہم اپنی اس رَوِش سے پاکستان دُشمنوں کو اس کا ثبوت مہیا نہیں کررہے کہ واقعی پاکستانی مجرم، مفاد پرست اور دہشت گرد ہیں؟

ب:... کیا آئندہ کوئی پاکستانی اپنے مسلّمہ سائنس دانوں اور ہیروز کے اس عبرت ناک انجام کو دیکھ کر اپنی اعلیٰ صلاحیتیں ملک و قوم کی خدمت کے لئے وقف کرے گا؟ اسی طرح وہ تمام ذہین پاکستانی جو حصولِ روزگار کے لئے بیرونِ ملک گئے ہوئے ہیں، اپنے ملک کی خدمت کے لئے واپس آنا پسند کریں گے؟

ج:... کیا اس طرح سائنسی اور تخلیقی ایجادات کا مستقبل تاریک نہیں ہوجائے گا؟

د:... کیا دِینی مدارس میں جدید علوم اور سائنس کی تعلیم کی دعوت دینے والے بتلاسکتے ہیں کہ موجودہ صورتِ حال میں سرکاری اسکولوں میں سائنس کی تعلیم میں کوئی کشش باقی رہے گی؟ نہیں! ہرگز نہیں...!

ہ:... کیا قوم و ملک کے محسنوں کی قربانیوں کا یہی صلہ ہے کہ ان کو ذلیل و رُسوا اور بدنام کیا جائے؟

ہمارے خیال میں جرم و سزا کا فلسفہ اپنی جگہ صد فی صد دُرست ہے، اور اس پر عمل درآمد بھی ہونا چاہئے اور مجرم خواہ کیسا بھی ہو، اُسے قانون کی گرفت سے بالاتر

نہیں ہونا چاہئے، لیکن سوال یہ ہے کہ پاکستانی سائنس دانوں کو جس معاملے میں موردِ الزام اور مجرم ٹھہرایا گیا ہے وہ جرم بھی ہے کہ نہیں؟ اگر وہ جرم ہے تو پھر امریکہ و برطانیہ کیوں مجرم نہیں؟ اگر وہ اس جرم کے ارتکاب کے باوجود مجرم نہیں تو ہم اپنے آپ کو کیوں مجرم گردانتے ہیں؟ بلاشبہ ایٹمی پھیلاؤ کے عنوان سے پاکستانی سائنس دانوں کو جس طرح بدنام کیا گیا ہے، وہ کسی طرح لائقِ تحسین بلکہ قابلِ برداشت نہیں، اس بھونڈے انداز سے جہاں مغرب اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوا ہے وہاں پاکستان کی ساکھ نہایت بُری طرح متأثر ہوئی ہے۔

اگر کوئی ضروری تحقیق کرنا ہی تھی تو صیغۂ راز میں رکھ کر کی جاتی اور حتی الوسع اپنے قومی ہیرو کی عزّتِ نفس کی پاسداری کی جاتی، اور ضروری کاروائی کے بعد اس فائل کو بند کر دیا جاتا۔ اس کے لئے ہمارے سامنے اِنڈیا اور اِسرائیل جیسے پاکستان دُشمن ممالک کا طرزِ عمل موجود ہے کہ ہر دو نے آج تک اپنے اندرونی معاملات میں کسی دخل اندازی کو برداشت نہیں کیا۔ کیا رُوس، امریکہ، برطانیہ، فرانس، چائنا اور دُوسرے یورپی و مغربی ممالک ایٹمی پھیلاؤ کے مرتکب نہیں ہوئے؟ اخبارات اور بین الاقوامی میڈیا ان کے جرائم کی تفصیلات سے اَٹے ہوئے ہیں، مگر کیا کیجئے: ''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!'' یہی وجہ ہے کہ ہم جتنا ڈرتے اور جھکتے جاتے ہیں وہ اتنا ہی شیر ہوتے جارہے ہیں، صلۂ وَفا یہ نہیں کہ جس شخص نے اپنا سب کچھ پاکستان اور ملک و قوم کی ترقی کے لئے تج دیا، ہم اس کو سرِ بازار رسوا کر کے اپنا دامنِ عفت بچالیں۔

ایک طرف تو ہماری انقیاد و تسلیم کا یہ عالم ہے کہ ''اُن'' کے اشارۂ ابروئے چشم پر سب کچھ قربان کرتے جارہے ہیں، اور دُوسری طرف بیان دیا جاتا ہے کہ:

''ہم کسی بھی حالت میں غیرملکی انسپکٹروں کو جوہری تنصیبات کے معائنہ کی اجازت نہیں دیں گے، اور نہ ہی ایٹمی و

میزائل پروگرام بند کیا جائے گا ..... ہمارے جوہری اور میزائل اثاثوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوسکتا ہے، تاہم ہم اپنی جان دے کر بھی اس کی حفاظت کریں گے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۹؍فروری ۲۰۰۴ء)

ان میں سے کیا حقیقت ہے اور کیا مبالغہ...؟ اس کا فیصلہ وقت کا قاضی کرے گا، تاہم جس جذبے کا اظہار اس مؤخر الذکر بیان میں کیا گیا ہے، اگر یہ حقیقت ہے تو اِن شاء اللہ اس معاملے میں پوری قوم جنابِ صدر کے ساتھ ہے۔

وانا آپریشن... کیا کھویا کیا پایا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

آج کل دُنیا بھر سے جہادِ افغانستان کی باقیات کے صفایا کی مہم نہایت زوروں پر ہے، افغانستان اور عراق کی بربادی کے بعد امریکہ کو خیال ہوا کہ اب پاکستان کا رُخ کیا جائے، مگر بظاہر اس کے لئے کوئی جواز نہیں تھا، اس لئے غالباً اِتمامِ حجت کے لئے طے کیا گیا کہ پاکستان کے قبائلی علاقے وانا جنوبی وزیرستان کو بنیاد بنا کر اس ''مہم'' کو سر کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان جیسے اہم اتحادی ...جس نے افغان جنگ میں کھل کر امریکہ کی حمایت کی... پر براہِ راست حملہ کرنا چونکہ حکمتِ عملی کے خلاف تھا، اس لئے طے کیا گیا کہ حکومتِ پاکستان کو باور کرایا جائے کہ ہمارے اور آپ کے متفقہ دُشمن اور باغی سرزمینِ پاکستان کے علاقے جنوبی وزیرستان اور وانا میں چھپے ہوئے ہیں، ان کے خلاف کاروائی کی جائے۔

غالباً امریکہ کا خیال ہوگا کہ پاکستان اس معاملے میں پس و پیش کرے گا تو اس کے خلاف چڑھائی کا جواز مل جائے گا، مگر خدا بھلا کرے ہمارے ''اربابِ عقل و خرد'' کا کہ انہوں نے معاملے کی ''نزاکت'' کا ''ادراک'' کرتے ہوئے بلاتأمل آگ کے اس سمندر میں کود جانے کا فیصلہ کرلیا، یوں وانا آپریشن شروع ہوگیا اور پاکستان پر

''چڑھائی'' کا عمل وقتی طور پر رُک گیا۔ یہ ہے وانا آپریشن کے جواز کی دلیل اور مسلمانوں کے گھروں، دُکانوں کے انہدام، بے گناہ شہریوں کے قتلِ عام، فوجی جوانوں کی قربانی، ان کے اغوا اور یرغمال کے اسباب ومحرکات کا پسِ منظر، جو حکومت اوراس کے حامیوں کی طرف سے نہایت شد و مد سے پیش کیا جاتا ہے۔

وانا آپریشن جس کو ''پہاڑی طوفان'' کا نام دیا گیا تھا، اب قریب قریب اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا ہے،حکومتِ پاکستان نے اس سے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ ہم اس کا فیصلہ مستقبل کے مؤرِّخ اور عوام کے عقل وشعور پر چھوڑتے ہیں، البتہ اتنی بات تو واضح ہے اور ہر ذی فہم جانتا ہے کہ اس آپریشن سے حکومت کو سوائے رُسوائی اور بدنامی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

اس آپریشن پر کتنا اسلحہ ضائع ہوا؟ کتنا سرمایہ خرچ ہوا؟ کتنے قیمتی فوجی جوان کام آئے؟ کتنا ایسے ہیں جو زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور نامعلوم کتنے ایسے ہیں جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہیں؟ پھر ایک ایسا علاقہ جس کے لوگ ہمیشہ دِفاعِ پاکستان میں فرنٹ لائن کا کردار ادا کرتے تھے، ہماری اس حماقت سے یکسر ہمارے مخالف ہوگئے۔

قبائلی علاقے کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے کبھی قوّت و طاقت اور اسلحے کے زور پر کسی کی غلامی قبول نہیں کی، انگریز بہادر نے جب ان پر چڑھائی کی تو اس کو بھی منہ کی کھانی پڑی، جن سرداروں اور وڈیروں کے ساتھ مل کر اس نے اس علاقے پر قبضے کا خواب دیکھا تھا، ان سب سے بھی اس کو ہاتھ دھونا پڑا، مگر وہ قابو نہیں آئے، قبائلی عوام خالص مسلمان ہے، قطع نظر اس کے کہ وہاں بھی کچھ جرائم پیشہ لوگ ہوں گے، مگر وہاں غالب اکثریت دِین دار ہے اور وہ شروع سے ہی رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو پاکستانی سمجھتے اور کہتے آئے ہیں اور پاکستان سے وفاداری کا دَم بھرتے آئے ہیں، وہ چاہتے تو اپنے آپ کو افغانستان سے بھی ملحق کرسکتے تھے، مگر انہوں

نے ایسا نہیں کیا۔

جب افغانستان پر رُوس نے چڑھائی کی اور پاکستان نے اپنے افغان بھائیوں کو مہمان بنایا تو اس علاقے کے لوگوں نے بھی اسلامی روایات اور پاکستانی حکومت کے منشا کے عین مطابق افغانستان سے آنے والے افغانوں کی میزبانی کی، گھر دیئے، زمینیں دیں، رشتے ناطے کئے اور انہیں واقعی اپنا بھائی بنالیا۔

اسی طرح جو لوگ دُنیا بھر سے جہادِ افغانستان میں شرکت کی غرض سے آئے اور اپنے اپنے ملکوں میں واپس نہیں جاسکتے تھے، ان میں سے کچھ حضرات نے جنوبی وزیرستان میں مستقل رہائش اختیار کرلی، وہاں انہوں نے شادیاں کیں، بچے ہوئے، کاروبار کئے، مکان بنائے اور وہاں کے مستقل رہائشی بن گئے، ممکن ہے ان میں سے کچھ افغان، اُزبک، ترکمان، عرب اور افریقن بھی ہوں، مگر وہ سب کے سب اس وقت ہر قسم کی آویزش سے ہٹ کر پُرسکون زندگی گزار رہے تھے، اس وقت وہ سب کے سب قبائلی مسلمانوں کے بھائی بند، عزیز رشتہ دار، مہمان یا ان کی پناہ میں تھے، اسلامی نقطۂ نگاہ سے اگر کوئی مسلمان کسی کو اَمان اور پناہ دیدے تو حکومتِ وقت کا اسلامی و اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد و پیمان کی پاسداری کرے، اور مسلمانوں کے پناہ یافتہ انسانوں کو خواہ مخواہ تنگ نہ کرے۔

اس لئے موجودہ صورتِ حال میں حکومت کی جانب سے وانا کے پاکستانی شہریوں اور بے قصور و معصوم مہمانوں پر چڑھائی کا فیصلہ ہر اعتبار سے بلاجواز، اشتعال انگیز، لائقِ شرم اور قابلِ مذمت ہے۔

چنانچہ یہ اسی بلاجواز چڑھائی کا نتیجہ ہے کہ جب حکومت نے بلاتحقیق اور بلاجواز اس علاقے پر مسلح چڑھائی کی تو قبائلی عوام نے اس اشتعال انگیز کاروائی کے جواب میں اپنے ان اعزّہ، اقرباء، رشتہ داروں اور مہمانوں کا بھرپور دفاع اور تحفظ کیا، جس کے نتیجے میں حکومت کو غیر معمولی نقصان اور ہزیمت و شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

بالفرض اگر حکومت کے پاس ایسے کوئی شواہد تھے کہ وانا میں موجود کچھ لوگ ملک دُشمن سرگرمیوں میں ملوّث ہیں یا وہ دہشت گردی کی کاروائیوں میں مصروف ہیں، تو حکومت کا فرض تھا کہ حسبِ دستور وہاں کے ذمہ داروں کو بلاکر ان سے ایسے ملک دُشمن عناصر کو ملک سے باہر نکالنے یا حکومت کے حوالے کرنے کا پابند بناتی، اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوتے تو پھر روایتی کاروائی کی جاتی، مگر محض شک و شبہ کی بنا پر اور ''القاعدہ'' کا ہوّا کھڑا کر کے آبادیوں کی آبادیاں اُجاڑنا، مکان اور دُکانیں مسمار کرنا، بے قصور جوانوں، بوڑھوں، خواتین اور معصوم بچوں کے خونِ ناحق سے زمین کو رنگین کرنا کون سا انصاف اور کون سی عقل مندی ہے...؟

کوئی بتا سکتا ہے کہ وانا آپریشن اور اسرائیلی آپریشن میں کیا فرق ہے؟ اگر بغور دیکھا جائے تو دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں، اس لئے کہ اسرائیلی، فلسطین میں نہتے مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں تو ہماری حکومت بھی معصوم بچوں، بوڑھوں اور خواتین کے خون سے زمین رنگین کر رہی ہے، بلکہ اگر سچ پوچھئے تو وانا آپریشن فلسطین میں برپا اسرائیلی محشر سے کئی اعتبار سے بدتر و بدنما ہے، کیونکہ وہاں مسلمان، یہودیوں اور صہیونیوں سے برسرِ پیکار ہیں، اگر وہاں مسلمان مریں تو شہید اور ماریں تو غازی ہیں، لیکن یہاں تو مرنے اور مارنے والے، دونوں مسلمان ہیں اور دونوں طرف سے مسلمانوں کا نقصان ہے، پھر اسرائیلی یہودی ہیں جن کی سرشت وطبیعت بلکہ گھٹی میں مسلمان کشی داخل ہے، اس لئے اگر وہ مسلمانوں کا قتلِ عام کریں تو قابلِ تعجب نہیں، حیرت و استعجاب اور افسوس و ندامت تو اس پر ہے کہ پاکستانی فوج، جو مسلمانوں کی حفاظت وتحفظ کے لئے وجود میں آئی تھی اور جس کا طرۂ امتیاز ہی کفار و مشرکین سے جہاد و قتال تھا، وہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور کفار و مشرکین کے بجائے اپنے ہی ملک کے معصوم شہریوں پر حملہ آور ہے، پھر کس قدر لائقِ افسوس ہے ہمارا یہ انداز کہ اگر کوئی بندۂ خدا ارشادِ نبوی: ''اُنصر أخاک ظالمًا أو مظلومًا'' (اپنے بھائی کی مدد کرو

چاہے ظالم ہو یا مظلوم، یعنی ظالم کو ظلم سے روک کر اور مظلوم کو ظلم سے بچا کر) کے مصداق اربابِ اقتدار کو اس لائقِ شرم کاروائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے یا انہیں مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگین کرنے، ان کی املاک، دُکانوں اور مکانوں کو مسمار کرنے کو ناجائز وحرام کہتا ہے اور اس قتلِ عام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں سے براءۃ کی تلقین کرتا ہے تو اسے ''باغی'' کہہ کر اس کے خلاف ملکی بغاوت کے مقدمات بنانے کی دھمکی دی جاتی ہے، تف ہے ہماری اس عوام دُشمنی پر! اور لعنت ہے ہماری اس بے حسی و بے غیرتی پر...!

انسانی حقوق کی تنظیموں، غیر جانبدار تجزیہ نگاروں کا فرض ہے کہ اس کھلی درندگی وسفاکی کے خلاف آواز اُٹھائیں اور بتلائیں کہ حق و سچ کیا ہے اور کذب و جھوٹ کیا؟

بلاشبہ حالات، واقعات، اطلاعات اور اس آپریشن کے اب تک کے سامنے آنے والے نتائج وثمرات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وانا آپریشن بلاجواز تھا، کیونکہ یہاں نام نہاد ''القاعدہ'' کا کوئی لیڈر نہیں تھا، بتلایا جائے کہ اگر کوئی تھا تو کہاں گیا؟ اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی؟ آخر پاکستان کی فوج سے بچ کر کہاں جاسکتا تھا؟ اس لئے اس بلاجواز آپریشن میں شہید ہونے والے مسلمانوں اور ناحق مارے جانے والے فوجی جوانوں کے خون کا بوجھ برسرِ اقتدار طبقے کی گردن پر ہے، کل قیامت کے دن بہرحال انہیں اس کا بدلہ چکانا ہوگا، جہاں انہیں امریکہ بہادر اور نیٹو کی رُکنیت نہیں بچاسکے گی۔

کیا ہم جنابِ صدر سے پوچھ سکتے ہیں کہ ان کے وانا آپریشن کے سلسلے کے بیانات ان کی اپنی عقل وسوچ کا مظہر ہیں؟ یا ان کے حاشیہ برداروں کی بچکانہ سوچ کے شاہکار؟ کیونکہ کبھی تو جنابِ صدر کی طرف یہ بیان منسوب ہوتا ہے کہ:

''مجھ پر حملے میں لیبیا کا باشندہ ملوّث ہے۔''

(روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۱۲؍مارچ ۲۰۰۴)

اور کبھی یہ کہا جاتا ہے:

''وانا میں موجود القاعدہ کے لوگوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا تھا۔''

کبھی فرمایا جاتا ہے:

''وانا میں موجود غیرملکیوں سے کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی۔''

اور کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ:

''اگر یہ لوگ ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کردیں اور پُرامن رہنے کی یقین دہانی کرادیں تو ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔''

کیا کوئی معمولی عقل وسمجھ کا انسان ان تمام بیانات کی نسبت جنابِ صدر کی طرف قبول کرسکتا ہے؟

کیا جنابِ صدر اس قدر غیرسنجیدہ، بچکانہ اور مضحکہ خیز بیان دے سکتے ہیں؟ کیا کسی ملک کے صدر کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ ایسی متضاد و متناقض باتیں کیا کرے؟ کیا کسی ملک کے صدر کے پالیسی بیان ایسے ہوا کرتے ہیں...؟

ہمارے خیال میں اس وقت جنابِ صدر، سب اچھا کہنے والے حاشیہ بردار ہجوم اور مفاد پرست درباری فوج ظفر موج کے حصار میں ہیں اور وہ انہیں مکمل طور پر ناکام کرکے بدنام کرنا چاہتی ہے، اس لئے انہیں جس طرح بریف کیا جاتا ہے، وہ بلاسوچے سمجھے اسے نوکِ زبان پر لے آتے ہیں۔

یقیناً اگر جنابِ صدر اپنے ان متضاد و متناقض بیانات اور غیرسنجیدہ اقوال و ارشادات کے عواقب وثمرات پر توجہ فرماتے تو ان کی زبان سے ایسے غیرذمہ دارانہ بیانات جاری نہ ہوتے۔

ہمارے خیال میں اگر وانا آپریشن کے سلسلے میں غور وفکر کیا جاتا، عقل وشعور کو استعمال میں لایا جاتا، تحقیق وثبوت کے تمام تقاضے پورے کئے جاتے، ارکانِ اسمبلی، خصوصاً فاٹا کے ارکانِ اسمبلی سے مشاورت ہوتی، اس کا مفید اور کارآمد حل تلاش کرنے کے لئے پُرامن تدابیر زیرِ غور لائی جاتیں، مقامی علماء وعمائدین اور ملک بھر کے اہلِ دانش کو اس گتھی کے سلجھانے کے لئے دعوت دی جاتی، اور ملک کو اس مخمصے سے نکالنے کے لئے پوری قوم کو اعتماد میں لیا جاتا، پھر اگر اس بھرپور مشاورت اور غور وفکر کے بعد کوئی متفقہ لائحہ عمل طے ہوتا اور اس پر عمل کیا جاتا تو آج یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔

اسی طرح بعد از خرابیٔ بسیار جس طرح اب مذاکرات کی راہ اپنائی گئی ہے، اگر پہلے ہی دن سے اس پر عمل ہوجاتا تو آج صورتِ حال اس سے یکسر مختلف ہوتی اور اتنا بڑا نقصان نہ اُٹھانا پڑتا، بہرحال جو ہوا سو ہوا، اب بھی وقت نہیں گیا، جوش کے بجائے ہوش سے کام لیا جائے اور زخمی قلوب کو جوڑنے اور ان پر مرہم رکھنے کے لئے حتی الامکان ان کی اشک شوئی کی جائے، ان کے نقصانات کا ازالہ کیا جائے، اب جبکہ ”پہاڑی طوفان“ نے بھی ثابت کردیا ہے کہ وہاں القاعدہ کا کوئی جنگجو موجود نہیں تو وہاں موجود مسلمانوں کو مجرم کا نہیں شریف شہریوں کا درجہ دیا جائے اور آئندہ اس قسم کے واقعات نہ دہرائے جانے کی یقین دہانی کرائی جائے، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ مطابق مئی ۲۰۰۴ء)

ملکی امن و امان کی صورتِ حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

دہشت گردی کے خاتمے کے لئے بننے والے عالمی اتحاد کے اہم رُکن، اتحادی اور غیرنیٹو ممبر، پاکستان، خود اندرونی طور پر کس قدر دہشت گردی کا شکار ہے، اس کے عوام، مسلمان، دہشت گردی پر قابو پانے والی فورسز، پولیس، رینجرز، فوج اور خود صدرِ پاکستان کو کس صورتِ حال کا سامنا ہے؟ اسی طرح اُسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کا کھوج لگانے والی ایجنسیاں اور وانا جنوبی وزیرستان میں چھپے ''دہشت گردوں'' کا تعاقب کرنے والی حکومت خود کن تباہ کن مسائل سے دوچار ہے؟ ملکی اخبارات اور خبررساں ایجنسیوں کی رپورٹوں اور خبروں سے کسی قدر ان کی نشاندہی ہوتی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی چند خبروں کے متعلقہ اقتباسات نقل کردیئے جائیں، ملاحظہ ہوں:

الف:... ''کراچی (اسٹاف رپورٹر) شارع فیصل پر شہیدِ ملت فلائی اوور کے نیچے واقع چوکی پر جمعہ کی سہ پہر نامعلوم افراد نے عقب سے رینجرز کی گاڑی پر کلاشنکوف سے اندھادُھند فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں رینجرز کا سپاہی اور ایک شہری ہلاک، جبکہ رینجرز کے دو اہلکار سمیت پانچ شہری شدید زخمی

ہوگئے ......"   (روزنامہ "جنگ" کراچی ۲۰/مارچ ۲۰۰۴ء)

ب:... "کراچی (اسٹاف رپورٹر) گلستانِ جوہر تھانے پر اتوار کو ڈیڑھ درجن ملزمان نے حملہ کرکے سب انسپکٹر سمیت پانچ پولیس اہلکاروں کو ہلاک اور ایک کانسٹیبل کو زخمی کردیا ..... چار گاڑیوں میں سوار ڈیڑھ درجن ملزمان علی الصباح تھانے پہنچے، خودکار ہتھیاروں سے حملہ کیا، ملزمان تھانے سے کلاشنکوفیں اور بڑی تعداد میں گولیاں لوٹ کر لے گئے۔ ملزمان نے خودکار ہتھیاروں سے حملہ کیا اور ڈھائی سو سے زائد کلاشنکوف کی گولیاں برسائیں اور دو ہینڈ گرینیڈ پھینکے ..... عینی شاہدین کے مطابق حملہ آور ۲۰ سے ۲۵ منٹ تک تھانے میں رہے، اس دوران گلستانِ جوہر تھانے کے پولیس اہلکاروں کی مدد کے لئے شہر کے دُوسرے تھانوں کی پولیس مدد کے لئے نہیں پہنچی......"

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۵/اپریل ۲۰۰۴ء)

ج:... "کراچی (اسٹاف رپورٹر) رضویہ کے علاقے سے نامعلوم مسلح ملزمان نے سندھ ریزرو پولیس کے ایس پی کے گن مین کو اغوا کرلیا، ملزمان اس کی رہائی کے عوض دس لاکھ روپے تاوان طلب کر رہے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق رضویہ کے علاقے کھجّی گراؤنڈ کے قریب سے نامعلوم ملزمان نے پولیس کانسٹیبل غلام فرید بیلٹ نمبر ۱۳۷۶۰ کو اغوا کرلیا ..... بعد ازاں اتوار کی شام اس نے اپنے موبائل فون کے ذریعہ اہلِ خانہ سے رابطہ کرکے بتایا کہ مجھے نامعلوم مسلح ملزمان نے اغوا کرلیا ہے اور میری رہائی کے لئے دس لاکھ روپے تاوان کا بندوبست کیا جائے، تاوان کی عدم ادائیگی کی صورت میں مجھے قتل کردیا جائے

گا.....مغوی غلام فرید سندھ ریزرو پولیس بیس ۱۱۱ کے ایس پی پیر محمد عباسی کا گن مین ہے۔ پولیس ذرائع کا کہنا ہے کہ غلام فرید نے اہلِ خانہ سے رابطے کے دوران بتایا تھا کہ اسے پاک کالونی کے علاقے میں قید کیا گیا ہے اور اس کی رہائی کے دس لاکھ روپے فوری طور پر رضویہ اور پاک کالونی کو ملانے والے نالے کی پلیہ پر پہنچائے جائیں، جبکہ ملزمان نے پولیس کو اطلاع دینے پر بھی قتل کردینے کی دھمکی دی ہے۔ اس نے بتایا کہ مذکورہ مقام پر اس کے ہمراہ مزید آٹھ افراد بھی قید ہیں......"

(روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۵/اپریل ۲۰۰۴ء)

د:...''کراچی (اسٹاف رپورٹر) گلبرگ کے علاقے میں دہشت گردوں نے مسجد میں داخل ہوکر نمازِ جمعہ کے دوران فائرنگ کردی، جس سے ایس ایچ او توفیق زاہد ہلاک اور چار نمازی زخمی ہوگئے۔ فائرنگ سے مسجد میں بھگدڑ مچ گئی، ملزمان پھولوں کی ٹوکری میں اسلحہ چھپاکر لائے تھے، ایک گولی مقتول کے سر کے پچھلے حصے میں لگی اور آنکھ سے باہر نکل گئی۔ توفیق زاہد ایک مقدمے میں پیشی کے لئے ایک روز قبل ہی اندرون سندھ سے کراچی آئے تھے.....'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴/اپریل ۲۰۰۴ء)

ہ:...''کراچی (اسٹاف رپورٹر) گلبرگ میں فائرنگ سے ہلاک ہونے والے توفیق زاہد دہشت گردی کا شکار ہونے والے ۶۸۳ویں پولیس اہلکار تھے۔ ہلاک ہونے والے یہ تمام پولیس اہلکار کراچی آپریشن میں سرگرم تھے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴/اپریل ۲۰۰۴ء)

و:...''کراچی (اسٹاف رپورٹر) کراچی کے سب سے

قدیم تعلیمی ادارے اور بانئ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی مادرِ علمی سندھ مدرسۃ الاسلام کے احاطے میں واقع مسجد میں جمعہ کو ایک بج کر دس منٹ پر خوفناک دھماکہ ہوا، جس سے ۱۳ نمازی جاں بحق اور سو سے زائد زخمی ہوگئے، جن میں سے ۴۵ کی حالت نازک بتائی جاتی ہے۔ پولیس ذرائع کے مطابق یہ خودکش دھماکہ تھا، دھماکہ کرنے والے شخص نے بم اپنے جسم سے باندھ رکھا تھا۔ دھماکے کے باعث مسجد کے دوستون زمین بوس ہوگئے اور مسجد کے تمام دروازے، کھڑکیاں اور پنکھے ٹوٹ کر دُور جا گرے، جاں بحق ہونے والے نمازیوں کے ٹکڑے چھت اور دیواروں پر چپک گئے اور پوری مسجد کی صفوں میں خون پھیل گیا......۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۸رمئی ۲۰۰۴ء مطابق ۱۷ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ)

ان لرزہ خیز وارداتوں، تشدّد و بربریت، بہیمیت و درندگی اور بدترین کاروائیوں پر جتنا افسوس کیا جائے اور ان کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، یقیناً اس صورتِ حال پر ہر آنکھ اَشک بار اور ہر دِل سوگوار ہے۔ اس لئے کہ یہ وارداتیں، حملے اور کاروائیاں کسی خاص طبقے، فرقے، افراد اور جماعت کے خلاف نہیں، بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ ملکی امن و امان، دِین و مذہب، قوم و ملک، اور خود پاکستان کی سالمیت و بقاء کے خلاف خطرے کا الارم، اور ملتِ اسلامیہ کا تشخص مٹانے کی گہری سازش کا پیش خیمہ ہے۔

بلاشبہ ان اخباری تراشوں کے مطالعے کے بعد کسی طرح یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اس ملک میں امن و امان اور قانون نام کی کوئی شے ہے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں لاقانونیت، طوائف الملوکی اور جنگل کے قانون کا راج ہے، جہاں دہشت گرد

کھلے عام پُرتشدّد کارروائیاں کرتے ہیں اور نہایت بے باکی اور بے خوفی سے دندناتے پھرتے ہیں، اور ان سے بازپُرس کرنے کی کسی کو ہمت نہیں۔ وہ شریف شہریوں کی جان و مال اور عزّت و آبرو سے کھیلتے ہیں، مسجدوں، عبادت گاہوں اور خود قانون نافذ کرنے والے افراد اور ان کے مراکز پر دھاوا بولتے ہیں، انہیں اغوا کرتے ہیں اور اپنے انتقام کا نشانہ بناتے ہیں، مگر ان کی راہ روکنے کو کوئی تیار نہیں۔

الغرض! حکومتِ پاکستان اس وقت جن مسائل کا شکار ہے وہ کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں، اسے جہاں بیرونی دُشمنوں کا سامنا ہے، وہاں وہ بے شمار اندرونی مسائل کا بھی شکار ہے، اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ وہ اس وقت بُری طرح گھمبیر مسائل کا شکار ہے، چنانچہ ایک طرف اگر ملک میں مہنگائی کا عفریت منہ کھولے کھڑا ہے تو دُوسری طرف لاقانونیت و دہشت گردی کا ریچھ دانت پیس رہا ہے، کہیں کالاباغ ڈیم اور پانی کی تقسیم کا مسئلہ ہے تو کہیں گندم کی نقل و حرکت اور اس کی بین الصوبائی تقسیم پر پابندیوں کا مرحلہ ہے، کہیں سیاسی اختلافات ملکی ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ہیں تو کہیں قوم پرستی اور صوبائی منافرت نے عوام کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، کہیں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی جنگ ہے تو کہیں بلدیاتی اور منتخب حکومتوں کا پھڈا ہے، لیکن بایں ہمہ اُوپر سے نیچے تک کسی کو اس سنگین صورتِ حال کا کوئی احساس نہیں، بلکہ پوری حکومتی مشینری، اس کے کل پُرزے، افراد، ادارے، ممبرانِ قومی وصوبائی اسمبلی، بلدیاتی ارکان، پولیس، رینجرز، وفاقی وصوبائی وزراء اور صدرِ پاکستان تک اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کی جنگ میں مصروف ہیں، انہیں اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں کہ قوم و ملک اور دِین و ملت پر کیا قیامت برپا ہے؟ عوام کس عذاب میں مبتلا ہیں؟ ہمارے مفادات کی جنگ قوم و ملک کو کس گہرے غار میں دھکیل رہی ہے؟ اور ہماری ناکام حکمتِ عملی کیا گل کھلا رہی ہے؟

چنانچہ ملکی امن و امان کی صورتِ حال دن بدن بگڑتی جارہی ہے، نفرتوں میں

روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، بے یقینی و بداعتمادی کی فضا عروج پر ہے، شریف شہریوں کا جینا دوبھر ہے، امن دُشمن افراد و عناصر کھلے عام دندنا رہے ہیں، امن پسند عوام عدمِ تحفظ کا شکار ہیں، امن پسندوں کو دہشت گرد، اور دہشت گردوں کو امن پسند باور کرایا جارہا ہے، درجنوں مقدمات میں مطلوب ومقید دہشت گردوں کو دھڑا دھڑ بَری کیا جارہا ہے، اور شرفاء کو ناجائز مقدمات میں ملوّث کیا جارہا ہے۔ غرض دہشت گردوں کو معصوم اور معصوموں کو دہشت گرد کہا اور لکھا جارہا ہے۔

دُوسری طرف آزاد ہونے والے دہشت گردوں نے باہر آتے ہی اپنی کاروائیاں تیز سے تیز تر کردی ہیں، انہوں نے تھانوں، پولیس اور رینجرز پر حملے کرکے اپنے مخالفین کو ٹھکانے لگانے کا عمل شروع کر رکھا ہے، چنانچہ اخباری اطلاع کے مطابق اب تک ۶۸۳ پولیس اہلکار اس دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

حیف! صد حیف! کہ کھلے عام مساجد، مدارس اور مذہبی عبادت گاہوں کا تقدس پامال کیا جاتا ہے، نہایت جرأت و ہمت اور بے باکی و بے خوفی سے دن دہاڑے پولیس چوکیوں، رینجرز کی گاڑیوں اور تھانوں پر حملے کئے جاتے ہیں، خودکار ہتھیاروں اور بموں کے ذریعہ معصوم شہریوں کو خون میں نہلایا جاتا ہے، مگر حکومت و انتظامیہ دہشت گردوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی...!

کس قدر حیرت و تعجب کی بات ہے کہ قوم و ملک کے محافظوں کو گولیوں کا نشانہ بناکر، ان کی خدمات کا صلہ دیا جاتا ہے! مساجد و مذہبی عبادت گاہوں میں نہتے شہریوں کو خاک وخون میں تڑپا کر انہیں دِین و مذہب سے تعلق کی سزا دی جاتی ہے! کس قدر بھیانک صورتِ حال ہے کہ پولیس اور رینجرز عوام کے تحفظ کی بجائے خود اپنے دفاع اور تحفظ پر مجبور ہے...!

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو حکومتی ادارے اور فورسز اپنے جوانوں کے تحفظ پر قادر نہ ہوں اور مسلح ہونے کے باوجود وہ اپنے مراکز یعنی تھانوں، پولیس

چوکیوں اور گاڑیوں میں بھی محفوظ نہ ہوں، وہ عوام کا کیونکر تحفظ کرسکیں گے؟

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر چاہئے تو یہ تھا کہ حکومت اپنی ناکامیوں کے اسباب وعلل پر غور کرتی، ان کے سدِ باب اور ازالے کی کوشش کرتی، عوام کو تحفظ فراہم کرتی، مجرموں کا قلع قمع کرتی، جو لوگ ایسی گھناؤنی کارروائیوں میں ملوّث ہیں، ان کا کھوج لگاتی اور شریف شہریوں کا دُکھ درد بانٹتی، نہیں تو کم از کم اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقتدار کی کرسی سے الگ ہوجاتی، مگر افسوس! کہ اس سب کے باوجود اربابِ حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی اور وہ ایسے کسی اقدام کے لئے آمادہ نہیں، جس سے ان کے اقتدار کو نقصان پہنچے یا ان کے حلیف ان سے خفا ہوجائیں، بلکہ اُلٹا انہوں نے ان کارروائیوں کو بھی دِین داروں اور مذہبی لوگوں کو بدنام کرنے کے لئے مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا۔

اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سندھ مدرسہ کی حیدری مسجد کے سانحے کو تمام ایجنسیوں اور اخبارات نے خودکش حملہ قرار دیا، لیکن دُوسرے دن اخبارات میں حملہ آور کا جو تصویری خاکہ شائع کیا گیا وہ داڑھی اور ٹوپی کے ساتھ تھا، کیا کوئی تصویر سازوں سے پوچھ سکتا ہے کہ جو شخص خودکش حملے میں کام آگیا، آپ نے اس کی تصویر کہاں سے حاصل کی؟ کیا آپ ساتھ تھے؟ یا آپ کے مشورے سے ایسا ہوا؟ نہیں تو جس کی لاش کے ٹکڑے ہوگئے اور اس کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی، اس کی تصویر کہاں سے دستیاب ہوگئی...؟

دراصل بیوروکریسی ایسی وارداتوں کو فرقہ وارانہ کارروائیوں کا رنگ دے کر شیعہ سنی فسادات کی آڑ میں مذہبی طبقات کو کچلنا چاہتی ہے، اس لئے مذہبی طبقوں کو بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے ان سازشوں سے ہوشیار رہنا چاہئے، چنانچہ سندھ مدرسہ کی حیدری مسجد کے سانحے کے موقع پر جعفریہ الائنس کا یہ بیان کہ: ”یہ واردات دراصل نجف اور کربلا میں ہونے والی دہشت گردی سے توجہ ہٹانے کے لئے امریکی ایجنٹوں نے

کرائی ہے'' نہایت بروقت اور دانش مندانہ ہے، یقیناً اس سے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکانے والے امن دُشمنوں کے ناپاک عزائم خاک میں مل گئے ہوں گے۔

ہمارے خیال میں ملکی پولیس اور تفتیشی ایجنسیوں کا ایسے ہر حملے کو خودکش کہنا بھی اپنے سر سے بلا ٹالنے کے مترادف ہے۔

پھر یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ ایک طرف تو ہماری حکومت امریکہ بہادر کی خوشنودی کے لئے ملک کے شریف شہریوں اور معصوم مسلمانوں پر آگ و آہن کی بارش کرتی ہے، لیکن دُوسری طرف وہ تھانوں، پولیس پارٹیوں، فوج اور رینجرز پر حملہ آور دہشت گردوں اور مساجد و مذہبی عبادت گاہوں کا تقدس پامال کرنے والے درندوں کا قلع قمع کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔

بلاشبہ اس وقت ہر پاکستانی اور شریف شہری اس کرب و ابتلا سے دوچار ہے کہ جو حکومتی ادارے، ایجنسیاں اور فورسز خود دہشت گردی کا شکار ہیں، وہ ہمارا تحفظ کیونکر کریں گی؟ اسی طرح وہ اس بدترین ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے کہ جو لوگ اپنے دفاع پر مجبور ہیں وہ قوم و ملک کا دفاع کیسے کریں گے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت پورے ملک میں دہشت گردوں کا راج ہے اور قوم و ملک کو امن دُشمن دہشت گردوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے، اور یہاں جبر و تشدّد اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آخر پولیس اور رینجرز اتنی بے وزن کیوں ہوگئی ہے؟ ان کا رُعب اور دبدبہ کیوں جاتا رہا؟ آخر وہ کون سی ایسی تبدیلی رُونما ہوئی ہے کہ جو لوگ کسی زمانے میں ان فورسز کو اپنا محافظ و محسن سمجھتے تھے، ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے اور ''پاک فوج کو سلام'' کے عقیدت مندانہ کلمات لکھا کرتے تھے، وہ ایک دم ان کے مخالف کیوں ہوگئے؟ اور ان کی جان کے دُشمن کیوں بن گئے؟ ایسے ہی وہ پولیس اور تھانہ جس کے نام سے لوگوں کو پسینہ آجاتا تھا، یہاں تک کہ تھانہ اور پولیس چوکی سے لوگ راستہ بدل لیا کرتے تھے، آخر ان کی ہیبت کو کیا ہوا؟ ان کا

وہ رُعب و دبدبہ کہاں گیا؟ سوال یہ ہے کہ ایسا کیا انحطاط و تنزل پیش آگیا کہ یہ تمام ادارے اپنا مقام و مرتبہ کھو چکے اور عوام کے دِلوں میں ان کی حیثیت ختم ہوگئی؟ صرف یہی نہیں بلکہ اب تو لوگوں کے دِلوں سے عدالتوں اور ججوں کی قدر و عظمت اور ان کا رُعب و دبدبہ بھی جاتا رہا، کسی زمانے میں مشہور تھا کہ اگر مقدمہ قتل کی دفعہ ۳۰۲ لکھ کر کسی درخت سے باندھ دی جائے تو وہ بھی مارے خوف کے سوکھ جائے، لیکن اب دہشت گردوں کو اس کا بھی خوف نہیں رہا، آخر کیوں...؟ بظاہر اس پر تین طرح کے تجزیئے کئے جاسکتے ہیں:

ا:... دہشت گردی کی یہ تمام کاروائیاں حکومت کے اشاروں اور ان کی آشیرباد سے ہورہی ہیں، بلکہ حکومت اپنے اقتدار کو طول دینے، عوام کو اُلجھائے رکھنے، اپنے مخالفین کو چن چن کر ختم کرنے، ان کو مقدمات میں پھانسنے اور ان پر دہشت گردی کا الزام دینے کے لئے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ سب کچھ خود کرارہی ہے، اس لئے دہشت گردوں کو کسی سزا اور گرفتاری کی قطعاً کوئی فکر، خوف، ڈر، اندیشہ اور پروا نہیں، وہ جب اور جس کو چاہتے ہیں نشانہ بناکر غائب ہوجاتے ہیں اور منصوبے کے تحت حکومت ان کے بجائے پہلے سے طے شدہ ''مخالفوں'' کو ان کی جگہ فٹ کردیتی ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ آج تک ایسی کسی بڑی واردات کا کوئی مجرم گرفتار نہیں ہوا، چنانچہ حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ اسلام آباد، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مولانا عبدالسمیع شہیدؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، مولانا عنایت اللہ شہیدؒ اور مولانا حمیدالرحمٰن عباسی شہیدؒ کے قاتل اوّل تو گرفتار نہیں ہوئے اور جو گرفتار ہوئے اور عدالت نے اپنی حد تک ان کو سزا بھی سنائی، مگر افسوس ان کی سزاؤں پر عمل درآمد تک نہیں ہوسکا اور شنید ہے کہ اب تو وہ جیلوں سے بھی باہر آچکے ہیں۔

۲:... یہ حکومت کی نااہلی، ظلم، زیادتی، مفاد پرستی، اقرباء پروری، اختیارات

کے بے جا استعمال، قانون نافذ کرنے والے اداروں، پولیس اور رینجرز کے حدود سے تجاوز ظلم و تشدّد، ذی اثر مجرموں کو چھوڑنے، بے قصور شہریوں کو بلاجواز ملوّث کرنے، مالی مفادات اور رشوت کے عوض عدل و انصاف فروخت کرنے اور ماورائے عدالت قتل و غارت کا ردِّعمل ہے، گویا ایسا کرنے والے یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اگر تم ہمیں شرافت سے زندہ رہنے کا حق نہیں دوگے تو ہم بھی تمہیں چین سے نہیں رہنے دیں گے۔

۳:... یہ سب کچھ امریکہ اور بین الاقوامی دہشت گردوں کی سازش کا شاخسانہ ہے کہ وہ نہایت ہوشیاری و عیاری سے اپنے زَرخرید اور ذی اثر دہشت گردوں کے ذریعہ ایسی کاروائیاں کراکر حکومتِ پاکستان اور پوری عالمی دُنیا کو یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان ایک دہشت گرد ملک ہے، جہاں تشدّد و دہشت گردی سے کوئی بھی محفوظ نہیں، حتیٰ کہ فوج، رینجرز، پولیس، مساجد اور مذہبی عبادت گاہیں اور نمازی بھی ان پُرتشدّد کاروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہیں، لہٰذا یہاں بھی افغانستان، عراق اور وانا کی طرح آپریشن ضروری ہے۔

غرض اس کا سبب جو بھی ہو، اس کا فوراً تدارک اور سدِ باب ہونا چاہئے۔

بلاشبہ یہ تشدّد و بربریت اور لاقانونیت پاکستانی عوام، اربابِ اقتدار اور خود پاکستان کی بقاء اور سالمیت کے خلاف ایک گہری سازش ہے، اور اس گہری سازش کا انکشاف کرکے اس کا توڑ کیا جانا چاہئے۔

اس کے ساتھ ہی ہم اربابِ اقتدار سے کہنا چاہیں گے کہ وہ افغانستان و عراق سے نام نہاد ''دہشت گردی'' کے خاتمے کی دوڑ میں شرکت اور وانا جنوبی وزیرستان میں چھپے ''القاعدہ'' کے دہشت گردوں کے تعاقب کی بجائے ان آستین کے سانپوں کا کچھ علاج کریں، جنھوں نے مسلمانوں، شریف شہریوں اور نمازیوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ (ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق جون ۲۰۰۴ء)

تجدد پسندی و روشن خیالی
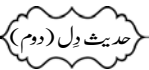
اِعتدال پسندی کا تقاضا!

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ دنوں اسلام آباد کے جناح کنونشن سینٹر میں منعقدہ طلبہ کنونشن برائے ۲۰۰۵ء کے آخری اجلاس سے جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دورۂ حدیث کے طالب علم عزیز سیّد عدنان کاکاخیل نے خطاب کرکے اپنے موضوع میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور نقد ۲۵ ہزار روپے انعام کے مستحق قرار پائے۔

طلبہ کنونشن کے اس اجلاس میں ملک بھر کی اسّی یونیورسٹیوں کے پچانوے ذہین ترین طلبہ کے علاوہ دینی مدارس کے پانچوں وفاقوں کے ایک ایک نمائندہ نے بھی حصہ لیا، کنونشن کے آخری اجلاس میں جہاں ملک بھر کی یونیورسٹیوں کے پانچ ہزار طلبہ، اساتذہ، پرنسپل، وائس چانسلر، جج، دانشور، محققین، وفاقی وصوبائی وزراء، قومی و صوبائی اسمبلی اور سینیٹ کے ارکان موجود تھے، وہاں بالخصوص جناب صدر پرویز مشرف بھی تشریف فرما تھے، تاکہ جو طلبہ اس تقریری مقابلے میں نمایاں پوزیشن حاصل کریں، جنابِ صدر انہیں اپنے ہاتھوں انعام دے کر ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ اس آخری اجلاس کے تیسرے مقرّر جامعہ علومِ اسلامیہ کے طالب علم سیّد عدنان کاکاخیل تھے، جنھیں ''قومی سالمیت ...مواقع اور چیلنجز'' کے موضوع پر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی اور کہا گیا کہ وہ قومی سالمیت کو پارہ پارہ کرنے والے اُمور کی نشاندہی کریں اور

بتلائیں کہ ہم ان چیلنجز سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ اور موجودہ ملکی صورتِ حال، کرپشن، تشدّد، عدم برداشت اور بے یقینی کی کیفیت کے اسباب و علل کیا ہیں؟ جناب سیّد عدنان کا کاخیل نے پیشگی لکھی ہوئی تقریر کے بجائے فی البدیہ خطاب کیا اور نہایت معقول و مدلل انداز سے اپنے موضوع کو اس خوبصورتی سے نبھایا کہ شرکائے اجلاس داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ سیّد عدنان کا کاخیل صاحب نے جنابِ صدر کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے چند ایسے طالب علمانہ سوالات بھی کیئے جو ان کی طبعِ نازک پر گراں گزرے اور انہوں نے اپنی روایتی ناگواری کے ساتھ ان کا نہ صرف جواب دینے کی کوشش کی، بلکہ چند ایسی باتیں بھی ارشاد فرمائیں جو قطعاً ان کے شایانِ شان نہیں تھیں۔

وہ چاہتے تو عدنان کا کاخیل کی اس ''بچکانہ'' جرأت سے صَرفِ نظر بھی فرما سکتے تھے، مگر انہوں نے اسے سنجیدگی سے لے کر پوری قوّت سے اس کی تردید و تغلیط ضروری سمجھی۔

بلاشبہ کسی ملک کا صدر اپنی رعایا کے لئے باپ کا درجہ رکھتا ہے، اور وہ اپنی رعایا کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے، جو ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے، پھر اگر کسی باپ کی اولاد اپنے والد بزرگوار کو اس کی کسی ایسی فروگزاشت یا کمزوری کی طرف متوجہ کرے، جو اس کے خاندان، ملک وقوم کے لئے ضرر رساں ہو، یا اس سے اس کی ذاتی حیثیت و ساکھ متأثر ہوتی ہو، تو عقل مند باپ نہ صرف اس پر خوش ہوتا ہے بلکہ وہ اسے پیار کرتا ہے، اس کی بلائیں لیتا ہے، اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔ چنانچہ تاریخِ اسلام کا اس طرح ایک واقعہ ہمیں اس بات کا سبق دیتا ہے کہ امیر المؤمنین نے یہ جاننے اور معلوم کرنے کے لئے کہ میری رعایا میری غلط پالیسیوں پر تنقید کرتی ہے یا نہیں؟ اس میں حق گوئی کا جذبہ موجود ہے یا ''سب اچھا'' کی خوشامدانہ پالیسی پر گامزن ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے ریاستی خوف کی بنا پر غلط کو غلط کہنا چھوڑ دیا ہو، اور میں غلط کو صحیح جان کر اپنے اسلاف کی راہ

سے ہٹ جاؤں؟ مسلسل کئی خطبوں میں انہوں نے جان بوجھ کر ایک غلط بات کہہ کر اپنی رعایا کا امتحان لیا، اور جب بھری مسجد میں ایک حق گو نے انہیں ٹوکا اور ان کی غلطی کی نشاندہی کی اور ان پر تنقید کے نشتر چلائے تو اس پر انہوں نے بجائے ناگواری و خشونت کے، ناقد کو سینے سے لگایا اور ان کا شکریہ ادا کیا، چنانچہ ملاحظہ ہو:

''حضرت ابوقبیل کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر پر چڑھے اور اپنے خطبہ میں فرمایا: یہ (اجتماعی) مال ہمارا ہے اور خراج کا مال اور لڑے بغیر ملنے والا مالِ غنیمت بھی ہمارا ہے، جسے چاہیں گے، دیں گے اور جسے چاہیں گے نہیں دیں گے۔ اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا، اگلے جمعہ کو بھی انہوں نے (خطبہ میں) یہی بات کہی، پھر بھی کسی نے کچھ نہیں کہا، جب تیسرا جمعہ آیا تو انہوں نے خطبہ میں پھر وہی بات دہرائی تو حاضرینِ مسجد میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

''ہرگز نہیں! یہ (اجتماعی مال) ہمارا ہے، اور یہ خراج کا مال اور مالِ غنیمت ہمارا ہے، لہٰذا جو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگا، ہم اپنی تلواروں سے اس کو اللہ کے فیصلے کی طرف لے جائیں گے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (منبر سے) نیچے اُتر آئے اور اس آدمی کو بلانے کے لئے پیغام بھیج دیا، جب وہ آ گیا تو اسے اندر بلالیا، لوگ کہنے لگے کہ: یہ آدمی تو ہلاک ہوگیا۔ پھر لوگ اندر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: اس آدمی نے مجھے زندہ کردیا، اللہ

اسے زندہ رکھے۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''میرے بعد ایسے امیر ہوں گے کہ اگر وہ کوئی غلط بات کہیں گے تو کوئی ان کی تردید نہ کرسکے گا، وہ آگ میں ایک دُوسرے پر ایسا اندھادھند گریں گے جیسے (کسی درخت کے اُوپر سے) بندر ایک دُوسرے پر چھلانگ لگاتے ہیں۔''

چنانچہ میں نے پہلے جمعہ کو یہ (غلط) بات (قصداً) کہی تھی، کسی نے میری تردید نہیں کی، جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں (آگ میں گرنے والے) ان امیروں میں سے نہ ہوں؟ پھر میں نے دُوسرے جمعہ کو وہی بات دوبارہ کہی، تو پھر بھی کسی نے میری تردید نہ کی، اس پر میں نے اپنے دِل میں کہا: ''میں تو ضرور ان ہی امیروں میں سے ہوں'' پھر میں نے تیسرے جمعہ کو وہی بات تیسری بار کہی، تو اس آدمی نے کھڑے ہوکر میری تردید کی، اس طرح اس نے مجھے زندہ کردیا، اللہ اسے زندہ رکھے۔''

(مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۳۶، حیات الصحابہ ج:۲ ص:۶۷، ۶۸ طبع بیروت)

مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے برعکس صدرِ محترم نے اسلاف کی راہ سے انحراف کرتے ہوئے جناب سیّد عدنان کاکاخیل کی اس حق گوئی و بے باکی اور حقیقت پسندانہ گفتگو کا نہ صرف بُرا منایا، بلکہ اس کی تردید کرنا اور اس کا جواب دینا ضروری سمجھا، جس کا معنی یہ ہے کہ وہ حق گوئی و حقیقت پسندی کی جگہ خوشامد و چاپلوسی کو ترجیح دیتے ہیں، اور وہ ایک جمہوری ملک کے جمہوری حکمران کی بجائے اپنے آپ کو مطلق العنان آمر کہلانا پسند کرتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے نقائص و

عیوب اور کمزوریوں و فروگزاشتوں کی نشاندہی پر اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینے کے بجائے ''سب اچھا'' کا روایتی راگ سننا چاہتے ہیں۔

حالانکہ انہیں معلوم ہوگا کہ مسلمان، مسلمان کا آئینہ ہے، اور آئینے میں انسان اپنی شکل دیکھ کر اپنے چہرے مہرے کے داغ دھبے صاف کیا کرتا ہے، اپنے چہرے کے داغ دھبے دیکھ کر آئینے کو توڑا نہیں جاتا، اور نہ ہی کوئی شخص آئینے کی اس ''گستاخی'' پر خشمگیں ہوا کرتا ہے، بلکہ اپنی شخصیت کے روز مرّہ جائزے اور اصلاح کے لئے اسے سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ جنابِ صدر! اگر جناب سیّد عدنان کاکاخیل نے اپنی تقریر میں آپ کو آئینہ دِکھایا ہے تو اس پر بُرا ماننے یا ناراض ہونے کے بجائے اپنی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، نہ کہ اس کی جگہ اس معصوم کو یہ لطیف دھمکی دی جائے کہ:

> ''یہ ایک وردی والا ہے جو آپ کی باتیں سن رہا ہے،
> اگر یہاں کوئی اور ہوتا تو ان باتوں کے بعد آپ کا مستقبل کیا ہوتا؟ آپ کو اچھی طرح پتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ صدر کو سیّد عدنان کاکاخیل کی اس جرأتِ رندانہ اور ''گستاخی'' سے خاصی تکلیف ہوئی ہے، اور انہوں نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے صرف اس مختصر سی ''مشفقانہ تنبیہ'' پر اکتفا فرمایا، بلکہ انہوں نے اپنی رعایا کے بڑوں، بوڑھوں، نونہالوں اور عوام و خواص کو آگاہ کیا ہے کہ آئندہ کوئی ایسی جرأت کرنے نہ پائے، ورنہ اس کے عواقب و نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ دُوسرے معنوں میں وہ پوری قوم کو تابعِ مہمل دیکھنا چاہتے ہیں، ان سے آزادیٔ اظہارِ رائے کا حق سلب کرنا چاہتے ہیں اور وہ کسی کو یہ حق نہیں دینا چاہتے کہ ان کی پالیسیوں پر تنقید کرے۔

اسی طرح جنابِ صدر کا اپنی جوابی تقریر میں سیّد عدنان کاکاخیل کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہنا کہ:

''میں آپ بنوری ٹاؤن والوں کو اچھی طرح جانتا ہوں،
بزنس ریکارڈر کا دفتر آپ کے مدرسہ کے طلبہ نے ہی جلایا تھا۔''

بلاشبہ ان کا یہ ارشاد بھی ان کے شایانِ شان نہیں تھا، یہ نہ صرف سیّد عدنان کا کاخیل کی شخصیت، ان کی ذہانت و جرأت اور مقبولیت و معقولیت سے خائف ہونے کی علامت ہے، بلکہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے وقار و کردار اور عالمی شہرت کو داغ دار کرنے کے مترادف ہے۔

کیا جنابِ صدر کا یقین سے یہ بات کہنا کہ بنوری ٹاؤن کے طلبہ نے بزنس ریکارڈر کا دفتر جلایا تھا، تہمت و افتراء نہیں؟ اگر نہیں، تو کیا جنابِ صدر اس گھناؤنی کاروائی کے چشم دید گواہ ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے، تو کیا ان کا منصبِ اعلیٰ اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی و اسلامی درس گاہ کے حریف کا کردار ادا کریں اور اسے میڈیا کے سامنے بدنام کریں؟

کیا کوئی ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس واقعہ میں بنوری ٹاؤن کا فلاں، فلاں کارکن یا طالب علم شریک تھا اور اس کو موقع سے گرفتار کر کے سزا دی گئی تھی؟

پھر جنابِ صدر کو بزنس ریکارڈر کے دفتر کا جلایا جانا تو یاد رہا، مگر افسوس کہ اس سانحے کا پسِ منظر اور اس کے اسباب و علل یاد نہیں رہے! اسی طرح انہیں اس عظیم دینی درس گاہ کے پُرامن اکابر اور باخدا مردانِ حق کی پے در پے شہادتیں اور ان کا خونِ ناحق یاد نہیں رہا؟ حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ، مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ کی مظلومانہ شہادت اور ان کے قاتلوں کا آج تک کھلے عام دندناتے پھرنا بھی ان کو یاد نہیں آیا، آخر کیوں...؟

کیا یہ ممکن نہیں کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے عظیم سانحے کو پسِ منظر میں ڈالنے، ملکی و بین الاقوامی میڈیا اور عوام کی نظروں سے اوجھل

کرنے کی خاطر ہماری ذہین وفہیم ایجنسیوں نے یہ کھیل کھیلا ہو؟ جبکہ عام تأثر اور آزاد ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ یہ سارا ڈھونگ ہی اسی لئے رچایا گیا۔

بہرحال جنابِ صدر کے اعلیٰ منصب سے قطعاً یہ میل نہیں کھاتا کہ وہ اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے دُوسروں پر کیچڑ اُچھالیں۔ صدرِ محترم کے اس اندازِ گفتگو سے سیّد عدنان کاکاخیل اور جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی حیثیت تو کیا متأثر ہوگی، البتہ صدر کی ذات ضرور متأثر ہوگی۔

جنابِ صدر کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابرِ سلف کی تقلید کرتے ہوئے اپنی ذات پر کی جانے والی حقائق پر مبنی تنقید کو کھلے دِل سے برداشت کرنا چاہئے، اور اگر واقعی ان میں کوئی کمزوری ہو تو اس کی اصلاح کرنا چاہئے، اسی میں ان کی عظمت و سربلندی ہے اور یہی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا تقاضا ہے۔

میں آخر میں جناب سیّد عدنان کاکاخیل کو مبارک باد دیتا ہوں، جنھوں نے اپنے اسلاف و اکابر کی روایات کا پاس کرتے ہوئے حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کیا اور معقول انداز میں اپنا موقف پیش کرکے عصری علوم کے ماہرین اور دانشوروں کے سامنے یہ واضح کردیا کہ دینی مدارس کے طلبہ باوجود بے سروسامانی کے، اسباب و وسائل سے مالامال عصری تعلیم گاہوں کے مابہ الافتخار اور ذہین طلبہ سے کسی اعتبار سے پیچھے نہیں۔

بلاشبہ سیّد عدنان کاکاخیل کی استعداد و صلاحیت جامعہ علومِ اسلامیہ کے اکابرین و اساتذہ کی حسنِ تربیت و اِصابتِ فکر کا نتیجہ ہے، اور اس کے بانی محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے خلوص و اِخلاص کا مظہر ہے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ)

اصغر خاں کا نظریۂ پاکستان سے اِنحراف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

پاکستان کی سیاست کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بی بی سی کے نشر ہونے والے پروگرام میں ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں نے پاکستان کے آئندہ نظامِ حکومت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا:

> ''ہم لوگ مولویوں کی حکومت کے خلاف ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت عوام کی ہونی چاہئے، انہیں حکومت کرنے کا حق ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ پاپائیت اسلام کا حصہ نہیں اور ہم اس قسم کے نظامِ حکومت کے خلاف ہیں۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۶؍اکتوبر۱۹۸۴ء)

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اسی مقصد کے لئے ہی مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی ان قربانیوں کی ناقدری کی گئی، یہی وجہ ہے کہ تاحال پاکستان میں نفاذِ اسلام کا مرحلہ طے نہیں ہوسکا۔ اسے پاکستانی قوم کی شومیٔ قسمت کہئے یا بے حسی کہ پاکستان میں ... ''تحریکِ استقلال'' کے ناخدا... ایئر مارشل اصغر خاں ایسے بزرجمہر بھی

میدانِ سیاست میں موجود ہیں جو نفاذِ اسلام کے خلاف پوری قوّت کے ساتھ پنجہ آزمائی میں مصروف ہیں، طرفہ تماشا یہ کہ وہ اپنے آپ کو نہ صرف پاکستان کا وفادار بتلاتے ہیں، بلکہ قیامِ پاکستان کے بنیادی مقصد ...نفاذِ اسلام... سے یکسر مختلف مستقبل کی پاکستانی قیادت کے بھی دعوے دار ہیں۔

چلو اچھا ہوا کہ موصوف نے اندر کی بھڑاس نکال لی اور ان کے سینے میں موجود اسلام اور علمائے اسلام کے خلاف بغض و عناد کا راز طشت اَز بام ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس ''ارشاد'' سے جہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ موصوف قیامِ پاکستان اور اس کے استحکام کے سلسلے میں دوقومی نظریہ سے کس قدر متفق ہیں؟ وہاں یہ مخلصینِ ''تحریکِ استقلال'' کے لئے بھی تازیانۂ عبرت ہے جو انہیں اسلامی اقدار کا علم بردار سمجھتے ہوئے اسلام کے نام پر ان کی ہم نوائی کا دَم بھرتے ہیں۔

آں موصوف سے ہم انتہائی ادب و احترام سے صرف اتنی گزارش کرنا چاہیں گے کہ وہ اس کی تفصیل تو بتلا دیتے کہ: ''مولویوں کے نظامِ حکومت'' سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس لئے کہ مولوی تو ہمیشہ اس ضابطۂ حیات کی طرف راہ نمائی کرتا رہا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُمت تک پہنچایا گیا، کیونکہ ایئر مارشل صاحب اس کی مثال پیش نہیں کرسکیں گے کہ علمائے ربانی نے قوم کے سامنے قرآن و سنت کے منافی، ذاتی اغراض و مقاصد پر مبنی کوئی منشور یا دستور پیش کیا ہو، یا یہ کہ علمائے اسلام نے نظامِ اسلام کا وعدہ کرکے حصولِ اقتدار پر اس سے عہد شکنی کی ہو۔ جب ایسا نہیں تو واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ علماء کی مخالفت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظامِ حکومت ...اسلام... کی مخالفت ہے، کیونکہ اگر علمائے اسلام کا کوئی نظامِ حکومت ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ کیا ایئر مارشل صاحب علماء کی مخالفت کے نام سے مسلمانوں کو اسلامی آئین سے بیزار کرکے لارڈ ماؤنٹ بیٹن، ہٹلر اور ماؤزے تنگ کی گود میں ڈالنا چاہتے ہیں...؟ انہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، لہٰذا اس کے اندر اِن شاء اللہ اسلامی آئین نافذ ہوکر رہے گا۔

ہم حکومت سے گزارش کریں گے کہ قوم و ملک کے غدار، لادین اور اسلام دُشمن عناصر کی کڑی نگرانی کی جائے۔

نامعلوم ایئر مارشل صاحب کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں؟ کہ اسلام اور علمائے اسلام کی مخالفت کے ذریعہ عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ جبکہ علماء کو چاندی کی کشتی کے ذریعہ سمندر پار بھیجنے والوں کا انجام بھی ان سے مخفی نہیں، کیونکہ جب علماء کی مخالفت رنگ لائی تو علمائے اسلام کو سمندر پار بھیجنے والوں کو سرزمینِ پاکستان میں دفن ہونا بھی نصیب نہیں ہوسکا، جبکہ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو پاکستان کے اندر ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے محروم رہے۔ اس کے برعکس علمائے ربانی آج تک اسی طرح لادِین عناصر سے برسرِ پیکار ہیں۔ اسی لئے ہم ایئر مارشل صاحب کو مشورہ دیں گے کہ اسلامی آئین کی مخالفت کرکے اپنی دُنیا و آخرت تباہ کرنے کے بجائے: ''قوت نیکی نداری بدمکن'' کے مصداق خاموش رہیں تو ان کے حق میں مفید ہوگا۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۰، ۴ تا ۱۲/صفر ۱۴۰۵ھ)

دورِ حاضر کے فتنوں کا تعاقب!
اور علمائے دیوبند کی مساعی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگو! مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے اس کا فرض تھا کہ اُمت کو وہ چیزیں بتلائے جسے وہ ان کے لئے بہتر سمجھتا ہے، اور ان چیزوں سے ڈرائے جن کو ان کے لئے بُرا سمجھتا ہے، سنو! اس اُمت کی عافیت پہلے حصے میں ہے اور اُمت کے پچھلے حصے کو ایسے مصائب اور فتنوں سے دوچار ہونا پڑے گا جو ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے، ایک فتنہ آئے گا، پس مؤمن یہ سمجھے گا کہ یہ مجھے ہلاک کردے گا، پھر وہ جاتا رہے گا، اور دُوسرا، تیسرا فتنہ آتا رہے گا، اور مؤمن کو ہر فتنے سے یہی خطرہ ہوگا کہ وہ اسے تباہ و برباد کردے گا، پس جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے دوزخ سے نجات ملے اور وہ جنت میں داخل ہو، اس کی موت اس حالت میں آنی چاہئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو....“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۲۶)

یعنی اس اُمت کی یہ خصوصیت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بعد میں آنے والے تمام فتنوں کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا ہے، تاکہ یہ اُمتِ مرحومہ قیامت تک آنے والے ہر فتنے سے بچ کر اپنی متاعِ ایمان صحیح سلامت لے جاسکے، اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے تمام فتنوں کی نشاندہی فرمائی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن فتنوں کی نشاندہی فرمائی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کے خد و خال یہاں نقل کردیئے جائیں:

۱:... ”عن مسلم بن یسار انه سمع أبا هريرة رضی الله عنه يقول: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: يكون فی اٰخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا اٰبائكم، فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم.“ (صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۰)

ترجمہ:... ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ہوں گے، جو تمہارے سامنے (اسلام کے نام سے نئے نئے نظریات) اور نئی نئی باتیں کریں گے، جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادا نے، ان سے بچنا! کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔“

۲:... ”عن العباس بن المطلب رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: يظهر هٰذا الدين حتى يجاوز البحار وحتى يخاض الخيل فی سبيل الله ثم يأتی أقوام يقرءون القراٰن فاذا قرأوه قالوا: قد قرأنا القراٰن فمن أقرأ منّا؟ من أعلم منّا؟ ثم التفت الى أصحابه فقال: هل ترون فی أولٰئک من خير؟ قالوا: لا! قال: أولٰئک منكم، وأولٰئک من هٰذه الأمّة، وأولٰئک وقود النار.“ (کتاب الرقاق ابنِ مبارک ص:۱۵۲)

ترجمہ:... ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دِین یہاں تک پھیلے گا کہ سمندر تک پہنچ جائے گا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بحر و بَر میں گھوڑے دوڑائے جائیں گے، اس کے بعد ایسے گروہ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ لینے کے بعد کہیں گے: ''ہم نے قرآن تو پڑھ لیا، اب ہم سے بڑا قاری کون ہے؟ ہم سے بڑا عالم کون ہے؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ ان میں ذرا بھی خیر ہوگی؟ صحابہؓ نے عرض کیا: نہیں! پھر فرمایا: مگر ایسے لوگ بھی تم مسلمانوں ہی میں شمار ہوں گے، ایسے لوگ بھی اس اُمت میں ہوں گے، یہ لوگ (دوزخ کی) آگ کا ایندھن ہوں گے۔''

اسی طرح بعض فتنوں کی حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی نشاندہی فرمائی ہے:

۳:... ''عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: علیکم بالعلم قبل أن یقبض، وقبضہ أن یذھب بأصحابہ، علیکم بالعلم فان أحدکم لا یدری متی یفتقر الیہ، او یفتقر الٰی ما عندہ، انکم ستجدون أقوامًا یزعمون أنھم یدعونکم الٰی کتاب اللہ وقد نبذوہ وراء ظھورھم، فعلیکم بالعلم، وایاکم والتبدع! وایاکم والتنطع! وایاکم والتعمق! وعلیکم بالعتیق!''

(سننِ دارمی ج:۱ ص:۵۰)

ترجمہ:... ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علم اُٹھ جانے سے پہلے پہلے حاصل کرلو، علم کا

اُٹھ جانا یہ ہے کہ اہلِ علم رُخصت ہوجائیں، خوب مضبوطی سے علم حاصل کرو، تمہیں کیا خبر کہ کب اس کی ضرورت پیش آئے اور علم سے فائدہ اُٹھانا پڑے؟ عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جن کا دعویٰ یہ ہوگا کہ وہ تمہیں قرآنی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ کتاب اللہ کو انہوں نے پسِ پشت ڈال دیا ہوگا، اس لئے علم پر مضبوطی سے قائم رہو، نئی اُپچ، بے سود کی موشگافی اور لایعنی غور و خوض سے بچو! (سلف صالحین کے) پُرانے راستے پر قائم رہو۔"

۴:... **"عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال: لا يأتی عليكم عام الا وهو شر من الذی كان قبله اما انی لست أعنی عاما أخصب من عام ولا أميرا خيرا من أمير ولٰكن علمائكم وخياركم وفقهاءكم يذهبون، ثم لا تجدون منهم خلفاء ويجئ قوم يقيسون الأمور برأيهم."** (دارمی ج:۱ ص:۵۸)

ترجمہ:... "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تم پر ہر آئندہ سال پہلے سے بُرا آئے گا، میری مراد یہ نہیں کہ پہلا سال دُوسرے سال سے غلے کی فراوانی میں اچھا ہوگا یا ایک امیر دُوسرے امیر سے بہتر ہوگا، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ تمام علماء، صالحین اور فقیہ ایک ایک کرکے اُٹھتے جائیں گے اور تم ان کا بدل نہیں پاؤ گے اور (قحط الرجال کے اس زمانے میں) بعض ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دِینی مسائل کو محض اپنی ذاتی قیاس آرائی سے حل کریں گے۔"

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

"قال: انه سيأتی ناس يجادلونكم بشبهات

القرآن فخذوهم بالسنن فان أصحاب السنن أعلم بكتاب الله." (دارمی ج:۱ ص:۴۷)

ترجمہ:... "عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن (کی غلط تعبیر) سے (دِین میں) شبہات پیدا کرکے تم سے جھگڑا کریں گے، انہیں سنن سے پکڑو، کیونکہ سنت سے واقف حضرات کتاب اللہ (کے صحیح مفہوم) کو خوب جانتے ہیں۔"

قربِ قیامت میں دِین میں جدّت طرازی اور نئی نئی باتیں داخل کرکے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد اور جماعت بنانے والے لوگ یہ سب کچھ دِینی غرض اور جذبے سے نہیں کریں گے، بلکہ ان کا مقصد شہرت طلبی کے سوا کچھ نہ ہوگا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"تمہارے بعد بہت سے فتنے پیدا ہوں گے، اس زمانے میں مال بہت ہوگا اور قرآن (ہر ایک کے لئے) کھلا ہوا ہوگا، جس سے مؤمن بھی دلیل پکڑے گا اور منافق بھی، مرد بھی دلیل پکڑے گا اور عورت بھی، بڑا بھی اور چھوٹا بھی، غلام بھی اور آزاد بھی، بعید نہیں کہ کوئی کہنے والا یہ کہے کہ: "کیا بات ہے کہ میں نے قرآن پڑھ لیا پھر بھی لوگ میری پیروی نہیں کرتے؟ لوگ میری پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ میں ان کے سامنے کوئی نئی بات نہ پیش کروں!" پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس دِین میں جدّت طرازی سے بچتے رہنا! کیونکہ ایسی جدّت (نئی بات) گمراہی ہے....." (ابوداؤد ص:۶۳۳)

بلاشبہ ہمارا دور، وہ دور ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نشاندہی فرمائی ہے۔ یوں تو اس دور میں ہر

طرف فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں اور ہر فتنہ پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، اور پوری دُنیا کے مسلمان ان فتنوں کی لپیٹ میں ہیں، مگر ہند و پاک بطورِ خاص ان فتنوں کی آماج گاہ ہیں۔

آج سے ایک سو سال قبل مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٔ نبوّت کرکے اُمت کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالا، اس سے ابھی مسلمان نکلنے نہ پائے تھے کہ غلام احمد پرویز نے انکارِ حدیث کا زہر اُگلنا شروع کردیا، مسلمان اس فتنے کی زہرناکی سے ابھی پورے طور پر محفوظ نہ ہوئے تھے کہ لامذہبیت نے اپنے پَر پُرزے نکالنا شروع کردیئے، اس کی ابھی سرکوبی نہ ہوئی تھی کہ ایک نام نہاد ''اسلام پسند'' نے اسلاف بیزاری اور طعنِ صحابہ کا بازار گرم کردیا، مسلمان ابھی اس کشمکش میں تھے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ''تحقیقاتِ اسلامی'' کے عنوان سے حکومت کی سرپرستی میں مسلمانوں کو دِین بیزاری کی چکی میں پیسنا شروع کردیا، اکابر علمائے اُمت نے اس کا تعاقب شروع کیا ہی تھا کہ دُوسری جانب سے چھوٹے بڑے نام نہاد اسکالر رُجوع الی القرآن کی خودساختہ تحریکوں کا سہارا لے کر میدان میں کود گئے، اس طرح بیک وقت علمائے اُمت نے چومکھی لڑائی لڑکر اُمت کے دِین و ایمان کا تحفظ کیا۔

یہ ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہمارے ملک کو صالح قیادت میسر نہیں آئی، بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو انگریز اور اس کی باقیات ہم پر ہمیشہ مسلط رہی ہیں، جن کا شروع سے یہ فلسفہ رہا ہے کہ مسلمانوں کو دِینی و مسلکی اختلافات اور عقائد کی جنگ میں مصروف رکھ کر اپنے اقتدار کو طول دیا جائے، چنانچہ در پردہ بے دِینی کی تمام تحریکات کو دِین بیزار حکمرانوں کی شہ، بلکہ سرپرستی حاصل رہی ہے، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم حکمرانوں اور خلافتِ اسلامیہ کے دور میں، جس کسی نے بھی قرآن و سنت اور مُسلَّماتِ اُمت کے خلاف زبانِ طعن کھولنے کی کوشش کی، اسے ایسی عبرتناک سزا دی گئی کہ نہ صرف اس کا دِماغ دُرست ہوگیا بلکہ ہمیشہ کے لئے

اس فتنے کا سدِ باب ہوگیا، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص کے دِماغ میں اس قسم کا سودا سوار ہوا اور وہ لوگوں سے اُلٹے سیدھے سوالات کرکے ان کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے لگا، جب اس کی شرارتوں کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ روزانہ اس کی فہمائش کی جائے اور درّے لگائے جائیں، چند دن ہی گزرے تھے کہ وہ صاحب جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کئے گئے تو کہنے لگے: اگر آپ ویسے مجھے قتل کرنا چاہیں تو آپ کی مرضی، مگر بحمداللہ میرا دِماغ دُرست ہوگیا ہے اور میں آئندہ کے لئے اس سے توبہ کرتا ہوں اور یقین دِلاتا ہوں کہ آئندہ آپ مجھے ایسی کسی حرکت کا مرتکب نہیں پائیں گے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا، چنانچہ حیات الصحابہؓ، کنز العمال اور دارمی میں ہے:

"أخرج الدارمی وابن عبدالحکم وابن عساکر عن مولی ابن عمر رضی اللہ عنهما أن صبیغا العراقی جعل یسأل عن أشیاء عن القراٰن فی أجناد المسلمین حتی قدم مصر فبعث به عمرو بن العاص الی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهما، فلما أتاه الرسول بالکتاب فقرأه فقال: أین الرجل؟ فقال: فی الرحل، قال عمر: أبصر أن یکون ذهب فتصیبک منی العقوبة الموجعة! فأتاه فقال له عمر: عم تسأل؟ فحدثه فأرسل عمر الیّ یطلب الجرید فضربه بها حتی ترک ظهره دبرة، ثم ترکه حتی برأ ثم عاد له ثم ترکه حتی برأ، ثم دعا به لیعود به فقال صبیغ: یا أمیر المؤمنین! ان کنت ترید قتلی فاقتلنی قتلا جمیلا! وان کنت ترید تداوینی

فقد والله برأت! فأذن له الٰی أرضه وكتب له الٰی أبی موسی الأشعری رضی الله عنه: ان لا يجالسه أحد من المسلمين، فاشتد ذٰلک علی الرجل فكتب أبو موسی الٰی عمر: أن قد حسنت هيئته، فكتب: أن ائذن للناس فی مجالسته.

وعند الدارمی أيضًا وابن الأنباری وغيرهما عن سليمان بن يسار أن رجلا من بنی تميم يقال له صبيغ بن عسل قدم المدينة وكان عنده كتب فكان يسأل عن متشابه القراٰن، فبلغ ذٰلک عمر فبعث اليه وقد أعد له عراجين النخل، فلما دخل عليه قال: من أنت؟ قال: أنا عبدالله صبيغ! قال عمر: وأنا عبدالله عمر! وأومأ اليه فجعل يضربه بتلک العراجين فما زال يضربه حتی شجه وجعل الدم يسيل علی وجهه، فقال: حسبک يا أمير المؤمنين، والله! فقد ذهب الذی أجد فی رأسی.''

(حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۲۳۳،۲۳۴، کنز العمال ج:۱ ص:۲۲۸)

ترجمہ:...''دارمی، ابنِ عساکر اور ابن عبدالحکم نے مولیٰ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ صبیغ عراقی لوگوں سے قرآنِ کریم کے (متشابہات کے) بارے میں پوچھتا تھا (اور ان کو پریشان کرتا تھا)، جب وہ مصر آیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا، اور ساتھ ہی ایک خط میں اس کے بارے میں تفصیل لکھ کر قاصد کے حوالہ کی، جب حضرت عمرو بن عاص

رضی اللہ عنہ کا قاصد خط لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپؓ نے فرمایا: وہ آدمی کہاں ہیں؟ بتلایا گیا کہ وہ باہر قافلے میں ہے، فرمایا: دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھاگ جائے اور اس کے بدلے میں تجھے سزا بھگتنی پڑے۔ چنانچہ حسبِ ارشاد جب اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؓ نے اس سے پوچھا: ہاں میاں! لوگوں سے کیا پوچھتے ہو؟ (جب اس نے بتلایا) تو حضرت عمرؓ نے ایک چھڑی منگوائی اور اس کی پٹائی شروع کردی، یہاں تک کہ اس کی پیٹھ زخمی ہوگئی تو اس کی پٹائی موقوف کرکے اسے قید کردیا، تھوڑے دنوں کے بعد اسے بلایا اور پھر اسی طرح پٹائی کی اور قید کردیا، تیسری بار جب اس کو بلاکر پٹائی کرنا چاہی تو اس نے کہا: امیرالمؤمنین! اگر تو آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو ویسے ہی آپ مجھے قتل کردیں، لیکن اگر آپ میرے دِماغی سودا کا علاج کرنا چاہتے تھے تو بلاشبہ میرا علاج ہوچکا ہے اور اب میرے سر سے وہ سودا جاتا رہا ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے علاقے میں واپس جانے کی اجازت دے دی، مگر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اس کو مسلمانوں کے ساتھ نہ بیٹھنے دیا جائے۔ بلاشبہ یہ اس کے لئے بہت بڑی سزا تھی (کیونکہ وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا)، اس کے کچھ دنوں بعد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اب اس کی حالت اچھی ہوگئی ہے، تب امیرالمؤمنین نے اس کو مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

اسی طرح دارمی اور ابنِ انباری وغیرہ میں سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ: قبیلہ بنوتمیم کا صبیغ بن عسل نامی ایک شخص

مدینہ منوّرہ میں آیا، جس کے پاس کچھ کتابیں تھیں، وہ لوگوں سے متشابہاتِ قرآن کے بارے میں سوال کرتا (اور ان کے ذہن کو مشتبہ کرتا) تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے آدمی بھیج کر اس کو اپنے پاس بلایا، مگر پہلے سے کھجور کی دو لکڑیاں منگوا کر رکھ لیں، جیسے ہی وہ امیرالمؤمنینؓ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: اللہ کا بندہ صبیغ! یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمر ہوں! یہ کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا اور دونوں چھڑیوں سے اس کی پٹائی شروع کردی، یہاں تک کہ اس کا سر زخمی ہوگیا اور اس کے سر سے خون بہہ کر اس کے چہرے پر آنے لگا تو صبیغ نے کہا: امیرالمؤمنین! بس کیجئے، اللہ کی قسم! میرے سر سے وہ سودا جاچکا جس کی آپ اصلاح کرنا چاہتے تھے۔‘‘

غرضیکہ اگر حکومتِ وقت دِین دار ہو اور بے دِینوں کا راستہ روکنا چاہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے بددِین پنپ سکیں یا وہ اپنے خودساختہ عقائد و نظریات کا اظہار کرکے اُمت کو گمراہ کرسکیں۔

دِینِ اسلام چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دِین ہے، اس لئے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت قیامت تک باقی رہے گی اسی طرح یہ دِین بھی قیامت تک باقی رہے گا، مگر دِین دُشمن افراد اور قوّتوں کی روزِ اوّل سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح اس کے تابناک چہرے کو مسخ کرکے اس کی شکل بگاڑ دی جائے اور مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے دِین و مذہب سے ناآشنا ہوجائیں، انہیں صحیح اور غلط کی تمیز نہ رہے، اس لئے ان کا پروگرام تھا کہ اس آفاقی دِین میں بھی من مانی تحریفات کرکے مسلمانوں کو اس سے برگشتہ کردیا جائے۔ ابتدا میں اگرچہ یہ

نامسعود کوششیں یہود و نصاریٰ کرتے رہے، مگر انہوں نے جب اس میدان میں ناکامی کا منہ دیکھا تو اپنے زَرخرید غلاموں کو اس مشن پر لگادیا، چنانچہ اسلام کا نام لینے والے ان اسلام دُشمنوں نے اسلامی ریسرچ و تحقیق کے عنوان سے اس شجرۂ طیبہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی، اور نت نئے انداز سے اس پر تابڑتوڑ حملے کیے، اور جہالتِ جدیدہ کے ان علم برداروں نے اسلام کے خوشنما چہرے کو بدنما شکل میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش شروع کردی، صرف یہی نہیں بلکہ اسلام کے قطعی اور منصوص اُصول اور قوانین پر بالفعل کتر بیونت کی مشقِ ناز شروع کردی، چنانچہ اس میدان میں کہیں غیر مقلدیت میدان میں آئی تو کہیں بریلویت نے سر اُٹھایا، کہیں فتنۂ مودودیت پیدا ہوا تو کہیں فتنۂ انکارِ حدیث نے جنم لیا، کہیں دِین دار انجمن نے اسلام کا لبادہ اوڑھا تو کہیں فتنۂ گوہر شاہی نے مہدی و مسیح ہونے کا بگل بجایا، کہیں رافضیت نے پَر پُرزے نکالے تو کہیں آغاخانیت نے ردائے باطنیّت کو چاک کردیا، کہیں مہدویوں نے اپنے وجود کا احساس دِلایا تو کہیں ذِکریوں نے اپنے کفر کو اسلام باور کرانا شروع کردیا، کہیں محمد شیخ نے غلام احمد کے بروز کا رُوپ دھارا تو کہیں اس کے شاگرد بابر چوہدری نے غلام احمد پرویز کی جانشینی کا علم بلند کرنا شروع کردیا، کہیں ڈاکٹر مسعود عثمانی نے توحید کے نام پر سماعِ موتیٰ، حیاتِ انبیاء اور عذابِ قبر کا انکار کرتے ہوئے اکابرینِ اُمت پر کفر و شرک کی مشین گن چلائی تو کہیں نام نہاد جماعت المسلمین نے تکفیرِ اُمت کا ٹھیکہ سنبھال لیا، کہیں خارجیوں نے صحابہ دُشمنی کا راگ الاپنا شروع کیا تو کہیں بہائیوں نے بہاء اللہ ایرانی کی نبوّت کی تبلیغ شروع کردی، کہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے ملحد نے اسلام کو جہالتِ جدیدہ کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تو کہیں عمر احمد عثمانی نے احادیثِ رسولؐ پر اپنا ناپاک تیشہ چلایا، کہیں ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلافِ اُمت سے الگ راہ لی تو کہیں جاوید احمد غامدی جیسے ملحدوں نے رجم کی احادیث اور سزائے اِرتداد کا انکار کرکے اُمت سے اعتزال کی راہ اختیار کی، کہیں

امین احسن اصلاحی نے تدبرِ قرآن کے عنوان سے رجم کی احادیثِ صحیحہ کا انکار کیا، تو کہیں وحیدالدین خان نے مُسلَّماتِ دِین سے انحراف کرتے ہوئے دِین کے نام پر بے دِینی کو رواج دیا، کہیں سرسیّد نے معجزات، ملائکہ اور جنت وجہنم کا انکار کیا تو کہیں غلام احمد پرویز نے ذخیرۂ احادیث پر ہاتھ صاف کیا، کہیں عبداللہ چکڑالوی نے تو کہیں اسلم جیراجپوری نے انکارِ حدیث کے عنوان سے عمارتِ دِین کو منہدم کرنے کی ناپاک کوشش کی، الغرض گزشتہ سو سال سے ہند و پاک میں اسلام کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور مختلف اوقات میں مختلف ناموں اور خوشنما عنوانات سے دِین و مذہب کی بیخ کنی کی ناپاک کوششیں کی جاتی رہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے حق علمائے دیوبند کو، جنھوں نے ہمیشہ اس طوفانِ بلاخیز کے سامنے نہ صرف بند باندھنے کی کوشش کی بلکہ انہوں نے دِین دُشمنی کی ان آندھیوں کا رُخ موڑ کر اُمتِ مسلمہ کی بروقت دستگیری کی، ان تمام فتنہ پروروں کے عزائم خاک میں ملائے، تقریر وتحریر کا میدان ہو یا مناظرے ومباہلے کا، ہر میدان میں ان کا تعاقب کیا اور انہیں ہر اسٹیج پر لاجواب کیا، چنانچہ غلام احمد قادیانی سے لے کر دورِ حاضر کے وحیدالدین اور محمد شیخ تک کوئی ایسا فتنہ یا فتنہ پروَر نہیں، جس کے خلاف ہمارے اکابر میدان میں نہ آئے ہوں، اور تاریخ شاہد ہے کہ اکابرینِ دیوبند جہاں بھی گئے انہوں نے فتح وکامرانی کے جھنڈے لہرائے اور ہمیشہ کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

دورِ حاضر کے فتنوں میں سے کون سا ایسا فتنہ ہے جس کے خلاف ہمارے اکابر نے تصنیفی ذخیرہ نہیں چھوڑا، اور کون سا ایسا میدان ہے جس میں انہوں نے اُمت کی راہ نمائی نہ کی ہو؟ چنانچہ قادیانیت، رافضیت، خارجیت، آغاخانیت، پرویزیت، چکڑالویت، غیرمقلدیت، بریلویت، مہدویت، بہائیت، مودودیت کے علاوہ ذِکری، ڈاکٹر عثمانی، گوہرشاہی، وحیدالدین، امین احسن اصلاحی، محمد شیخ اور جماعت المسلمین میں سے ہر ایک فتنے کے خلاف بحمداللہ متعدّد ضخیم کتب موجود ہیں،

چنانچہ دورِ حاضر کے اکابرین میں سے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہٗ، مولانا محمد امین اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کی تصانیف ہی ان تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے بہترین ہتھیار کا کام دے سکتی ہیں، جبکہ اسلاف اکابر کی تحقیقات اس کے علاوہ ہیں۔ دورِ حاضر کے فتنوں کے خلاف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کے قلمی جہاد اور دورِ حاضر کے تجدّد پسندوں کے خلاف ان کی جدوجہد کی سرگزشت کا کچھ ہلکا سا اندازہ آپؒ کی تصنیف ''دورِ حاضر کے تجدّد پسندوں کے افکار'' اور راقم الحروف کے مضمون ''فرَقِ باطلہ کے خلاف قلمی جہاد'' سے لگایا جاسکتا ہے۔

''پُرانے شکاری نیا جال'' کے مصداق اُستادِ مغرب نے اب ایک نئے انداز سے اُمتِ مسلمہ کو جادۂ مستقیمہ سے ہٹانے کی چال چلی ہے، ہندوستان کی سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ یہاں تجدّد پسندی کی ہر تحریک کا بانی اور موجد کوئی نہ کوئی مرد رہا ہے، مگر دانش گاہِ افرنگ نے اپنے سو سالہ تجربے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے محسوس کیا کہ مردوں کی ناکامی کے بعد اس بار کسی صنفِ نازک کو اس کام کے لئے استعمال کیا جائے، چنانچہ قرآن فہمی کے عنوان اور ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' کے خوبصورت نام سے تحریفِ قرآن کی جو تحریک برپا کی گئی ہے، چشمِ بددُور! اس کی بانی مبانی اور رُوحِ رواں ایک خاتون ہے، اور خیر سے اس نے انگلینڈ سے سندِ فراغ حاصل کی ہے، اور اپنے مستشرق اساتذہ کے فلسفۂ اِستشراق کو ''اسلام'' کے نام پر پاکستان میں پروان چڑھانے اور پھیلانے کے لئے رات دن کوشاں ہے، اگرچہ اس نے ابھی تک اپنے افکار و نظریات کو ردائے تقیہ میں لپیٹ رکھا ہے، مگر جو کچھ ان کی تقاریر و بیانات کی کیسٹوں یا ان کے سامعین کی زبانی معلوم ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی طوفانِ بلاخیز کا پیش خیمہ ہے۔ ہمارے خیال میں ان کی زبان و بیان سے نادانستہ، بے ساختہ یا بے خیالی میں جو کچھ صادر ہوا ہے اس کی سنگینی کسی قیامت خیز دھماکے کی نشاندہی کرتی ہے، اس

لئے اس کے عقائد و نظریات کے بارے میں جب علمائے کرام سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے اس کے دستیاب عقائد و نظریات اور احساسات و خیالات کی روشنی میں اُمت کی راہ نمائی کی، چنانچہ اسی قسم کی ایک دستاویز کے تعارف میں راقم الحروف نے موصوفہ کے بارے میں ''بینات'' ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ میں جو کچھ لکھا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں بعینہٖ نقل کر دیا جائے، اور وہ یہ ہے:

''گزشتہ ایک ڈیڑھ سال سے انگلینڈ سے درآمد شدہ ایک خاتون جو اپنے آپ کو عقلِ کل جانتی ہے، اس نے ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' کے نام سے عورتوں میں دِین کے نام پر بے دِینی اور تفسیر کے نام پر تحریف کا بازار گرم کر رکھا ہے، اس کی کھلے عام کیسٹیں فروخت ہو رہی ہیں، اور لوگ ہیں کہ اس نسوانی آواز پر مرے جا رہے ہیں۔ چنانچہ مردوں نے تفریحِ طبع کے لئے ان کیسٹوں کو اپنی گاڑیوں میں لگا کر سننا شروع کر دیا ہے، اور ان کیسٹوں میں بیان کردہ خودساختہ مسائل کی روشنی میں ذہنی خلفشار کا شکار ہو رہے ہیں، کیونکہ مسلمانوں نے چودہ صدیوں سے یہی سنا تھا کہ: حالتِ حیض میں نماز اور قرآن پڑھنا منع ہے، اور ناپاکی کی صورت میں قرآن کو ہاتھ لگانا ناجائز ہے۔ نماز فوت ہوجائے تو اس کی بعد میں قضا پڑھنا لازم ہے کہ صحابہ کرامؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں رہ جانے والی نماز بعد میں باجماعت قضا کی تھی۔ اسی طرح ان کو معلوم تھا کہ غیرمحرَم اور اجنبی خواتین سے بالمشافہ ملاقات کرنا اور ان کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہے، کچھ پوچھنا بھی ہو تو: ''فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' (پس پوچھو ان سے پردے کے پیچھے)، بلکہ اگر کبھی کوئی خاتون باہر نکلے اور کسی مرد سے اس کا سامنا ہوجائے تو

مسلمان مرد اور عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی کرلیں کہ ارشادِ الٰہی ہے: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ“ (النور: ۳۰، ۳۱) (آپ فرمادیجئے مؤمن مردوں سے کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہوں کو اور حفاظت کریں اپنی شرم گاہوں کی، یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور فرمادیجئے مؤمن عورتوں سے کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں)۔

ان کو معلوم تھا کہ کسی مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے تو اسے نفع ہوتا ہے اور ثواب ان تک پہنچتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لئے کھودے گئے کنویں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”هٰذا لِاُمِّ سعد!“ (یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے)۔ انہیں معلوم تھا کہ عورت و مرد کے جس طرح اور دُوسرے اَحکام مختلف ہیں، ایسے ہی نماز کا طریقہ بھی قدرے مختلف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ مرد تکبیرِ تحریمہ میں کانوں تک اور عورتیں سینہ برابر ہاتھ اُٹھائیں۔ انہوں نے اب تک یہی سنا تھا کہ عورتوں کا مسجد کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اور عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے اپنی نگاہوں پر اُچک لیتا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آج کی عورتوں کے حالات معلوم ہوتے تو مسجد میں آنے

سے منع فرمادیتے۔ اسی طرح مسلمانوں نے آج تک یہی سنا تھا کہ عورت بغیر محرَم کے تین دن کا سفر نہ کرے، کیونکہ ارشاد ہے: ”لا تسافر امرأة مسيرة يوم وليلة الا معها ذو محرَم“ (نہ سفر کرے کوئی عورت ایک دن اور رات کا مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرَم ہونا چاہئے)۔ مگر اس جدّت پسند اور آزاد خیال، نام نہاد مفسّرہ نے ان تمام مسائل کا انکار کرتے ہوئے باور کرایا کہ اس کے خیال میں ان سب اُمور کی اجازت ہے، چنانچہ اس کے ہاں حالتِ حیض میں نماز و قرآن پڑھنا جائز ہے، ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز ہے، نماز کی قضا نہیں، چہرے کا پردہ نہیں، عورت اور مرد کا بلاحجاب میل جول جائز ہے، ایصالِ ثواب کا کوئی وجود نہیں، مرد اور عورت کی نماز ایک طرح ہے، عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھا کریں، اور خواتین بغیر محرَم کے جہاں چاہیں آئیں جائیں، ان پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ حد تو یہ ہے کہ چشمِ بددُور! عورت، مردوں کی امامت بھی کراسکتی ہے، ما شاء اللہ! کیا خوب نئی شریعت ایجاد فرمائی، اور نوجوانوں کی تفریحِ طبع کے لئے کیا خوب سامان مہیا فرمائے...! اسی طرح اس کی کیسٹیں سن کر ایک نوجوان نے پوچھا کہ عورت کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے؟ میں نے کہا: شریعت میں تو جائز نہیں، البتہ دورِ حاضر کی ایک ”مجتہدہ“ کے ہاں یہ جائز ہے۔ شاید اس لئے کہ اگر کسی جوان خاتون کو کسی جگہ امام مقرّر کرلیا جائے تو ہمارے معاشرے کا نوجوان طبقہ وہاں خوب ”ذوق و شوق“ سے لمبی لمبی نمازیں پڑھے گا، ممکن ہے یہ فتویٰ اور مسئلہ بھی اسی غرض سے گھڑا گیا ہو کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس تحریکِ اِلحاد کی طرف متوجہ

ہوں، اور خوبرو دوشیزہ کی اقتدا میں نہایت ذوق وشوق سے پانچ وقتہ نماز ادا کیا کریں۔

آج کا ہر دن نیا فتنہ لے کر طلوع ہوتا ہے، اور ہر فتنہ پہلے سے شدید اور مہلک تر ہوتا ہے، پیشِ نظر کتاب میں ایسے ہی ایک جدید فتنے کا مدلل تعاقب کیا گیا ہے، جس کی بانی مبانی بھی خیر سے ایک خاتون ہی ہیں، اور وہ بُڑھیا کے باز کی طرح اسلام کا سب کچھ کاٹ کر اُمتِ مسلمہ کے سامنے پیش کر رہی ہیں۔''

جب تفسیر کے نام پر تحریفِ قرآن کا یہ سلسلہ بڑھا تو بہت سے مسلمان گھرانے براہِ راست اس سے متاثر ہوئے، جب بے دِینی کی یہ آگ ہر گھر کی دہلیز پر پہنچی اور اخبارات و میڈیا نے اسے اُچھالا تو دِین داروں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی، مسلمانوں کے اس اضطراب کو دیکھتے ہوئے ہمارے مخدوم زادے صاحبزادہ عزیز مولوی محمد طلحہ رحمانی، خلف رشید حضرت مولانا مفتی احمدالرحمٰن قدس سرہٗ نے، اس کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے براہِ راست اس موصوفہ سے رابطہ کیا، مگر وہاں سے کوئی جواب نہ ملا، البتہ موصوف کی جستجو اور مختلف جگہوں پر رابطہ کرنے سے موصوفہ کی فکر و سوچ سے منحرف کئی مرد و خواتین کا پتہ مل گیا، جن سے رابطہ کرکے عزیز موصوف نے ان سے متعلق معلومات اور عقائد و نظریات جمع کئے اور مولانا مطیع الرحمٰن صاحب متخصّص جامعہ علومِ اسلامیہ کو اس کام پر لگایا، جنھوں نے اس کے عقائد و نظریات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھا اور اس کے پیدا کردہ شبہات اور مغالطوں کا جواب لکھا، جسے ہمارے مخدوم مکرّم اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے علمی جانشین، حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی دامت برکاتہم نے بالاستیعاب، اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نائب رئیس دارالافتاء مفتی عبدالمجید دین پوری مدظلہ العالی نے اس کا بیشتر حصہ پڑھا، اس کی اصلاح کی اور اس پر پیش لفظ لکھا اور اسے شائع

کر کے مسلمانوں کے عقائد ونظریات کے تحفظ کا مشورہ دیا۔

برادر عزیز صاحبزادہ مولوی محمد طلحہ رحمانی سلّمہٗ کا یہ ذوق، شوق اور دِفاعِ اسلام کا جذبہ دراصل اس خاندانی غیرت اور ملّی حمیت کا ثمرہ ہے جس کے تحت ان کے نانا حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ نے دورِ حاضر کے ملاحدہ کے خلاف میدانِ کارزار گرم کیا اور ماہنامہ ''بینات'' جاری فرما کر ان کے خرمنِ اِلحاد پر قرآن وسنت کے دلائل کی بمباری کر کے اسے جلا کر خاکستر کردیا، اسی طرح ان کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہٗ نے بھی اپنی مختصر حیات میں ہشت جہت دِینی خدمات سے اکابر اسلاف کی یاد تازہ کردی، چنانچہ صفر ۱۴۲۲ھ کے ''بینات'' میں راقم الحروف نے حضرتِ مرحوم کی خدمات وشخصیت پر جو کچھ لکھا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کردیا جائے:

''حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی شخصیت عوام وخواص اور حلقۂ اہلِ علم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جن کمالات وخصوصیات سے نوازا تھا، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس دور کے آدمی نہیں تھے۔ موصوف اپنی سادہ اور پُر وقار علمی شخصیت کے باوجود جس محفل میں ہوتے صدرِ مجلس ہوتے، ان کے دِل میں مسلکِ حقہ مسلکِ علمائے دیوبند کی نشر واشاعت اور دِینِ متین کی ترویج واشاعت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جس طرح حضرت بنوری قدس سرہٗ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری قدس سرہٗ کی جانشینی اور نیابت کے منصبِ جلیلہ پر فائز فرمایا تھا، اسی طرح وہ ان کے مسلک کے بھی داعی اور مناد تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ دورِ حاضر کے اِمام اور

مجدّد تھے۔ انہوں نے اپنی مختصر حیاتِ مستعار میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے ہر میدان میں قائدانہ کردار ادا کیا، انہوں نے ایک طرف اگر جامعہ علومِ اسلامیہ کو چند سالوں میں بامِ عروج تک پہنچادیا تو دُوسری طرف وفاق المدارس العربیہ کے نظام کو نہایت مضبوط و مربوط فرمایا، پاکستان بھر کے مدارس کے رات دن ایک کرکے دورے کیئے، اربابِ مدارس کو ان کے فرائض کی طرف متوجہ فرمایا اور علمائے حقہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دِلائی، ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ کی خاطر سوادِ اعظم کی تحریک کو فعال بنایا اور مسلمانانِ پاکستان کو بیدار کیا۔ اسی طرح جب پاکستان میں شریعت بل کا مسئلہ درپیش ہوا تو ملک بھر کے علماء کی نمائندگی کی، اور لاکھوں کی تعداد میں خطوط لکھوا کر اربابِ حکومت کو اس کی افادیت و اہمیت کی طرف متوجہ کیا۔ غرض کوئی ایسا میدان نہیں تھا جہاں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا نہ منوایا ہو۔ مساجد و مدارس کے تحفظ کے لئے دورے کیئے اور ایک ایک کارکن کی سرپرستی فرمائی، جہاں افرادی قوّت کی ضرورت تھی وہاں افراد مہیا کیئے، جہاں فنڈ کی ضرورت تھی وہاں فنڈ مہیا فرمایا۔ رجالِ کار تیار کیئے اور مسلمانوں کی اخلاقی اور مالی مدد فرمائی، رسائل و جرائد جاری کیئے، نئے مدارس قائم فرمائے اور ان کی سرپرستی فرمائی۔ دُوسری طرف تحریر و تقریر کے میدان میں بھی انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔‘‘

بہرحال! میں مبارک باد دیتا ہوں عزیز صاحبزادہ حافظ محمد طلحہ رحمانی طول عمرہٗ کو جنھوں نے اپنے نانا اور والد مرحوم کی روایات کو باقی رکھتے ہوئے اس اہم دِینی

ضرورت کی طرف توجہ دی اور مسلمانوں کے دِین و ایمان اور عقائد ونظریات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ایک نئے اُٹھنے والے فتنے کی سرکوبی میں اپنی سی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو ہم سب کی مغفرت کا اور اس فتنے سے متأثر خواتین وحضرات کی ہدایت و راہ نمائی کا ذریعہ بنائے، آمین! واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ مطابق مارچ ۲۰۰۳ء)

اِنکارِ دِین کی تحریکیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

صحیح مسلم میں ہے کہ:

”عن أبی هريرة رضی الله عنه يقول: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: يكون فی اٰخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث، بما لم تسمعوا أنتم ولا اٰباؤكم، فايّاكم وايّاهم! لا يضلّونكم ولا يفتنونكم۔“ (ج:۱ ص:۱۰)

ترجمہ:... ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے (اسلام کے نام سے نئے نئے نظریات اور) نئی نئی باتیں پیش کریں گے، جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادا نے، ان سے بچنا! ان سے بچنا! کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔“

دورِ حاضر کا جائزہ لیجئے تو واضح طور پر نظر آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اُمت کو جن سنگین خطرات اور فتنوں سے متعلق چودہ سو سال پیشتر آگاہ فرمایا تھا، آج وہ ایک ایک کر کے ہمارے سامنے آرہے ہیں، لیکن دُکھ کی بات یہ ہے کہ ان فتنوں کی راہ روکنے کی کسی کو فکر نہیں۔ افسوس! کہ فتنہ پرور نہایت چابک دستی سے مسلمانوں کی متاعِ ایمان پر ڈاکا زن ہیں مگر انہیں کوئی للکارنے والا نہیں۔

اِلحاد و زَندقہ، شر و فساد، کفر و نفاق اور مکر و فریب کی یہ صورتِ حال نئی نہیں، بلکہ معرکۂ حق و باطل اَزل سے برپا ہے، البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ باطل پرستوں نے اپنی سازشیں تیز تر کر دیں، لیکن اہلِ حق نے اس طوفانِ بلاخیز سے آنکھیں موند لیں، جس کی وجہ سے باطل پرستوں کے لئے میدان خالی ہوگیا اور فتنہ پرور نہایت ہوشیاری سے دِین کے نام بے دِینی، اسلام کے نام کفر و اِلحاد، اور حق کے نام پر باطل کو رواج دے رہے ہیں۔

دُوسری طرف سادہ لوح مسلمان، ان کے دجل و تلبیس سے متأثر ہوکر بے دِینی کو دِین، کفر کو اسلام، اور باطل کو حق سمجھ کر اپنے دِین و ایمان کے قیمتی سرمایہ کو سرِبازار نیلام کر رہے ہیں۔ چنانچہ پاکستان بھر میں اِنکارِ حدیث، اِنکارِ دِین، اِنکارِ ختمِ نبوّت، تحریف فی الدین کو باقاعدہ انٹرنیٹ، ٹی وی اور کیبل نیٹ ورک کے ذریعہ عام کیا جارہا ہے، جگہ جگہ ''درسِ قرآن'' اور ''لیکچروں'' کے نام سے امریکہ اور برطانیہ کے پروردہ، یہود و نصاریٰ کے تنخواہ دار اور ان کے اشاروں پر ناچنے والے مرد و خواتین ''انٹرنیشنل اسلامک پروپیگیشن سینٹر'' اور ''الرحمٰن الرحیم ڈاٹ کام'' وغیرہ کے نام سے مراکز اور ویب سائیٹ قائم کر کے سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں مصروف ہیں۔

یہ سب کچھ ہماری ناک کے نیچے ہو رہا ہے، مگر افسوس! کہ ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

حیرت ہے کہ ہمیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مقلد و غیر مقلد اور دیوبندی،

بریلوی اختلاف اور معرکۂ آرائی کا تو خیال ہے، مگر ان منکرینِ دِین و ایمان اور مخالفینِ قرآن وسنت کی راہ روکنے کی طرف ذرّہ بھر توجہ نہیں۔

باوثوق ذرائع، قرائن وشواہد اور ہماری معلومات کے مطابق غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کی ذُرّیت نے نہایت ہوشیاری سے بغیر کسی نام اور نسبت کے اپنے مستشرق اساتذہ کی ہدایت پر ملک بھر میں ایسے سینکڑوں افراد اور مراکز بنالئے ہیں جہاں صبح شام مسلمانوں کو اسلام سے بغاوت کا درس دیا جاتا ہے، اسلامی اَحکام کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے، ...نعوذ باللہ... ختمِ نبوّت، حیات ونزولِ مسیحؑ کا انکار کیا جاتا ہے، توراۃ، زَبور اور اِنجیل آسمانی کتابوں اور صحف کی نفی کی جاتی ہے، حجاب اور پردہ ایسے شرعی حکم سے کھلے عام بغاوت کا درس دیا جاتا ہے، قرآن وسنت سے ثابت شدہ بیک وقت چار شادیوں کے حکم کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر گیارہ نکاحوں کے جواز کا فتویٰ اور عمل متعارف کرایا جاتا ہے، اِجرائے وحی اور تاحال ہرایرے غیرے پر نزولِ قرآن کا دعویٰ کیا جاتا ہے، مسجدِ اقصیٰ کو ''مسجدِ ضرار'' اور ...نعوذ باللہ.... اللہ تعالیٰ کو ''دہشت گرد'' کہا جاتا ہے، یہ سب کچھ علی الاعلان اور کھلے عام ہو رہا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ان پروگراموں کی باقاعدہ ویڈیو اور کمپیوٹر سی ڈیز تیار ہوتی ہیں اور مسلمانوں میں بانٹی جاتی ہیں، سرکاری اور غیرسرکاری اہل کار اور پوش علاقے کے نام نہاد ''ترقی پسند'' اور ''ترقی یافتہ'' لوگ اس اِلحاد و زَندقہ کو اسلام کے نام سے نہ صرف اپنا رہے ہیں، بلکہ اس میں بھرپور تعاون کر رہے ہیں، اس صورتِ حال پر عوام کیا، علماء اور اہلِ علم بھی ذرّہ بھر مشوّش وفکرمند نہیں۔

موجودہ صورتِ حال، معاشرے کی ایمانی، اخلاقی اور رُوحانی پسماندگی و انحطاط کو دیکھ کر اس کی صحیح تشخیص اور صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

''دورِ حاضر کو سائنسی اور مادّی اعتبار سے لاکھ ترقی

یافتہ کہہ لیجئے، لیکن اخلاقی اقدار، رُوحانی بصیرت اور ایمانی جوہر کی پامالی کے لحاظ سے یہ انسانیت کا بدترین دورِ انحطاط ہے۔ مکر وفن، دغا وفریب، شر وفساد، لہو ولعب، کفر ونفاق اور بے مروّتی اور دنائت کا جو طوفان ہمارے گرد وپیش برپا ہے، اس نے سفینۂ انسانیت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کردیا ہے، خلیفۂ اَرضی و بنی نوعِ انسان کی فتنہ سامانیوں سے زمین لرز رہی ہے، آسمان کانپ رہا ہے، اور بحر و بر، جبل و دشت اور وحوش و طیور ''الامان الحفیظ!'' کی صدائے احتجاج بلند کررہے ہیں، انسانیت پر نزع کی حالت طاری ہے، اس کی نبضیں ڈُوب رہی ہیں اور لمحہ بہ لمحہ اس ''جاں بلب مریض'' کی حالت متغیر ہوتی جارہی ہے، یہ دیکھ کر اہلِ بصیرت کا یہ احساس قوی ہوتا جارہا ہے کہ شاید اس عالم کی بساط لپیٹ دینے کا وقت زیادہ دُور نہیں۔'' (عصرِ حاضر ص:۹)

ممکن ہے کچھ حضرات کو ان فتنہ پردازوں سے متعلق معلومات نہ ہوں، یا انہوں نے اس صورتِ حال کو سنجیدگی سے نہ لیا ہو، بہرحال یہ فتنہ پرداز پی ای سی ایچ ایس بلاک۲ میں اپنی اِرتدادی سرگرمیوں میں مصروف ہیں، جبکہ ان کے نمائندے ملک بھر میں موجود ہیں، اس فتنے کا مرکزی کردار اور بنیاد غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز اور فتنۂ اِستشراق ہے۔

ہم مسلمان عوام سے عموماً اور علمائے کرام سے خصوصاً درخواست کرنا چاہیں گے کہ اِلحاد و زندقہ کے ان مراکز کا سدِ باب کریں اور آپس کے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دِین و ایمان کے مونڈنے والے اس فتنے کا تعاقب کیجئے کہ مسلمانوں کے دِین وایمان کا تحفظ سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح ہم اربابِ اقتدار و اختیار اور انتظامیہ سے بھی گزارش کرنا چاہیں

گے کہ یہ سب کچھ اسی ملک میں ہو رہا ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور آج تک اسے ''اسلامی'' فلاحی ریاست بنانے کے بلند بانگ دعوؤں سے ہمارے گلے خشک نہیں ہو رہے۔

لہٰذا بحیثیت مسلمان اور پاکستانی آپ کا فرض ہے کہ ان دریدہ دہنوں کو لگام دے کر قرار واقعی سزا دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان مشتعل ہو کر کسی انتہائی اقدام پر مجبور ہو جائیں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق جولائی ۲۰۰۳ء)

روشن خیال کون؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ ہفتہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی ای میل ڈاک میں ایک صاحب کا اعتدال پسندی اور روشن خیالی سے متعلق ایک سوال نامہ موصول ہوا، جس میں بظاہر یہی تأثر دیا گیا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ حکومت، مسلمانوں اور پاکستان کے وقار کو بلند کرنے کے لئے روشن خیالی کی تلقین کر رہی ہے تو علمائے کرام کو اس ''کارِ خیر'' میں اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ راقم الحروف اس سوال کا جواب لکھنے بیٹھا تو کسی قدر تفصیل سے تاریخی حقائق نوکِ قلم پر آگئے، اس لئے جی چاہتا ہے کہ اس سوال و جواب کو قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

''س:...... اسلامی نقطۂ نظر سے اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا اصل مفہوم کیا ہے؟ موجودہ دور میں جو نظریہ حکمرانوں نے پیش کیا ہے، کیا یہ اسلامی اُصولوں کے عین مطابق ہے؟ جبکہ علمائے کرام اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ یہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی اسلامی اُصولوں کے مطابق نہیں ہے۔

اگر دیکھا جائے تو دِینی مدارس سے فارغ ہونے کے

بعد طالبِ علم ریاست کی مرضی اور منشا کے برخلاف جہاد کا فریضہ انجام دیتے ہیں، جس سے دُنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف ایک عالمی لہر اُبھری ہے، جسے مغربی دُنیا دہشت گردی کا نام دے رہی ہے، اور حکومت مجبوراً ان کے خلاف کاروائی کر رہی ہے، لہٰذا حکومت کا مقصد یہ ہے کہ دُنیا میں، ملک اور مسلمانوں کا امیج بہتر ہو اور دُنیا میں امن وسکون قائم ہو۔

۱۱رستمبر کے واقعہ میں بہت سے بے گناہ لوگ مارے گئے اور مغربی دُنیا نے اسے انتہاپسندی اور دہشت گردی کا نام دے کر مسلمانوں کے لئے ساری دُنیا میں جگہ محدود کردی ہے اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے حربے استعمال کرکے انہیں تنگ کیا جارہا ہے۔

ان حالات میں حکومت کی پالیسی اور ذمہ داری بنتی ہے کہ دُنیا بھر میں اور خصوصاً مغربی ممالک میں مسلمانوں کو روشن خیال اور اعتدال پسند پیش کرنے کی ہر طرح کی کوشش کرے۔

لیکن ہمارے علمائے کرام اور مفتیانِ کرام اس معاملے میں ناراض نظر آتے ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ عالمی دُنیا میں مسلمانوں کا تشخص برقرار رہے، ان کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ ملک کا امیج دُنیا میں برقرار نہ رہے۔ آخر علمائے کرام اپنی ذمہ داریاں کیوں نہیں نبھاتے؟ اور حکومت کی مؤثر اور دُرست پالیسیوں کی حمایت کیوں نہیں کرتے؟'' (عبداللہ)

ج:...... جہاں تک حقیقی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا تعلق ہے، مسلمان، اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اس کا کوئی علم بردار نہیں۔ تاریخ اُٹھاکر دیکھئے تو صاف نظر آئے گا کہ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ ہی تنگ نظر اور

تاریک خیال تھے۔ ان کے ہاں انسانی اقدار نام کی کوئی شے نہیں تھی، ان کے ہاں ’’جس کی لاٹھی اُس کی بھینس‘‘ کا فلسفہ رائج تھا، غریب اور کمزور کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، مال و زَر کے پجاری اور حکومت و اقتدار کے حریص انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کیا کرتے تھے، آزاد و خود مختار، مگر اسباب و وسائل سے محروم انسانوں کو غلام بنا کر ذلت و محکومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

تاریخ میں ایسے افراد کے بے شمار واقعات ملتے ہیں، جو پیدائشی طور پر آزاد تھے، مگر انہیں قوّت و طاقت اور جبر و تشدّد کے زور پر غلام بنادیا گیا، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایسی بے شمار آزاد شخصیات کا غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جانا اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، اگر کسی کے ہاں بچی کی ولادت ہوجاتی اور اسے اس کی خبر ہوتی تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا، کسی گھر میں بچیوں کی پیدائش ننگ و عار کا موجب ہوتی، انہیں زندہ درگور کردیا جاتا، اگر کچھ خوش نصیب زندہ بچ جاتیں تو ان کو اَچھوت سمجھا جاتا، بیوی کو گھر کی ملکہ کے بجائے زَرخرید لونڈی باور کیا جاتا، خواتین کو کسی معاملے میں بولنے اور رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا، بلکہ ان کی کوئی رائے نہ تھی، وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا، اگر کسی کے شوہر کا انتقال ہوجاتا تو اسے منحوس سمجھا جاتا، اسے اپنی مرضی سے دُوسرا عقد کرنے کی اجازت نہ تھی، بلکہ دُوسرے اموال کی طرح مرنے والے کی میراث میں وہ بھی تقسیم ہوتی، اور جس کے حصے میں آتی، اس کے رحم و کرم پر ہوتی، اس کا ’’مالک‘‘ چاہتا تو اسے اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے رکھ لیتا، نہیں تو زندگی بھر اسے لونڈیوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا۔

خواتین کو حقِ ملکیت حاصل نہیں تھا، اور نہ وہ کسی شے کی مالک بن سکتی تھیں، اور نہ ہی ان کی کوئی خواہش اور مرضی تھی۔

شرم و حیا اور عفت و عصمت نام کی کوئی شے نہ تھی، زناکاری و بدکاری کوئی معیوب چیز نہ تھی، اخلاقی ابتری کا یہ حال تھا کہ اگر کسی عورت کا شوہر یا ''مالک'' چاہتا تو اسے کسی غیر مرد کے پاس جانے، اور اسے ''بہادر و خوبصورت'' بچہ حاصل کرنے کے لئے اس سے ہم بستر و ہم آغوش ہونے پر مجبور کرتا۔ بلاشبہ خواتین کی حالت و حیثیت اس گائے، بھینس سے کچھ زیادہ نہیں تھی جس کو کسی اچھی نسل کے نر کے پاس لے جاکر اس سے اچھی نسل کے بچے حاصل کیئے جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قبل از اسلام کے نکاحوں کے ذیل میں اس بے شرمی و بے حیائی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

> ''..... ایک آدمی اپنی عورت سے کہتا کہ جب تو حیض سے فارغ ہوجائے تو فلاں آدمی کے پاس چلی جا، اس سے ہم بستری کر، وہ اس سے ہم بستری کرتی تو اس کا شوہر اس وقت تک اس کے قریب نہ جاتا جب تک کہ اس زنا کا حمل ظاہر نہ ہوجاتا، جب اس کا حمل ظاہر ہوجاتا تو اس کا شوہر اس سے ہم آغوش ہوتا، یہ اس لئے کیا جاتا تاکہ بچہ اچھے نسب والا ہو.....'' (بخاری ج:۲ ص:۷۶۹)

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں دیانت و شرافت اور شرم و حیاء کا وجود نہ تھا، حلال و حرام، جائز و ناجائز اور پاک و ناپاک کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔

اس دور کی تاریک خیالی، تنگ نظری اور ظلم و تشدّد کا یہ حال تھا کہ ایک دُوسرے کی چراگاہ استعمال کرنے اور گھاٹ سے پانی پینے اور پلانے پر سینکڑوں معصوموں کی جانیں لے لی جاتیں، جنگِ بُعاث وغیرہ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

چوری، ڈکیتی، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت، لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد روز مرّہ کے معمولات تھے، امن و امان نام کی کوئی شے نہ تھی، ایثار و قربانی اور حلم و تحمل دُنیا

سے عنقا تھے۔

سود، جوا، شراب، ماردھاڑ اور شب خون وغیرہ مایۂ افتخار سمجھے جاتے تھے، رنگ ونسل اور قوم وقبیلہ، عزّت وشرافت کا معیار تھے، مذہبی جنونیت کا عروج تھا، عدم برداشت اور بدبختی و شقاوت کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے مقدس انبیاءؑ کے پاک و پاکیزہ خون سے زمین رنگین کی جاتی اور ایک ایک دن میں ستّر، ستّر، انبیاءؑ کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا۔

دُوسری طرف مذہبی دیوالیہ پن کا یہ حال تھا کہ بیت اللہ کا ننگا طواف کیا جاتا، غیراللہ اور ہر حجر و شجر کے سامنے جبینِ نیاز جھکائی جاتی، خود بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، اور لات و منات کے نام کا اِحرام اور اسعاف و نائلہ کے لئے صفا و مروہ کی سعی کی جاتی۔ غرض حیوانیت و درندگی اور بہیمیت و شیطنت نے انسانیت کا رُوپ دھار رکھا تھا، اور شرافت و دیانت، بلکہ انسانیت منہ چھپائے پھرتی تھی۔

اسلام آیا تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو اس کا صحیح مقام بتلایا، مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مسلمانوں اور غیرمسلموں کے حقوق کی راہ نمائی کی۔ انسان تو انسان، اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جانوروں تک کے حقوق سے آگاہ کیا اور ان کی بجاآوری کی تلقین فرمائی۔ اسلام نے عفت وعصمت کی تلقین فرمائی اور اخلاقیات کا درس دیا۔

اسلام نے ”جیو اور جینے دو“ کا فلسفہ دیا، اسلام نے عین میدانِ جنگ میں بھی خواتین، بچوں، بوڑھوں اور خاموش الگ بیٹھ رہنے والے غیرمسلم مذہبی راہ نماؤں کو قتل نہ کرنے کی تلقین فرمائی، بلکہ عین میدانِ جنگ میں بھی ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینے، اور قبول کرنے پر جان و مال اور عزّت و آبرو محفوظ کرلینے کی نوید سنائی، اسلام نے حقوق اللہ اور حقوق العباد بتلائے، توحید و رسالت کی طرف دعوت دی، اور

نہ ماننے والوں کے شر وفساد سے اُمت کو محفوظ رکھنے کے لئے جہاد کی اجازت دی۔

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہا اور ننگِ انسانیت وشرافت تمام کرتوتوں سے نہ صرف توبہ کی، بلکہ دُوسروں کو بھی اس طرف متوجہ فرمایا۔

پھر دُنیا نے دیکھا کہ ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں دُنیا کی کایا پلٹ گئی، جو کل تک رہزن تھے، وہ رہبر بن گئے، جن پر کوئی حکومت کرنے کو تیار نہیں تھا، وہ عدل وانصاف کے علمبردار ہوگئے، وہ جو جانوروں کے چرانے اور پانی پلانے پر سینکڑوں جانیں لے لیتے تھے، اب وہ اپنی ضروریات پر دُوسروں کو ترجیح دینے لگے، ایسے ہی رشکِ ملائک اور فرشتہ صفت افراد کے بارے میں قرآنِ کریم نے یہ سند جاری کی:

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"۔

آج کا مسلمان چاہے کتنا ہی گیا گزرا ہو، انہی قدوسیوں کا جانشین ہے، وہ بنیادی طور پر قاتل نہیں، رحم دِل ہے، وہ ڈاکو نہیں، ایثار پسند ہے، وہ عزّتوں کا لٹیرا نہیں، عصمتوں کا پاسبان ہے، وہ تنگ نظر نہیں، روشن خیال ہے، وہ انتہا پسند نہیں، اعتدال پسند ہے، وہ چور، ڈاکو نہیں، دُوسروں کی جان و مال کا محافظ ونگران ہے۔

مگر اے کاش! اس وقت اس کے پاس اتحاد و اتفاق نہیں، ہمت و جرأت نہیں، قلم وقرطاس نہیں، اور سب سے بڑھ کر اس کے پاس ذرائع ابلاغ اور نظری، بصری میڈیا نہیں، اور: "قلم در کفِ دُشمن است" کے مصداق اس کا دُشمن جو چاہے اس کی طرف منسوب کرے اور اسے جس طرح چاہے بدنام کرے، مگر اس کے دُشمنوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں اور کیسے؟ اس لئے اب سیدھے سادے مسلمان بھی اعدائے اسلام کے پراپیگنڈے سے متأثر ہیں اور کہتے ہیں کہ: "ہمارے علمائے کرام اور مفتیانِ کرام نہیں چاہتے کہ عالمی دُنیا میں مسلمانوں کا تشخص برقرار رہے، ان کی کوشش رہی ہے کہ ملک کا امیج دُنیا میں برقرار نہ رہے ....."

اس کے برعکس مغرب اور مغربی دُنیا چاہے اپنے آپ کو کتنا ہی مہذّب، روشن خیال اور اعتدال پسند کہے، مگر بہرحال وہ اپنے اسلاف یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ کی جانشین ہے اور انہیں کی طرح ظالم و سفاک اور خون آشام ہے۔

تاریخ اُٹھا کر دیکھئے تو صاف نظر آئے گا کہ دُنیا میں مسلمانوں نے نہیں، ان نام نہاد روشن خیالوں اور اعتدال پسندوں نے انسانوں اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے، انہوں نے ہی کشتوں کے پشتے لگائے ہیں، یہ وہی ہیں جنھوں نے انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے۔

آیئے! ایک نظر اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ دُنیا میں قتل و غارت، ظلم و تشدّد کا ریکارڈ قائم کرنے والے مسلمان ہیں یا اہلِ مغرب؟ اور اس کا فیصلہ اپنے باتوفیق قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ اعتدال پسند اور روشن خیال یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ کے جانشین یہ مہذّب درندے ہیں یا نبیٔ آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے قدوسی صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام لیوا مسلمان؟ اس سلسلے کے چند تاریخی حقائق ملاحظہ ہوں:

ا:... متحدہ ہندوستان، انگریزی تسلط سے قبل بلاشبہ سونے کی چڑیا شمار ہوتا تھا، اور دُنیا جہان کے لوگ کسبِ معاش کے لئے یہاں آتے اور آزادانہ ماحول میں تجارت کرتے، اسی قسم کی ایک برطانوی تجارتی کمپنی ''ایسٹ انڈیا'' جب ہندوستان آئی تو مسلمان حکمرانوں نے فراخ دِلی سے اسے بھی کام کرنے کی اجازت دی۔

مگر افسوس! کہ جس حکمران نے اسے ہندوستان میں رہنے، آزادانہ تجارت کرنے، جان و مال محفوظ ہونے کی ضمانت دی اور اسے بطور کمپنی رجسٹرڈ کیا، اس کے خلاف ہی اس نے سازش کی، اس کا تختہ اُلٹا، اقتدار پر قبضہ کیا، اور اسے گرفتار کرکے رنگون بھیج دیا، اس کے بیٹوں کو قتل کیا، ان کے سر کاٹے اور ٹرے میں سجا کر اس کے سامنے پیش کئے، اور آخرش اسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

۲:...انہی انگریزوں نے نہ صرف مسلمانوں کے ملک پر شب خون مارا بلکہ مسلمانوں کے باکمال اور ہنر مند افراد کے ہاتھ کاٹ کر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معذور واپاہج کردیا۔

۳:... اس وقت ہندوستان کی دفتری اور تعلیمی زبان عربی و فارسی تھی، اسکول وکالج بھی عربی، فارسی اور اُردو میڈیم تھے، مگر انگریزوں نے ملک پر قبضہ کرتے ہی ملک کی دفتری اور تعلیمی زبان، عربی، فارسی اور اُردو کے بجائے انگریزی کرکے یکسر لاکھوں مسلمانوں پر ملازمت و روزگار کے دروازے بند کردیئے اور انہیں نانِ شبینہ کا محتاج بنادیا۔

۴:... جب مسلمانوں نے اپنے ملک پر غاصبانہ قبضے کے خلاف مزاحمت کی کوشش کی تو ان کے خلاف ظلم و تشدّد اور قتلِ عام کا بازار گرم کردیا گیا، یوں لاکھوں انسانوں کو قتل کرکے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

۵:...مسلمانوں نے انگریزوں کے ظلم و تشدّد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہی، اور اِستخلاصِ وطن کی تحریک چلائی، تو مسلمانوں کو گولیوں سے بھون دیا گیا، چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی پر انہی روشن خیالوں اور اعتدال پسندوں نے مسلمانوں کا اس بے دردی سے قتلِ عام کیا کہ خود انگریز مؤرّخین اس ظلم و بربریت اور درندگی کی تأویل کرنے سے قاصر ہیں۔

چنانچہ انگریز مؤرّخین کے بقول اس جنگ کی ناکامی کے بعد دہلی اور اس کے مضافات کا کوئی درخت ایسا نہیں تھا جہاں کسی مسلمان عالمِ دِین کی لاش نہ لٹکی ہوئی ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُبلتے تیل میں ڈال کر انہیں کوئلہ بنایا گیا، سور کی کھالوں میں بند کرکے ان پر کتے چھوڑے گئے اور توپ کے دہانے پر کھڑا کرکے ان کو ریزہ ریزہ کیا گیا۔

۶:...مسلمانوں کا حق تھا کہ وہ اپنے ملک وقوم کی آزادی کے لئے آواز

اُٹھائیں اور جارح اقوام کو باور کرائیں کہ مسلمان ملک پر ان کا غاصبانہ قبضہ کسی اعتبار سے قابلِ برداشت نہیں، لیکن اس تحریکِ آزادی اور تحریکِ ریشمی رُومال کے محرک ''مجرموں'' کو دریا شور اور کالے پانی میں قید کرکے انہیں انسانیت سوز تشدّد کا نشانہ بنایا گیا۔

۷:... مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی واحد علامت اور اسلامی حکومت ترکی کی خلافتِ عثمانیہ کو ختم کرکے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا گیا۔

۸:... انبیاءؑ کی سرزمین فلسطین سے مسلمانوں کو بے دخل کردیا گیا، وہاں یہودی بستیاں آباد کی گئیں، اپنے بغل بچہ اسرائیل کی سرپرستی کی گئی، مسلمانوں کی جان، مال، عزّت و آبرو سے کھیلا گیا، مسلمانوں سے تمام حقوق سلب کرلئے گئے اور گزشتہ ساٹھ سال سے انہیں بدترین مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔

۹:... خود امریکا بہادر نے ۱۹۴۵ء میں پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گراکر چھ لاکھ بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتاردیا۔

۱۰:... انگلینڈ اور فرانس کا جرمنی، اٹلی اور ترکی سے پہلی جنگِ عظیم کرنا اور کروڑوں انسانوں کا اس جنگی جنون کی بھینٹ چڑھاکر ہلاک کرنا۔

۱۱:... ہٹلر کا نازی کیمپوں میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کرنا۔

۱۲:... سرب عیسائیوں کا بوسنیا میں آباد مسلمانوں کا قتلِ عام کرنا جس کے نتیجے میں بہت مختصر مدّت میں بوسنیا کے چودہ لاکھ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلادینا۔

۱۳:... عیسائی تاریخ اور کتب شاہد ہیں کہ مسیحی فرقہ پرستی میں کروڑوں افراد ایک دُوسرے کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور پوپ کے حکم پر مسلک کے اختلافات کی بنا پر بے شمار افراد کو زندہ جلادیا گیا۔

۱۴:... آئرلینڈ اور انگلینڈ کی آپس کی لڑائی اور عیسائی فرقے کیتھولک اور

پروٹسٹنٹ کے درمیان ہونے والی جنگ کے نتیجے میں لاکھوں عیسائیوں کا خون بہایا جانا۔

۱۵:...افغانستان پر رُوسی حملے کے نتیجے میں بیس لاکھ بے گناہ افراد کا قتلِ عام۔

۱۶:... وسطِ ایشیا کی مسلم ریاستوں پر قبضہ اور وہاں کی تہذیب و ثقافت، دِین و مذہب کی تباہی اور جبر وتشدّد کا تسلط۔

۱۷:... افغانستان اور عراق پر امریکی قبضہ اور وہاں کے ہزاروں افراد کی ہلاکت اور عفت مآب مسلمان بہنوں، بیٹیوں کی عزّت و ناموس کی بربادی۔

۱۸:...افغانستان سے نہتے اور بے قصور مسلمانوں کو القاعدہ کے نام پر گرفتار کرکے کنٹینروں میں بند کرکے موت کے گھاٹ اُتارنا، اور گوانتانامو بے بھیجنا، ان کے ساتھ جانوروں سے بدترین سلوک کرنا اور انہیں مادرزاد ننگا کرکے تشدّد کا نشانہ بنانا۔

۱۹:... لارنس آف عربیہ کی شکل میں ایک عیسائی ایجنٹ کے ذریعہ عرب دُنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

۲۰:... افریقہ سے کالوں کو پکڑ کر بحری جہازوں کے ذریعہ خرکار کیمپوں میں بند کرنا اور ان سے بیگار لینا وغیرہ۔

۲۱:... بوسنیا میں معصوم مسلمان خواتین سے اجتماعی زیادتی اور ان سے کتوں، بندروں اور دُوسرے جانوروں کا ملاپ کرانا، انسانوں اور جانوروں کے ملاپ کے حیاء سوز اور ننگِ انسانیت تجربے کرنا۔

۲۲:... ۱۱رستمبر کے واقعہ پر بلاجواز دُنیا بھر کے بے قصور معصوم مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا اور ان کے خلاف جنگ کا بگل بجانا۔

۲۳:... ۷رجولائی کے لندن بم دھماکوں کے بعد مسلمانوں کو متہم کرنا، بے قصور مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اور ''شوٹ ٹو کِل'' کا قانون۔

اور اس طرح کے دُوسرے لاتعداد بھیانک کرتوت اور سیاہ کارنامے اسی ''مہذّب''، ''روشن خیال''، ''اعتدال پسند'' اور ''صلح کل'' اقوام کے ''سنہری''

کارنامے ہیں۔

مگر بایں ہمہ وہ دُنیا کو اور خصوصاً مسلمانوں کو اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا درس دیتے ہیں اور ہم جیسے بھولے بھالے اور سادہ لوگ ان کی آواز میں آواز ملا کر کہتے ہیں کہ: ''ہاں! ہاں! مسلمان اور خصوصاً علمائے کرام اور مفتیانِ عظام تنگ نظر اور تاریک خیال ہیں، انہیں ملکی عزّت و وقار بڑھانے کے لئے اس روشن خیالی و اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس کی مغربی دُنیا ہمارے حکمرانوں کو تلقین کر رہی ہے، اور ہمارے اربابِ حکومت ''ملکی مفاد'' میں اس کی ترویج چاہتے ہیں۔'' آپ ہی بتلایئے کہ کوئی معمولی عقل و خرد کا انسان اور شریف شہری اس کے لئے آمادہ ہوگا...؟

دُوسری طرف اسلامی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ، اور کوئی ایک مثال نہیں پیش کی جاسکتی کہ مسلمانوں نے کسی پر ناحق ظلم و جبر اور تشدّد کیا ہو یا کہیں بے جا قتلِ عام کیا ہو۔

بلکہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں عفو و درگزر کی لازوال تاریخ رقم فرمائی، چنانچہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے شریروں کے خلاف تک بددُعا نہیں کی، مشرکینِ مکہ کو فتحِ مکہ کے دن معاف فرمادیا اور فرمایا: ''جو امان چاہے، اسے امان دی جائے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے اس کو کچھ نہ کہا جائے، جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوجائے اس کو نہ چھیڑا جائے'' اور پھر جب صنادید قریش پکڑ کر لائے گئے تو فرمایا: ''تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا!'' اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کا کلیجہ چبانے والوں کو دامنِ عفو میں پناہ دے دی۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کو محض مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر چھوڑ دیا، اور ان تمام کو بھی کچھ نہیں کہا، جنھوں نے آپ کو حرم اور بیت اللہ میں داخل نہ ہونے دیا، ان سے بھی درگزر سے کام لیا جنھوں نے آپ کو اپنے آبائی گھر سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔

ارے اور تو اور! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے اور مسلمانوں کے ازلی دُشمن عبداللہ بن اُبیّ کے احسان کو بھی فراموش نہیں کیا، اور اس کی موت پر اس کے بیٹے کی خواہش پر کفن کے لئے اپنا کُرتا عنایت فرما دیا۔

یوں چودہ صدیوں میں کوئی ایک واقعہ اور مثال نہیں پیش کی جاسکتی کہ مسلمانوں نے جارحیت اور تشدّد کا ارتکاب کیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دُشمن کی بیٹی کے سر پر بھی دوپٹہ رکھا، اور فرمایا: ''بیٹی، بیٹی ہے، چاہے دُشمن کی کیوں نہ ہو!''۔

یہ انہیں کے نام لیوا ہی تو تھے جنھوں نے سرزمینِ افغانستان پر انگلینڈ کی ایک خاتون صحافی وونی ریڈلی کو گرفتار کیا، مگر اس کے ساتھ شرافت کا ایسا برتاؤ کیا کہ اس نے واشگاف الفاظ میں کہا:

> ''میں نے آج تک ایسے شریف، حیادار اور باکردار انسان نہیں دیکھے، باوجود نوجوان اور خوبصورت ہونے کے، انہوں نے ہاتھ لگانا تو درکنار کبھی مجھے دیکھا تک نہیں، وہ جب بات کرتے تو اپنا منہ دیوار کی طرف کرلیتے تھے۔''

وہ ان کے اخلاق سے ایسی متأثر ہوئی کہ رہائی کے بعد اس نے مسلمانوں کے اعلیٰ کردار و اخلاق کی بدولت اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا اور طالبان کے کردار و تعارف پر کتاب لکھ دی۔

مسلمانوں کو اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا درس دینے والے ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں اور اپنے کردار کا جائزہ لیں کہ روشن خیال وہ ہیں یا مسلمان...؟

رہی یہ بات کہ اگر کوئی عقل مند، مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں کو بہانہ بنا کر، انہیں تنگ نظر یا جنگی جنون کا مرتکب قرار دیتا ہے، تو ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ ان اِکا دُکا واقعات کی، کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے سیاہ کارناموں کے سامنے وہی حیثیت ہے جو ذرّے کی آفتاب کے سامنے، تاہم سچ پوچھئے تو ان آویزشوں کے پیچھے

بھی انہیں اقوام، یہود و نصاریٰ، منافقین اور بناتِ صلیب کی سازشوں کا ہاتھ تھا، ورنہ مسلمان کبھی بھی انسانیت کُش نہیں رہا، اس نے جب بھی کوئی قدم اُٹھایا اس کے پیشِ نظر ظلم و تعدی اور جبر و تشدّد کا خاتمہ تھا، اور جب اس کا صفایا ہوگیا، تو اس نے انسانیت کو امن و امان اور چین وسکون سے نوازا۔

اس لئے مسلمانوں کو اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا درس دینے والے درحقیقت اسلام دُشمنوں کے اس پروپیگنڈے سے متأثر ہیں کہ ...نعوذ باللہ... مسلمان تاریک خیال اور تشدّد پسند ہیں اور چشمِ بد دُور! وہی روشن خیال و اعتدال پسند ہیں۔

بغور جائزہ لیجئے، تو اندازہ ہوگا کہ مغربی دُنیا اور امریکہ مسلمانوں کو اس کا الزام دے کر اپنے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں، مگر افسوس! کہ ہم ان کی اس سازش سے یکسر غافل، علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں۔

ان تفصیلات کے بعد بھی اگر کوئی عقل مند مسلمانوں کو کوسنے دے اور ان کو روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا درس دے تو کیا سمجھا جائے کہ واقعی مسلمان تشدّد پسند ہیں...؟

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء)

اسلامی تعلیمات کی برکات اور اعدائے اسلام کی تلملاہٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

بی بی سی اُردو ڈاٹ کام پر بی بی سی نے ''بلاگنگ'' کے نام سے ایک نیا پروگرام شروع کیا ہے، جس پر اس نے اہلِ قلم کو لکھنے کی دعوت دی، اور اس کی ابتدا میں لکھا کہ:

> ''بی بی سی اُردو ڈاٹ کام پر بلاگنگ کی نئی شروعات کے تحت ہم نے اپنے چند لکھنے والوں کو اس صفحے پر لکھنے کی دعوت دی ہے، ان بلاگوں میں لکھنے والوں کی ذاتی آراء اور تجزیئے شامل ہوتے ہیں، جن کا بی بی سی کی پالیسی سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے، یہ مکمل طور پر انفرادی خیالات اور ذاتی رائے کے اظہار کی جگہ ہے، اس صفحے پر ہمارے قارئین بھی اپنا بلاگنگ شروع کر سکتے ہیں۔''

گویا اس نوٹ کے بعد بی بی سی نے اپنے آپ کو ان تحریروں کی ذمہ داری سے نہایت صفائی سے بچالیا، چاہے اس سے کسی فرد، افراد، ادارہ، قوم، برادری، مسلک، نظریہ، دِین، مذہب اور ملت کی توہین، تضحیک اور تنقیص ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

چنانچہ بی بی سی نے سب سے پہلے کیلیفورنیا، امریکا کے ایک قلم کار جناب حسن مجتبیٰ صاحب کو دعوت دی، جنہوں نے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کی جانب سے نئے مسلمان ہونے والے افراد کے لئے جاری ہونے والی ''سندِ اسلام'' کے عکس کے ساتھ لکھا:

''اوشا، ریما اور رینا کے نام:

اگر آپ اسلامی جمہوریہ پاکستان یا سرزمینِ پاک کی مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والے شہری ہیں، تو آپ کی جوان ہوتی ہوئی بچیوں کی زندگی کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ مولوی اور مدرسے کے ہاتھ میں ہے۔ کراچی کی پنجاب کالونی کی گلی نمبر ایک میں رہنے والے ہندو شہری سانو امرا اور اس کی بیوی چمپا کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ تین جوان لڑکیوں کے والدین سانو اور چمپا جب کام سے گھر واپس آئے تو دیکھا کہ ان کی تینوں بیٹیاں اوشا، ریما اور رینا گھر سے غائب تھیں۔ ایک سو پچیّس مسلمان خاندانوں کے گھر کے درمیان واحد ہندوؤں کے گھر کے مکین چمپا اور سانو کو کچھ دنوں بعد ڈاک سے ایک لفافہ ملا، جس میں ان بچیوں کے تین حلف نامے تھے، جن میں کہا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے تبدیلیٔ مذہب کر کے ہندو سے مسلمان ہوچکی ہیں۔ اب کے نام ندا، افشاں اور اَنعم ہیں۔ ان بچیوں کے ایسے حلف ناموں کے ساتھ، سانو امرا کو اسی ڈاک میں اسلام نامہ کے نام سے ایک دستاویز بھی ملی، جو بنوری ٹاؤن کے مدرسے سے جاری کی گئی تھی۔ اس اسلام نامے میں لڑکیوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ بلا کسی جبر کے، ارکانِ اسلام کی تعلیم کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوچکی ہیں۔ ان دائرۂ اسلام میں

داخل ہونے والی بچیوں سے جب ان کے ماں باپ ایک مدرسے کے ہوسٹل میں ملنے گئے تو وہ سر سے پاؤں کی ایڑی تک برقعے میں تھیں اور انہوں نے ماں باپ کو بتایا کہ انہوں نے ٹی وی چینلوں پر اسلامی پروگرام دیکھ کر اسلام قبول کیا ہے۔

اب یہ جنت مدرسے کے مولویوں نے جیتی کہ پاکستان میں پرائیویٹ چینل والوں نے؟ لیکن کراچی سے لے کر سندھ کے آخری اسٹیشن ریتی تک، ہندو لڑکیوں اور عورتوں کو غیر رضا کارانہ یا رضا کارانہ طور پر مسلمان بنانے کی مہمات زوروں پر ہیں، ریتی میں تیرہ سالہ ہندو بچی کوشیلیا کو بھی مسلمان بنایا گیا ہے، تو جیکب آباد کی سونیا کو فاطمہ، اور سپنا کو مہک!

مشرف کے پاکستان میں کہیں مرکز مضبوط ہورہا ہے تو کہیں اسلام عام۔ لیکن جب ایک ہندو مرد مسلمان ہوکر شیخ عبداللہ کہلایا اور اس نے ایک مسلمان بیوہ سے شادی کی، تو اس بیوہ کو اس کے رشتہ داروں نے غیرت کے نام پر قتل کردیا، اب یہ عبداللہ نہ ہندو ہے اور نہ مسلمان!''

(حسن مجتبیٰ، سان ڈیاگو، کیلیفورنیا، وقتِ ارسال 11:18)

اسی ویب سائٹ پر حسن مجتبیٰ صاحب کے مضمون پر مختلف ممالک کے مختلف شہروں سے مختلف افراد کی تائید وتنقید پر مشتمل متعدّد تبصرے بھی شائع ہوئے ہیں۔

میرے ایک بہت ہی محترم بزرگ کے عزیز صاحبزادے جناب مولوی محمد یوسف صاحب نے بی بی سی کے ان ویب صفحات کو پڑھا، تو اپنے کمپیوٹر سے اس کا پرنٹ نکال کر مجھ سے فرمائش کی کہ میں بھی اس پر اپنی رائے کا اظہار کروں، تاکہ وہ اسے بھی اس کالم میں جگہ دِلاسکیں، اسی غرض سے جناب حسن مجتبیٰ صاحب سے براہِ

راست اور اس ویب صفحے کے قارئین سے بالواسطہ ہم کلام ہونے کی غرض سے چند سطور پیش ہیں۔

سب سے پہلے بی بی سی کی خدمت میں عرض ہے کہ ان کا یہ کہنا محلِ نظر ہے کہ:

''ان بلاگوں پر لکھنے والوں کی ذاتی آراء اور تجزیئے شامل ہوتے ہیں، جن کا بی بی سی کی پالیسی سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اس لئے کہ تنقید وتضحیک کی یہ بحث ہی اس کی غماض ہے کہ اس بحث کا محرک اس میں فریق ہے، پھر ''براہِ راست'' کا لفظ خود اس کی چغلی کھاتا ہے کہ اس میں بی بی سی کی دِلچسپی ضرور شامل ہے، رہی یہ بات کہ ہم نے تو صرف ''شیرہ لگایا ہے'' اس کے نتیجے میں کتے، بلی کی لڑائی، ان کے مالکان کے قتلِ عام اور ہلاکت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، خالص شیطانی استدلال ہے۔ بہرحال! ہم ان کی وضاحت پر اعتماد کرتے ہوئے جناب حسن مجتبیٰ صاحب کی خدمت میں عرض پرداز ہیں کہ:

ا:... آزادیٔ مذہب وفکر اور آزادیٔ اظہارِ رائے کے دعویداروں کو ایسے کالم لکھتے ہوئے نامعلوم گھن کیوں نہیں آتی؟ اس لئے کہ اگر کوئی بدباطن، اسلام، پیغمبرِ اسلامؐ اور اُمتِ مسلمہ کے خلاف دریدہ دہنی کرے، یا توہین آمیز کارٹون شائع کرے، تو آزادیٔ مذہب کے علم برداروں کو اس پر غیرت نہیں آتی اور نہ ہی ان کو اس پر کالم لکھنے کی توفیق ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کو اگر بین الاقوامی لابیوں کے بنگلہ دیش اور افغانستان میں این جی اوز کے نام پر مسلمانوں کے عیسائی بنانے، گرجے تعمیر کرنے، مسلم بستیوں میں مسجدیں بنانے اور ان میں اذان پر پابندی پہ کوئی اعتراض نہیں، تو پاکستان کی ایک بستی میں اپنی مرضی سے مسلمان ہونے والی لڑکیوں کے عمل پر کیوں اعتراض ہے...؟

۲:... حسن مجتبیٰ صاحب! یہ تو آپ نے بھی لکھا ہے کہ ان لڑکیوں نے ڈاک

کے ذریعہ خط میں اپنے برضا و رغبت مسلمان ہونے کا اقرار کیا اور بتلایا کہ: ٹی وی پر اسلامی پروگرام دیکھ کر انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر والدین سے ملاقات کے وقت بھی انہوں نے اپنے اس بیان کی تصدیق کی، آپ ہی بتلایئے کہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا کیا قصور ہے...؟

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بالفرض خدانخواستہ اگر کوئی مسلمان، عیسائی این جی اوز کی رفاہی خدمات یا ان کی چمک دمک سے متأثر ہوکر اپنی آخرت برباد کرتا ہے تو کیا آپ نے اس پر بھی کوئی کالم لکھا ہے؟ کبھی آپ نے عیسائی جارحیت اور مظالم پر بھی صدائے احتجاج بلند کی ہے؟ کبھی امریکا کی اسلام دُشمن سرگرمیوں اور مسلم کش پالیسیوں پر بھی آپ نے کالم لکھا ہے؟ اگر نہیں، تو کیا سمجھا جائے کہ آپ اپنی قلم کاری کا وزن کس پلڑے میں ڈالنا چاہتے ہیں...؟

۳:... اسلام کا واضح اُصول اور شفاف دستور ہے کہ: اسلام بزورِ قوّت کسی کو مسلمان بنانے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، بلکہ اسلام نے اعلان کیا ہے کہ: ''لَآ اِکْـرَاہَ فِـی الـدِّیْـنِ'' (البقرۃ:۲۵۸) دِین و مذہب کی تبدیلی میں کوئی جبر و اِکراہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی اقتدار میں کسی کافر کو زبردستی تبدیلیٔ مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اسلام کا کوئی بدترین دُشمن بھی ایسی کوئی ایک مثال پیش نہیں کرسکتا۔

پھر یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ اگر اسلام میں کسی غیرمسلم شہری کو اسلامی قلم رو میں بحیثیت غیرمسلم رہنے کا حق نہ ہوتا اور اُسے ہر حال میں جبراً مسلمان بنانا ضروری ہوتا، تو جزیہ کا وجود ہی نہ ہوتا، جبکہ اسلامی آئین و دستور میں دو طرح کے ٹیکس ہیں: ایک جزیہ اور دُوسرا زکوٰۃ، زکوٰۃ مسلمانوں پر اور جزیہ غیرمسلم شہریوں کے لئے، اسی طرح اسلامی مملکت کے غیرمسلم شہریوں کے لئے ''ذمی'' کی بھی ایک مستقل اصطلاح ہے، چنانچہ مسلمانوں کو بطورِ خاص اس کی ہدایت ہے کہ: کسی علاقے کے فتنہ پرور کفار

سے جہاد کے وقت عین میدانِ کارزار میں بھی پہلے اُنہیں اسلام کی دعوت دی جائے، مان جائیں تو فبہا، ورنہ دُوسرے نمبر پر اُن کو کہا جائے کہ: بے شک تم اپنے مذہب پر رہو، مگر اسلامی مملکت کے پُرامن شہری بن کر رہو اور اسلامی حکومت کو جزیہ اور ٹیکس دیا کرو، چنانچہ اگر وہ اس کے لئے راضی ہوجائیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی جان، مال اور عزّت کی ذمہ داری مسلمانوں پر فرض ہے۔ جزیہ دینے کے باوجود بھی اگر کسی مسلمان نے ان کے ساتھ زیادتی کی، تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: میں کل قیامت کے دن اس غیرمسلم ذمی کی طرف سے بارگاہِ الٰہی میں زیادتی کرنے والے مسلمان کے خلاف استغاثہ دائر کروں گا، اور غیرمسلم کے وکیلِ صفائی کا کردار ادا کروں گا۔

کیا اب بھی کسی غیرمسلم کے برضا و رغبت قبولِ اسلام پر کوئی اعتراض ہونا چاہئے؟ اگر نہیں، تو آنجناب کا اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانا حق و انصاف اور امانت و دیانت کا خون کرنے کے مترادف نہیں...؟

۴:... کیا سابقہ مشہور پاپ سنگر یوسف اسلام کا قبولِ اسلام بھی پاکستانیوں کا قصور ہے؟ ۱۱رستمبر کے واقعے کے نتیجے میں ہزاروں عیسائیوں کا قبولِ اسلام بھی مسلمانوں کی زیادتیوں اور ان کے جبر و اِکراہ کا شاخسانہ ہے...؟

۵:... اسی طرح آج سے چودہ صدیاں پیشتر سرزمینِ عرب اور کفر و شرک کے معاشرے میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی برکت سے لاکھوں یہودی، عیسائی اور مشرکین کا اسلام قبول کرنا بھی مسلمانوں کے جبر و اِکراہ کا نتیجہ تھا یا اسلام کی حقانیت کا ثمرہ...؟

۶:... اس سے تھوڑا سا آگے بڑھئے! کیا حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت اسحٰق، حضرت اسمٰعیل، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو بھی پاکستانی معاشرے نے مجبور کیا تھا؟ اس کو کیا نام دیجئے گا...؟

۷:... میرے محترم جناب حسن مجتبیٰ صاحب! مسلمان، اپنی بدعملیوں اور اخلاقی کوتاہیوں کے باعث خواہ کتنا ہی پستی میں کیوں نہ چلے جائیں، لیکن جو شخص تعصب کی عینک اُتار کر آج بھی اسلام اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرے گا، اسے اسلام قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔ وونی ریڈلی ایسی لکھی پڑھی روشن دِماغ عیسائی خاتون کا قبولِ اسلام اس کی واضح مثال ہے۔

۸:... آپ کا یہ فرمان بھی محض سخن سازی ہے کہ: ''یہ جنت مدرسے کے مولویوں نے جیتی کہ پاکستان میں پرائیویٹ چینل والوں نے؟'' کیونکہ اس میں نہ مولوی کا کوئی کمال ہے اور نہ ٹی وی چینل کا کارنامہ، بلکہ یہ اسلام کی لازوال سنہری تعلیمات کی برکت اور ہندو معاشرے کے جبر و تشدّد اور تاریکی کی نحوست ہے، جس کی بدولت صرف یہی چند خواتین ہی نہیں، بلکہ ہزاروں غیرمسلم، اسلام کے گھنے سائے میں عافیت تلاش کرنے کے لئے مجبور ہیں۔

بلاشبہ اسلام ایک متوازن دِین اور اعتدال پر مبنی مذہب ہے، جس میں ایسی لچک ہے کہ اسے جتنا دبایا جائے گا، وہ اتنا ہی اُبھرے گا۔

اِن شاء اللہ! دُنیائے کفر کے بت خانوں اور عیسائی گرجوں کے زیرِ سایہ پرورِش پانے والے گھرانوں سے ہی اس دور کے محمد بن قاسمؒ اور بناتِ اسلام حضرت آسیہؓ، حضرت سمیہؓ اور حضرت خدیجہؓ پیدا ہوں گی، اسی طرح ابوغریب جیل اور گوانتاناموبے کے عقوبت خانوں سے بلند ہونے والی آہوں، سسکیوں اور چیخوں کی بدولت اِن شاء اللہ! شمعِ اسلام کے ہزاروں پروانے پیدا ہوں گے، اور اسلامی انقلاب کا یہ سیلاب اس قوّت سے اُبھرے گا کہ خود کفر چیخ اُٹھے گا، تاآنکہ حضرت مہدی علیہ الرضوان اور عیسیٰ علیہ السلام کفر کی گرتی دیوار کو دھکا لگا کر اس پر قلعۂ اسلام تعمیر کرکے کفر کا صفایا کردیں گے۔ ذرا ارشاد فرمائیے! اس وقت جب ہر پتھر پکار اُٹھے گا کہ: میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی فوج اس سے

زمین کو پاک کردیں گے، تو اس کو کیا نام دیا جائے گا...؟

صرف یہی نہیں، بلکہ ارشادِ الٰہی: ”وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ“ (النساء:۱۵۹) یعنی اہلِ کتاب میں کوئی ایسا نہیں رہے گا جو نزولِ عیسیٰ کے وقت مسلمان نہ ہوجائے، کی آنجناب کیا تأویل کریں گے؟ اور ان سب اہلِ کتاب کے قربِ قیامت میں ایمان لانے کا ذمہ دار کس کو ٹھہرائیں گے؟ کیا وہ بھی پاکستانی معاشرے کی گھٹن، اسلام کی شدّت پسندی یا مسلمانوں کے جبر و اِکراہ کا ثمرہ کہلائے گا...؟

حسن مجتبیٰ صاحب! نام تو آپ کا بھی میری طرح اسلامی ہے، مگر نامعلوم آپ اس تحریر سے کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ اگر آپ کا مقصد، جیسا کہ میں سمجھا ہوں، یہ ہے کہ ان لڑکیوں کو زبردستی مسلمان کیا گیا ہے، جو قطعاً دُرست نہیں، تو سوال یہ ہے کہ ان کے زبردستی یا جبراً مسلمان بنائے جانے کے کوئی دلائل و شواہد ہی پیش کئے ہوتے؟ مگر افسوس! کہ آپ کی تحریر اور خبر میں ایسا کوئی ثبوت نہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو کسی کے برضا و رغبت مسلمان ہونے پر بھی اعتراض ہے؟ اگر واقعی آپ کو کسی کے برضا و رغبت ایمان لانے پر اعتراض ہے؟ تو جانِ من! پھر آپ کی اس تکلیف اور دردِ بے درماں کا نہ صرف میرے پاس کوئی علاج نہیں، بلکہ دُنیائے عقل و شعور کے کسی حکیم کے پاس اس کا کوئی حل نہیں۔

قرآنِ کریم نے کفار کے بارے میں ایسے ہی موقع پر فرمایا ہے: ”قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ“ (آل عمران:۱۱۹) بس چلے تو اپنے غیظ و غضب سے جان چھڑانے کے لئے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دیجئے، اور جل بُھن کر مرجایئے۔

جناب حسن مجتبیٰ صاحب، مسلمان معاشرے پر اعتراض کا آخری تیر پھینکتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”ایک ہندو مرد مسلمان ہوکر شیخ عبداللہ کہلایا اور اس نے ایک مسلمان بیوہ سے شادی کی، تو اس بیوہ کو اس کے رشتہ

دارون نے غیرت کے نام پر قتل کردیا، اب یہ عبداللہ نہ ہندو ہے اور نہ مسلمان!''

جناب حسن مجتبیٰ صاحب! آپ نے جو کچھ لکھا ہے، یہ اسلامی تعلیمات کا حسین چہرہ نہیں، بلکہ ذات پات پر مشتمل ہندوانہ تہذیب وتمدن اور طبقاتی کشمکش کا سیاہ چہرہ ہے۔

اگر آپ نے اسلام کا مطالعہ کیا ہوتا، تو آپ کو معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو، جو کہ غلامی کا داغ لئے ہوئے تھے، اپنی پھوپھی زاد بہن بیاہ دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک غلام زادے تھے، جن کی والدہ شہزادی تھیں۔ دُور کیوں جایئے! حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ سکھوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی سکھ زادے تھے۔ میں تو یوسف اسلام کے سسر کو بھی جانتا ہوں، جو جدی پشتی مسلمان ہیں اور کینیا سے تعلق رکھتے ہیں، میں ان بزرگوں کو بھی جانتا ہوں جو امریکا میں مسلمان ہوئے اور کراچی میں ان کی شادی ہوئی۔ ڈیوزبری (برطانیہ) کے اس نوجوان کو بھی دیکھ چکا ہوں جو مسلمان ہوا اور ہمارے ایک دوست مولانا صاحب کی سالی سے ان کا نکاح ہوا اور اس نومسلم سے بھی ملا ہوں جو میکسیکو سے ہے، مگر یہاں لیسٹر (انگلینڈ) کے گجراتیوں نے ان کو اپنا داماد بنایا۔ یہ صفحات اور شاید نومسلم حضرات اس کی اجازت نہ دیں گے کہ میں آپ کو ان کے نام بتلاؤں، ورنہ بحمداللہ! میں ایسے ہزاروں نام پیش کرسکتا ہوں جو مسلمان ہوئے اور ان کو مسلمانوں نے گلے لگایا۔

جس واقعے کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وہ کسی مسلم معاشرے کا قصہ ہے یا آپ کا خانہ زاد؟

جہاں تک اوشا، ریما اور رینا کے برضا و رغبت اسلام لانے کا تعلق ہے، اس کے لئے پاکستانی عدالت، اخبارات، خود ان نومسلم بچیوں اور ان کے باپ کا اعتراف

پڑھئے اور سر دھنئے:

''بیٹیاں مرضی سے مسلمان ہوئیں، کوئی اعتراض نہیں۔

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) سپریم کورٹ نے کراچی کی تین ہندو لڑکیوں کے مبینہ طور پر جبری قبولِ اسلام پر سوموٹو ایکشن لے لیا۔ جمعہ کے روز چیف جسٹس افتخار محمد چودھری، جسٹس ایم جاوید بٹر اور جسٹس تصدق حسین جیلانی پر مشتمل بنچ نے باقاعدہ سماعت کی۔ قبل ازیں قبولِ اسلام کرنے والی تینوں لڑکیوں انعم (۱۹ سالہ اوشا)، ندا (۱۸ سالہ رینا) اور افشاں (۱۷ سالہ ریما) کو رجسٹرار سپریم کورٹ کے دفتر میں ان کے والد سے آزادانہ ماحول میں ملاقات اور بات چیت کا موقع فراہم کیا گیا۔ عدالتِ عظمٰی میں سماعت کے دوران جسٹس (ر) قیوم ملک اور ذوالفقار احمد بھٹہ ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ ڈی ایس پی محمد ہاشم نے لڑکیوں کو عدالتِ عظمٰی میں پیش کیا اور مقدمے کی اب تک کی تفتیش کی رپورٹ بھی پیش کی۔ بنچ نے لڑکیوں کے ہندو والد سانو عمرا سے پوچھا کہ تمہاری بیٹیوں سے ملاقات ہوگئی ہے، اب کس نتیجے پر پہنچے ہو؟ اس نے عدالتِ عظمٰی میں بیان دیا کہ: لڑکیوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کرلیا ہے، ہمیں ان کے تبدیلیٔ مذہب پر کوئی اعتراض نہیں، تاہم ہماری خواہش ہے کہ ہماری بیٹیاں ہمارے ساتھ رہیں، وہ مدرسہ میں نہ رہیں، تینوں بیٹیوں کے یک دَم چلے جانے سے ان کی والدہ کی حالت انتہائی خراب ہوگئی ہے اور وہ علیل ہے۔ اس پر چیف جسٹس نے استفسار کیا: اگر وہ اپنی مرضی سے مدرسہ میں رہنا چاہتی ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟ لڑکیوں کے والد نے

کہا کہ: مجھے اعتراض ہے، کیونکہ بیٹیوں سے ملاقات والدین کا حق ہے اور مدرسے میں ہمیں ان سے آزادانہ ملنے کا موقع نہیں دیا جارہا، آپ ان لڑکیوں کو اپنی نگرانی میں رکھ لیں، انہوں نے صرف ایک مدرسہ کو کیوں چن رکھا ہے؟ کیا صرف یہی مدرسہ رہ گیا ہے؟ جسٹس ایم جاوید بٹر نے کہا کہ والدین کو مذکورہ مدرسہ میں لڑکیوں کے رکھنے پر اعتراض ہے، اگر میرے پاس بھی ایسی لڑکیاں آتیں جو مذہب تبدیل کرچکی ہوتیں، تب میں کسی مدرسے میں ان کو نہ رکھتا، کیونکہ مذہب کی تبدیلی کے معاملے کے لئے شفاف طریقۂ کار اختیار کیا جانا چاہئے تاکہ لوگوں کو نظر آئے کہ یہ واقعہ کسی دباؤ اور جبر کا نتیجہ نہیں ہے۔ پیٹشنر قیوم ملک نے کہا کہ انہیں ان لڑکیوں کے قبولِ اسلام پر کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ اچھی بات ہے، تاہم بچیوں سے ملنا ان کے والدین کا حق ہے، جو انہیں آزادانہ ماحول میں ملنا چاہئے، مذکورہ مدرسہ میں یہ میسر نہیں آسکتا، لہٰذا لڑکیوں کا کہیں اور ایسی جگہ پر رہائش کا انتظام کیا جائے، جہاں ان کے والدین آزادانہ اور آسانی کے ساتھ مل سکتے ہوں۔ قیوم ملک کے دلائل کے بعد سپریم کورٹ نے حکم دیا کہ لڑکیاں مدرسہ میں تعلیم جاری رکھنے کی خواہش مند ہیں، تو وہ بے شک وہاں تعلیم حاصل کریں، لیکن تاحکمِ ثانی مذکورہ لڑکیوں کو مدرسہ کے قریبی ایدھی ہوم میں رکھا جائے اور ان کے والدین اور رشتہ داروں کو ان سے آزادانہ ملنے کا حق حاصل ہوگا۔ سپریم کورٹ نے متعلقہ ڈی پی او کو ہدایت کی کہ وہ ایدھی ہوم سے مدرسہ تک آنے جانے کے دوران لڑکیوں کے تحفظ کے لئے تمام ضروری اقدامات کریں اور وہ

لڑکیوں کی ویلفیئر اور تحفظ کے بارے میں کئے گئے انتظامات کے بارے میں سپریم کورٹ کو ہفتہ وار رپورٹ دیں۔ انہوں نے لڑکیوں کی فلاح اور رہنے سہنے کے حوالے سے اقدامات کرنے کے لئے سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ سندھ کو بھی ہدایات جاری کیں۔ سپریم کورٹ نے آرڈر کی کاپی فوری طور پر ڈی سی کراچی کو ارسال کرنے کی بھی ہدایت کی۔ مذکورہ حکم کے نفاذ کے لئے اس کی ایک کاپی ایڈووکیٹ جنرل سندھ کو بھی ارسال کی جائے گی۔'' (روزنامہ ''خبریں'' کراچی ۱۷؍دسمبر ۲۰۰۵ء)

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ - اپریل ۲۰۰۶ء)

رَدِّ قادیانیت
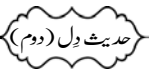
غلام اسحٰق خان پوزیشن واضح کریں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

خبر ہے کہ:

''وزیر خزانہ غلام اسحٰق خان نے اس بیان کی تردید کی کہ وزارتِ خزانہ نے بینکوں کو اس قسم کا کوئی سرکلر جاری کیا ہے کہ جو کھاتہ دار یہ حلفیہ بیان دیں کہ وہ قادیانی مسلمان یا احمدی مسلمان ہیں ان کے کھاتوں سے زکوٰۃ وضع نہ کی جائے۔''

(روزنامہ ''حریت'' کراچی ۲؍اگست ۱۹۸۳ء)

ہمیں کسی سے کیا بدگمانی، خصوصاً وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان سے، کہ ان کی یہ وضاحت قبول نہ کریں، بلکہ ہمیں تو خوشی ہے کہ پوری اُمت کی طرح ہمارے ملک کی انتظامیہ بھی قادیانیوں جیسے ملک و ملت دُشمن عناصر کو غیر مسلم مانتی ہے، (چاہے عملاً نہ سہی) لیکن آخر روزنامہ ''جسارت'' ۱۹؍مئی ۱۹۸۳ء میں شائع شدہ اس گشتی مراسلے کا (جو وزارتِ خزانہ کی جانب سے ملک بھر کے بینکوں کو زکوٰۃ وعشر سے مستثنیٰ افراد کی تفصیل کے سلسلے میں ارسال کیا گیا تھا) کیا جواب ہے؟ جس کے پیرا نمبر۲ میں ہے کہ:

''اگر کوئی غیر مسلم سادے کاغذ پر بھی یہ حلفیہ بیان دے کہ وہ غیر مسلم، احمدی/ قادیانی/ احمدی مسلم/ قادیانی مسلم ہے تو اس کی یہ درخواست قبول کرلی جائے اور اس سے زکوٰۃ نہ لی جائے۔''

حضور علیہ السلام کے فرمان: ''ظنوا المؤمنین خیرًا'' (مؤمنوں سے اچھا گمان رکھو) اور نیز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمائش: ''ھلا شققت قلبہٗ!'' (کسی کی نیت پر حملہ نہ کرو، کیونکہ تم نے اس کے دِل کو چیر کر نہیں دیکھا) اور تہدید سے تو اعتماد ہی اعتماد کا سبق ملتا ہے۔ لیکن وزارتِ خزانہ کی زبان فیض ترجمان سے دورُخے اور متضاد بیانات کا جاری ہونا اپنے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اس کے خلاف سوچنے پر مجبور کرتا ہے، کیونکہ اگر وزیرِ موصوف اپنی وضاحت میں مخلص تھے تو ۱۹رمئی ۱۹۸۳ء سے ۲راگست ۱۹۸۳ء تک کے درمیانی طویل عرصے میں اس گشتی مراسلے سے آخر کیونکر اظہارِ براءت نہیں کیا گیا؟ نیز اس سلسلے کی ہونے والی تنقیدات پر ...جو رسائل و اخبارات میں مسلسل کئی روز تک شائع ہوتی رہیں... کس مصلحت کے تحت سکوت روا رکھا گیا؟ اور کیوں منقار زیر پر رہے، اس کے علاوہ اگر وزارتِ خزانہ کی طرف سے کوئی سرکلر جاری نہیں کیا گیا تھا تو ایسے اخبار کے خلاف کیونکر تأدیبی کاروائی نہ کی گئی؟ جس نے ایک ذمہ دار ادارے کی جانب ایسا بیان منسوب کیا جو شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً جرم ہے، بلکہ ملک اس سے کسی بحران کا شکار بھی ہوسکتا تھا۔

ان تمام حقائق کے پیشِ نظر بجا طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اخباری رپورٹنگ ہی نہ تھی بلکہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جسے انتہائی چالاکی سے عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس میں مرزائی اہل کاروں کا ہاتھ ہے، کیونکہ وہ اس فکر میں ہیں کہ جس طرح ۱۹۷۴ء میں آئینی طور پر انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، بعینہٖ اسی طرح حکومتی سطح پر کسی نہ کسی شکل میں ان کے لئے لفظ ''مسلمان'' کا

استعمال ہوجائے، اور دوبارہ وہ اپنی ساکھ بحال کرسکیں۔ اور یہ بھی مُسلَّمہ اَمر ہے کہ وزارتِ خزانہ کی طرف سے جاری کئے گئے اس سرکلر کے بعد کسی حد تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ لیکن لائقِ ماتم اور قابلِ صد افسوس یہ ہے کہ ایک اسلامی ملک کی مسلمان منتظمہ، ایک غیرمسلم اور ملک دُشمن ...مرزائی... تنظیم کی شہ پر مسلمانوں کے جذبات سے نہ صرف کھیل رہی ہے بلکہ ان کی آلہ کار بنی ہوئی ہے، جس کا اسے احساس تک نہیں۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اس کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ حکومت تکمیلِ مقاصد میں مرزائیوں کی سرپرستی کر رہی ہے۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وزارتِ خزانہ کے نام سے کوئی بیان جاری ہو، اخبارات و رسائل میں اس پر احتجاجوں کا سلسلہ شروع ہوکر ہفتوں نہیں مہینوں تک طول پکڑ جائے، مگر وزیرِ موصوف کو اس کا علم تک نہ ہو...! اگر ایسا ہو تو حکومت نہ ہوئی اندھیر نگری چوپٹ راج کا معاملہ ہوا۔

ہاں! اگر جناب غلام اسحٰق خان صاحب اس سلسلے میں واقعی مخلص ہیں تو ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تحقیق کرکے اس جرم کے مرتکب افراد کی سازش کو بے نقاب کریں اور اس راز کو طشت ازبام کرتے ہوئے اصل حقیقت واضح کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم یہی کہیں گے کہ یہ سارا کچھ ان کی سرپرستی میں ہوا ہے۔ آخر میں ہم جنابِ صدر سے گزارش کریں گے کہ ''قادیانی مسلم/ احمدی مسلم'' کی نئی اصطلاح ایجاد کرنے والے اہل کاروں کو قرار واقعی سزا دے کر اپنی ملّی غیرت کا ثبوت فراہم کریں۔

وما علینا الا البلاغ

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲ ش:۱۲، ۸ تا ۱۴/ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ)

قادیانی مہروں کی تلبیس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

کئی بار انہی صفحات میں عرض کیا جاچکا ہے کہ صادق و مصدوق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے نبوّت جیسے بلند و بالا منصب کو اپنی ناہموار قامت پر سجانے کی کوشش کے نتیجے میں مہدویت، مسیحیت اور نبوّت کے جھوٹے دعوے کئے، مگر ان جھوٹے مدعیانِ نبوّت کی پوری تاریخ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے سوا کسی ایسے شخص کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جس نے یکبارگی مجدّد، مہدی، مسیح، نبی اور تمام انبیاء کی سرداری اور اس سے بڑھ کر خدائی کا دعویٰ کیا ہو، گویا آنجہانی غلام احمد قادیانی کی ''ہمہ گیر شخصیت'' ہی اس کمال کی حامل ہے، کیونکہ وہ جس لمحہ ''کرمِ خاکی'' ہیں، ٹھیک اسی وقت وہ ''بشر کی جائے نفرت'' بھی ہیں۔ اور یہی وہ صفت ہے جو گرگٹ کو دُوسرے حشرات الارض سے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو دُوسرے مدعیانِ نبوّت سے ''ممتاز'' کرتی ہے، طرفہ تماشا یہ کہ وہ اس کو ''اِلہامی کارنامہ'' بتلاتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر مدظلہ نے اپنے ایک مطبوعہ رسالے میں بجا طور پر ان کو ''اِلہامی گرگٹ'' کا نام دیا ہے، جو ہر اعتبار سے نہ صرف مرزا جی کے سراپے کی صحیح تصویر ہے، بلکہ اس نام کے اضافے سے قادیانیوں کے بقول

مرزاجی کے مزعومہ ''صفاتی ناموں'' کی تعداد ۹۹ سے بڑھ کر پوری سو ہوگئی، جو اپنی جگہ ایک بہت بڑا ''اِعزاز'' ہے۔

مرزاجی گوناگوں صفات کے باوصف اپنی اُمت کو اس وقت داغِ مفارقت دے گئے، جب ...مرزائی اُمت... کو ابھی ان سے بہت کچھ سیکھنا تھا۔ تاہم اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ مرزائی اُمت چالاکی و چال بازی، کذب و افتراء اور منافقت و منافرت کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے میں مرزاجی سے کسی طور پر بھی پیچھے نہیں، بلکہ ماضی کے تجربات کی روشنی میں مرزاجی کے ''باکمال'' تلامذہ نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ''جوہرنمائی'' کا مظاہرہ کیا ہے۔

یہاں تفصیلات کا موقع نہیں، بلکہ قارئین کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے ہم قادیانی کردار کے تعفن سے ناک پر ہاتھ رکھ کر گزر جانے میں عافیت سمجھتے ہیں، البتہ اربابِ اقتدار کی اطلاع کے لئے یہاں نموناً ان کے ایک دجل کا ذکر کریں گے۔

گزشتہ دنوں جب ربوہ کے ضیاء الاسلام پریس پر چھاپہ مارا گیا، اور اشتعال انگیز مواد شائع کرنے کی وجہ سے اسے تین ماہ کے لئے سربمہر کردیا گیا، اور قادیانی روزنامہ ''الفضل''، ماہنامہ ''خالد'' اور ''تحریکِ جدید'' وغیرہ نامی رسائل بھی چونکہ اسی جرم میں ملوّث تھے، اسی لئے وہ بھی بند کردیئے گئے، تو اس پر قادیانیوں نے اپنی سازشی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے ربوہ کے بجائے فیصل آباد سے ہفت روزہ ''امن'' نکالنا شروع کردیا، اگرچہ کسی رسالے کے بند ہونے پر عارضی طور پر دُوسرا متبادل انتظام کرلینا کوئی نئی یا قابلِ تعجب بات نہیں، لیکن جب تک اس کی منظوری نہ ملے، ضروری ہوتا ہے کہ باقاعدہ منظورشدہ اخبارات و رسائل کی طرح ''ہفت روزہ'' یا ''ماہنامہ''، ''جلد نمبر'' اور ''شمارہ نمبر'' نہ لکھا جائے، چہ جائیکہ ...ہوشیاری سے... اس کے لئے وہ تمام مراعات حاصل کرلی جائیں جن کا ایک منظورشدہ رسالہ یا اخبار مستحق ہوتا ہے، مگر قادیانیوں نے ان تمام قانونی پابندیوں کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے اپنی

تاریخ کو دہرانا شروع کردیا ہے، کیونکہ ہفت روزہ ''امن'' کا جو شمارہ:۷۹، جلد:۷ ہمارے سامنے موجود ہے، اس پر رجسٹرڈ نمبر درج نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ منظورشدہ نہیں ہے، ورنہ اس کا اندراج ضرور ہوتا۔ مگر حیرانی اس بات پر ہے کہ اس کی ترسیل میں رعایتی ٹکٹ استعمال کیا گیا ہے، جو واضح طور پر ان کی عیاری اور محکمۂ ڈاک سے ملی بھگت کی علامت ہے، جبکہ دیگر رسائل کے لئے ہرسال رجسٹریشن کی تجدید لازمی قرار دی جاتی ہے، اور عدم تجدید کی صورت میں محکمہ ان کی ترسیل سے معذرت کرلیتا ہے، مگر یہاں اس سے امتیازی سلوک کیا جارہا ہے۔ پھر عموماً ہر ہفت روزہ کی جلد کے ۵۰ یا ۵۱ شمارے ہوتے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قادیانی ہفت روزہ کی جلد نمبر:۷ کے ۷۹ شمارے شائع ہوچکے ہیں، نامعلوم مرزائیوں کے ہاں کتنے ہفتوں کا سال اور کتنے شماروں کی جلد ہوتی ہے؟ مرزائی اُمت اگر بُرا نہ منائے تو ہم یہ گزارش کریں گے کہ جھوٹ اور فریب کاری کے میدان میں اگرچہ ان کا کوئی ثانی نہیں، مگر اس موقع پر وہ اپنے مقصد میں خاصے نامراد رہے ہیں، اس لئے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تلبیس سے کام لیتے وقت ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' کے مصداق ان کو یاد نہیں رہا کہ ہر جلد کے ۵۰، ۵۱ شمارے ہوتے ہیں۔

آخر میں ہم اربابِ اقتدار سے گزارش کریں گے کہ ان اِبلیسی مہروں کی تلبیس پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے ہفت روزہ ''امن'' فیصل آباد کے ایڈیٹر نوید اختر غازی، ایڈیٹر انچارج محمد اسلم ندیم، اسٹنٹ ایڈیٹر میاں سجاد احمد، پبلشر حافظ اکرام الحق، پرنٹر ارشد مجید کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے، اور انہیں غلط بیانی، دھوکا دہی کے جرم میں ایسی کڑی سزائیں دی جائیں کہ آئندہ کسی کو اس قسم کے گھناؤنے جرم کی ہمت نہ ہوسکے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۳۳، ۱۱ تا ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ)

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵ر ستمبر ۲۰۰۰ء مطابق ۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ کی اشاعت میں وائس آف امریکہ کے حوالے سے ایک ریڈیو رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ:

''پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں نے امریکی حکومت سے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں سے ناروا امتیازی سلوک کیا جاتا ہے اور ان کی جان و مال مسلسل خطرے میں ہے۔ ریڈیو کے مطابق پاکستانی مسیحیوں، ہندوؤں اور احمدیوں (قادیانیوں... ناقل) کے نمائندوں نے امریکی پارلیمنٹ میں وائٹ ہاؤس اور کانگریس کے قائم کردہ گیارہ رُکنی کمیشن کے سامنے اس بات کے شواہد پیش کئے کہ پاکستان کا آئین اور قوانین مذہبی اقلیتوں کو دُوسرے درجے کے شہریوں کا درجہ دیتے ہیں، اور ان کے عقائد پر پابندیاں عائد کرتے ہیں ...... قادیانیوں کے رہنما اور جماعتِ احمدیہ اسلام آباد کے صدر مجیب الرحمٰن نے کہا کہ قوانین کی رو سے احمدیوں کو اسلام کی

پیروی کی اجازت نہیں، اور وہ خود کو مجبوراً احمدی کہتے ہیں، دوسو سے زائد احمدیوں کو توہینِ اسلام کے الزام کا سامنا ہے، جس کی سزا موت ہے۔''

پاکستانی اقلیتوں کے حالات و واقعات اور کارناموں سے ہٹ کر اگر اس خبر کو دیکھا جائے تو بلاشبہ پاکستانی اقلیتیں خصوصاً قادیانی، مظلوم دِکھائی دیں گے، لیکن اگر متعصب و تنگ نظر عیسائی دُنیا، تعصب کی عینک اُتار کر پاکستان سمیت پوری دُنیا کا جائزہ لے اور سروے کرے تو اسے واضح طور پر نظر آئے گا کہ اسلامی نظامِ حیات میں جس قدر اقلیتوں کو تحفظ و آزادی حاصل ہے، شاید ہی کسی دُوسرے دِین و مذہب میں کسی اقلیت کو ایسی آزادی حاصل ہوگی؟ لیکن ناس ہو مذہبی تعصب اور اسلام دُشمنی کے جذبے کا کہ اسے اسلام اور مسلمانوں میں کوئی خوبی ہی نظر نہیں آتی۔ دُوسری جانب عیسائی، ہندو اور قادیانی، بابائے عیسائیت، بین الاقوامی اسلام دُشمن اور دہشت گرد فرعون امریکہ کے اسلام دُشمنی کے جذبے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسے پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف اُکسانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ورنہ اگر غور کیا جائے تو اس خبر کے مندرجات سے ہی واضح ہوجاتا ہے کہ قادیانی نہ صرف اسلام کے باغی ہیں، بلکہ وہ آئینِ پاکستان اور پاکستان کے بھی غدار ہیں، اس لئے کہ آئینِ پاکستان کی رُو سے وہ غیرمسلم اقلیت ہیں، لیکن انہیں اپنے آپ کو غیرمسلم اقلیت تسلیم کرنے کے بجائے ملکی قوانین کی دھجیاں بکھیرنے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر اصرار ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ اپنے اس غیراسلامی اور غیرانسانی مذہب کو اسلام کا نام دے کر مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، اور جب کوئی مسلمان اس پر احتجاج کرتے ہوئے ان سے کہے کہ تم اسلام کے نام پر کفر کی ترویج کیوں کرتے ہو؟ اور بکری کے نام سے سور کا گوشت کیوں فروخت کرتے ہو؟ جو قانوناً، اخلاقاً اور دیانۃً فراڈ اور ناقابلِ معافی جرم ہے، تو وہ اسے مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا نام دیتے ہیں۔ گویا

اگر کوئی مسلمان ان کی ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی کے خلاف زبان کھولے یا شعائرِ اسلام کے تحفظ کی بات کرے تو وہ تنگ نظر ہے، لیکن اس کے برعکس اگر قادیانی، مسلمانوں کو قتل بھی کرتے پھریں تب بھی وہ مظلوم ہی رہتے ہیں۔

اسلام دُشمن قوّتوں کو مسلمانوں کا اپنے دِین و مذہب اور اسلامی شعائر کا تحفظ تو مذہبی تعصب نظر آتا ہے، لیکن ایک اسلامی ریاست کے عین وسط میں عیسائی آبادی مشرقی تیمور کا قیام، فلسطین پر یہودی چڑھائی، چیچنیا میں مسلمانوں کا قتلِ عام، افغانستان کا دِینی، مذہبی، اخلاقی اور معاشی قتل اور کشمیری مسلمانوں پر تاریخ کے بدترین مظالم انہیں دِکھائی نہیں دیتے...!

تصویر کا دُوسرا رُخ دیکھئے تو ان ''مظلوم'' قادیانیوں کی درندگی اور سفا کی کا یہ عالم ہے کہ مسلمان اکثریتی ملک میں وہ اپنی ارتدادی سرگرمیوں کی راہ میں کسی رُکاوٹ کو نہ صرف یہ کہ برداشت نہیں کرتے بلکہ ایسے تمام مسلمانوں کو جو آئینِ پاکستان کی پاسداری کے لئے انتظامیہ اور پولیس کا سہارا لیتے ہیں، انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر کے موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹، ۲۰ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو منگل اور بدھ کی درمیانی شب کبیر والا ضلع خانیوال کی مضافاتی بستی سرائے سدھو میں ایک ایسے نوجوان کو جس نے قادیانیوں کی اِرتدادی سرگرمیوں کی راہ میں رُکاوٹ بنتے ہوئے تھانے اور پولیس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انہیں مسلمانوں میں تبلیغ کرنے سے منع کیا تھا، رات کو سوتے میں کلہاڑیوں کے پے درپے وار کر کے شہید کردیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق جناب محمد بلال عرف بگو نامی نوجوان جو دونوں ٹانگوں سے کسی قدر معذور مگر دِینی جذبے سے سرشار تھا، اپنے گھر کے باہر بیٹھ کر دِینی اور اسلامی نظمیں موزون کیا کرتا تھا، اسے معلوم ہوا کہ علاقے میں موجود قادیانی اپنے مربی کو بلاکر مسلمانوں کو مرتد کرنے میں مصروف ہیں، اسے قادیانیوں کی اس دیدہ دلیری پر غصہ بھی آیا اور تعجب بھی، کہ مسلمانوں کی بستی میں قادیانیوں کا علی الاعلان کفر کی تبلیغ کرنا مسلمانوں

کی ایمانی اور ملّی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے، اس نوجوان نے اپنی کمزوری اور معذوری کے باوجود ان کو للکارا اور پولیس کے ذریعہ ان کی ان اِرتدادی سرگرمیوں کا سدِ باب کرتے ہوئے ان کے خلاف ۲۹۵ سی کا مقدمہ درج کرادیا، جس کے نتیجے میں پولیس نے قادیانیوں کو حوالۂ زنداں کردیا تو مرزائی اُمت نے اس کو اپنی توہین سمجھا، چنانچہ ان غنڈوں نے رات کو سوتے میں اس معذور نوجوان پر پے در پے کلہاڑیوں کے وار کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی آواز کو خاموش کردیا۔

جناب مولانا مفتی محمد انور صاحب مہتمم دارالعلوم کبیر والا کی اطلاع کے مطابق دُوسرے دن علاقے میں اس درندگی کی اطلاع ملی تو اہلِ علاقہ سراپا احتجاج ہوگئے، اور اس غیور مجاہد اور شہید فی سبیل اللہ کے جنازے پر اتنی مخلوقِ خدا جمع تھی کہ اگر چاہتے تو علاقے کے چند قادیانیوں کی تکہ بوٹی کردیتے، مگر مسلمان چونکہ ہمیشہ قانون کے پابند اور پُرامن شہری واقع ہوئے ہیں، اس لئے مسلمانوں نے یہاں بھی قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن افسوس! کہ مسلمانوں کی اس امن پسندی کو انتظامیہ اور بین الاقوامی مہرے ہمیشہ مسلمانوں کی کمزوری سمجھتے آئے ہیں۔

بہرحال علاقہ بھر کے علماء نے انتظامیہ کے ساتھ تعاون کیا، قادیانی قاتل گرفتار ہوگئے، مگر ''اُوپر'' کے اشارے پر اصل قاتلوں کو چھوڑ کر ایک مرگی کے مریض قادیانی سے اس قتل کا اعتراف کراتے ہوئے قادیانی درندگی، دہشت گردی اور سفا کی کو تحفظ فراہم کیا جارہا ہے۔

امریکہ اور اس کے حواریوں سے کوئی پوچھے کہ پاکستان کے علاوہ دُنیا میں کہیں اور بھی ایسی کسی ''مظلومیت'' کی کوئی مثال ملتی ہے...؟

اسی طرح چند سال پیشتر کا وہ قصہ بھی ابھی لوگوں کے ذہنوں سے محو نہیں ہوا، جس میں رحمت مسیح اور سلامت مسیح نے دانستہ طور پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرکے مسلمانوں کے دِلوں کو زخمی اور کلیجوں کو چھلنی کیا،

لیکن جب عدالت نے ان کے خلاف آئینِ پاکستان کے مطابق فیصلہ دیا تو انہیں رات ہی رات میں ملک سے باہر نکال دیا گیا۔

ہم، قادیانیوں اور دُوسری اقلیتوں کے افراد سے گزارش کرنا چاہیں گے کہ وہ اپنا طرزِ عمل بدلیں یا پھر خیر سے اس ملک سے ہی تشریف لے جائیں، اس لئے کہ ''اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا فلسفہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے صبر و تحمل کا بندھن ٹوٹ جائے، ان کی برداشت جواب دے جائے یا ان کے اعصاب جواب دے جائیں، اور پھر ان کا پاکستان میں رہنا دُوبھر ہوجائے...!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رجب ۱۴۲۱ھ مطابق نومبر ۲۰۰۰ء)

دریدہ دہن موذیوں کو لگام دی جائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اسلام دُشمن قوّتوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اسلام، شعائرِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرکے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے رہیں، اس لئے وہ ہر وقت اپنے اس محبوب مشغلے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اکثر و بیشتر وہ اپنی تنقید کی توپوں کا رُخ مسلمانوں کی طرف ہی رکھتے ہیں، اور اپنے وسائل و ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے مختلف انداز سے کبھی اسلام کو ناقابلِ عمل بتلاتے ہیں، کبھی مسلمانوں کو تنگ نظری کا طعنہ دیتے ہیں، اور جب کبھی وہ مسلمانوں پر بہت ہی زیادہ ''مہربان'' ہوجائیں تو پھر ناموسِ رسالتؐ سے کھیلنے اور توہینِ رسالت کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے۔

انگریزی دورِ استبداد کی پیداوار مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے آقاؤں کے اس مکروہ مشن کو اپنے ہاتھ میں لے کر توہینِ انبیاءؑ کا سلسلہ شروع کیا تو اسلام دُشمن قوّتوں کو کسی قدر اطمینان ہوگیا اور ایک عرصہ تک وہ براہِ راست اس بدترین اور مذموم عمل سے کنارہ کش ہوگئے۔ لیکن مسلمانوں کی بیداری، علمائے حق کے احساسِ ذمہ داری، ان کی قربانیوں، مسلسل جدوجہد اور ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی تحریکوں کے نتیجے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ذُرّیت کو نہ صرف غیرمسلم اقلیت قرار دے کر ان کے

گلے میں پٹہ ڈالنے کی کوشش کی گئی، بلکہ ۱۹۸۴ء کے امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس کے توسط سے ان کے منہ میں نوکیلی لگام بھی دے دی گئی، تا کہ آئندہ کوئی دریدہ دہن شانِ رسالت مآب ...صلی اللہ علیہ وسلم... میں بھونکنے کی جرأت نہ کر سکے، اور ۲۹۵-اے، بی اور سی کی رُو سے جو شخص حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی و رسول کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہوئے پایا گیا، اور اس کی یہ دریدہ دہنی ثابت ہوگئی تو اس کی سزا موت ہے۔

اس قانون سے جہاں قادیانیت براہِ راست متأثر ہوئی، وہاں اسلام دُشمن قوّتوں خصوصاً عیسائیت اور یہودیت اور ان کی آلہ کار تحریکوں کے مقاصد پر بھی زَد پڑی، چنانچہ اس قانون کی برکت سے اسلام دُشمن قوّتیں بے نقاب ہوگئیں، اور وہ لوگ بھی ننگے ہوگئے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے تھے، بظاہر محبتِ رسول کا دَم بھرتے تھے، مگر اندر ہی اندر عداوتِ رسول اور بغضِ انبیاء کی آگ میں جل رہے تھے، اب وہ عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کی صف میں کھڑے ہوکر یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ قانونِ توہینِ رسالت منسوخ کیا جائے، ورنہ ۱۰؍جنوری سے اس قانون کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی جائے گی۔ غالباً انہیں مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کا احساس، اور اہلِ ایمان کے عشقِ رسول کا اندازہ نہیں، ورنہ وہ یہ غلطی نہ کرتے۔ انہیں مسلمانوں کی ایمانی اور ملّی غیرت کو چیلنج کرکے ان کے جذبۂ صداقت کا امتحان نہیں لینا چاہئے، اس لئے کہ جو مسلمان انگریزی استبداد کے سامنے نہ جھکا، جہاں پانچ پانچ سو علماء کو ایک ایک دن سولی پر لٹکایا گیا، اسی طرح جو جلیانوالا باغ کے سانحے سے خوف زدہ نہ ہوا، جہاں مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا، ایسے ہی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں مسلمانوں نے سینے پر گولیاں تو کھائیں، مگر ایمان و اسلام اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے فریضے میں ذرّہ بھر کوتاہی نہیں کی، کیا وہ مسلمان آج قانون کے

سہارے کے باوجود اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جائے گا؟ اپنے پیغمبر کی ناموس کی حفاظت سے دستبردار ہوجائے گا؟ کیا وہ اپنے اکابر و اسلاف کی قربانیوں کو بھول جائے گا؟ نہیں! قطعاً نہیں...! اس لئے نام نہاد تنظیم ''آل فیتھ اسپریچول موومنٹ'' کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور ملکی قانون اور مسلمانوں کے جذبۂ ایمان کی آہنی دیوار سے نہیں ٹکرانا چاہئے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان ان کا ملک میں رہنا دوبھر کردیں۔

اسی طرح ہم انتظامیہ اور اربابِ اقتدار سے بھی عرض کریں گے کہ موجودہ حالات میں ملک کسی بھی تحریک کا متحمل نہیں ہے، اس لئے وہ موذیوں کو لگام دے اور ایسے دریدہ دہنوں کا علاج کرے اور قانون کی پاسداری اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنائے، ورنہ ان کی داستان نہ ہوگی داستانوں میں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق مارچ ۲۰۰۱ء)

ووٹر فارم میں ختمِ نبوّت کے حلف نامے کی بحالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۲؍ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۵؍مئی ۲۰۰۲ء کو ہفتے کے دن قومی سیرت کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ مملکت جنرل پرویز مشرف نے قادیانیوں سے متعلق آئینی ترامیم اور ووٹر لسٹ فارم سے عقیدۂ ختمِ نبوّت پر مشتمل حلف نامے کے حذف کئے جانے کے سلسلے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

> ''عقیدۂ ختمِ نبوّت پر یقین نہ رکھنے والے افراد مسلمان نہیں، اور مخلوط طرزِ انتخابات سے قادیانی مسلمان قرار نہیں پاجائیں گے۔''
> (روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۲۶؍مئی ۲۰۰۲ء)

صدرِ مملکت نے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے منکرین کے کفر و ایمان سے متعلق اپنے اس دوٹوک اعلان اور مختصر اعلامیہ سے جہاں اُمتِ مسلمہ اور مسلمانانِ پاکستان کی ترجمانی کا بہترین فریضہ انجام دیا ہے، وہاں انہوں نے اپنے بارے میں لوگوں کے اس پروپیگنڈے کا بھی خوبصورت انداز میں جواب دے دیا ہے کہ خدانخواستہ ان کا منکرینِ ختمِ نبوّت کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ منکرینِ ختمِ نبوّت کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، بلاشبہ جنابِ صدر کے اس اعلان سے ملکی فضاء میں قادیانیت کے بارے میں پائی جانے والی بے چینی اور تشویش میں کافی حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔ صدرِ مملکت کے اس جرأت مندانہ اعلان کے ٹھیک چار دن بعد

۳۰؍مئی کے اخبارات میں مسلمانوں کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے حکومت کی طرف سے یہ حوصلہ افزا اعلان شائع ہوا کہ:

''حکومت نے ووٹر فارم میں عقیدۂ ختمِ نبوّت کا حلف نامہ بحال کردیا ہے، مخلوط طرزِ انتخاب رائج کرنے کے فیصلے کے بعد ووٹر فارم سے عقیدۂ ختمِ نبوّت کا حلف نامہ حذف کردیا گیا تھا، بدھ کو جاری ہونے والے سرکاری بیان میں کہا گیا ہے کہ یہ فیصلہ غلط فہمیوں سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے، حکومت نے ووٹر فارم میں عقیدۂ ختمِ نبوّت کا حلف نامہ بحال کرنے کے فیصلے سے الیکشن کمیشن کو مطلع کردیا ہے، اور الیکشن کمیشن سے کہا گیا ہے کہ وہ ووٹر فارم میں عقیدۂ ختمِ نبوّت کا حلف نامہ دوبارہ شائع کرے، سرکاری ذرائع نے بتایا ہے کہ حکومت اور متحدہ مجلس عمل میں شامل بعض جماعتوں کے درمیان حالیہ رابطوں میں یہ معاملہ تفصیل سے زیرِ بحث آیا اور حکومت نے متحدہ مجلس عمل کے لیڈروں کو بتایا تھا کہ عقیدۂ ختمِ نبوّت کا حلف نامہ مخلوط طرزِ انتخاب کے فیصلے کی وجہ سے ووٹر فارم سے حذف کرنا پڑا، جداگانہ طرزِ انتخاب میں جو جنرل ضیاء الحق کے دور میں ۱۹۸۵ء سے رائج ہوا تھا، مسلم اور غیرمسلم ووٹروں کے لئے الگ الگ فارم جاری ہوتے تھے، اسلام آباد سے این این آئی کے مطابق ووٹر فہرستوں میں قادیانیوں اور مرزائیت سے برأت کے حلف نامے کی بحالی میں وزیرِ اطلاعات نثار میمن نے اہم کردار ادا کیا۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۳۰؍مئی ۲۰۰۲ء)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صدرِ مملکت کو اس سے قبل فتنۂ قادیانیت کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا، لیکن جیسے ہی ان کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا تو بحمداللہ انہوں نے

سنجیدگی سے اس کا نوٹس لیا اور مسلمانوں کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے بروقت یہ قدم اُٹھایا، چنانچہ ان کے پیش رُو فوجی حکمران جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے بھی شروع شروع میں اس مسئلے سے تغافل برتا، لیکن جیسے ہی ان کو اس کی سنگینی کا احساس ہوا تو انہوں نے جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا اور سارقینِ نبوّت کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے کہا:

> ''اگر وہ اسلام کے بنیادی نظریے یعنی ختمِ نبوّت پر ضرب لگانے کی کوشش میں ہوں تو ان سے سختی سے نمٹا جائے گا۔''

ہمارے خیال میں جناب صدر پرویز مشرف صاحب کو بھی اپنے پیش رُو فوجی حکمران کی طرح ان غدارانِ ملک وملت کے خلاف ٹھیک اسی طرح ٹھوس موقف اختیار کرنا چاہیے جس طرح سابق صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اختیار کیا تھا، چنانچہ ضیاء الحق مرحوم نے آج سے ۱۹سال قبل ۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۸/دسمبر ۱۹۸۳ء کو آٹھویں قومی سیرت کانفرنس سے افتتاحی خطاب کے موقع پر قادیانیوں کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت اور وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا ہر مدعی کاذب ہے، اور ایسا دعویٰ کرنے والے کو نبی، صاحبِ شریعت یا مجدّد ماننے والے گمراہ اور غیر مسلم ہیں، انہوں نے کہا کہ پاکستان میں غیر مسلموں کی حفاظت اور کفالت حکومت کا فرض ہے، لیکن اگر وہ اسلام کے بنیادی نظریے یعنی ختمِ نبوّت پر ضرب لگانے کی کوشش میں ہوں تو ان سے سختی سے نمٹا جائے گا، صدر نے کہا کہ پاکستان میں غیر مسلموں کو نظریۂ اسلام سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۰؍دسمبر ۱۹۸۳ء)

سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے اس اعلان سے قادیانی اپنی موت آپ مرگئے تھے، مگر قادیانیوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ برسرِ اقتدار آنے والے ہر نئے حکمران کو اپنے شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں، انہوں نے ہمیشہ مگرمچھ کے آنسو بہا کر اپنی مظلومیت اور مسلمانوں کے مظالم کی دہائی دینے کی ناپاک کوشش کی، اسی طرح ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اقتدار کی چھتری کے سائے میں بیٹھ کر نہایت اطمینان سے مسلمانوں پر سنگ باری کریں، ان کے جذبات بھڑکائیں اور شعائرِ اسلام کی توہین کریں۔ صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کے بعد یکے بعد دیگرے برسرِ اقتدار آنے والے ہر حکمران کے دور میں قادیانیوں نے اپنی یہ بدترین رَوِش برقرار رکھی۔ موجودہ فوجی انقلاب اور مخدوش ملکی حالات کو انہوں نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے نہایت مفید اور خوش آئند فضاء قرار دیتے ہوئے اپنی سازشوں کو تیز تر کردیا تھا، ایک طرف ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا ڈرامہ، دُوسری طرف عالمِ اسلام پر امریکہ بہادر کا غیظ وغضب اور اسلامی ریاست افغانستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی تباہ کن بمباری نے جلتی پر تیل کا کام دیا، چنانچہ انہوں نے اپنے بیرونی آقاؤں کے دباؤ کے ذریعہ جناب صدر پرویز مشرف اور اس کی کابینہ کو اپنے شیشے میں اُتارنے میں کسی قدر کامیابی حاصل کرلی، سب سے پہلے آئین کے معطل ہونے پر یہ تأثر دینے کی کوشش کی گئی کہ آئینی اعتبار سے اب قادیانی غیرمسلم نہیں رہے، جب اس پر احتجاج ہوا تو اَربابِ اقتدار نے پی سی او میں اس شق کا اضافہ کیا کہ قادیانی بدستور غیرمسلم ہیں اور قادیانیوں سے متعلق آئینی ترامیم بدستور قائم ہیں۔ مگر قادیانیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ وہ اپنی گھناؤنی سازشوں میں مصروف رہے، یہاں تک کہ وہ جداگانہ انتخابات کے ختم کرنے اور مخلوط طرزِ انتخابات کے انعقاد میں کامیاب ہوگئے۔ مخلوط طرزِ انتخابات کے اعلان ہوتے ہی بیوروکریسی اور قادیانی لابی کے اہل کاروں نے فوراً ووٹر فارم لسٹ سے عقیدۂ ختمِ نبوّت پر مشتمل حلف نامے کو نکال باہر کیا، جس سے

قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی سو سالہ جدوجہد ایک دَم صفر ہوکر رہ گئی، اور یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ قادیانی پھر سے مسلمانوں کی سیٹوں پر کھڑے ہوں گے، مسلمانوں کے ووٹوں کے ذریعہ کامیاب ہوکر مسلمانوں کے دِین و ایمان پر ڈاکا ڈالیں گے، اور قوم و ملک کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر سازشیں کریں گے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوّت کے اکابرین، ملک کے سیاسی و مذہبی راہ نماؤں اور پاکستانی عوام کو جنھوں نے اس موقع پر جرأتِ ایمانی اور ملّی غیرت کا ثبوت دیا اور پورے ملک کو اس سازش کے پس پردہ سنگین عواقب و نتائج سے آگاہ کیا اور پورے ملک کو آتش زیرپا اور سراپا احتجاج بنادیا، چنانچہ اسی کا ثمرہ تھا کہ ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۵؍مئی ۲۰۰۲ء کو اسلام آباد میں منعقد ہونے والی قومی سیرت کانفرنس کی افتتاحی تقریب سے صدر کے خطاب کے دوران چند علماء نے کلمۂ حق ادا کرتے ہوئے صدرِ پاکستان کو اس سنگین مسئلے کی طرف توجہ دِلائی، دُوسری طرف جناب نثار میمن صاحب سے ملاقات کے دوران قائدِ جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور دُوسرے زعماء نے ان پر واضح کیا کہ ایک طرف آپ مذہبی اور سیاسی زعماء سے تعاون اور ملاقات چاہتے ہیں، دُوسری طرف آپ مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنا چاہتے ہیں، اگر آپ نے قادیانیوں سے متعلق اپنی پالیسی واضح نہ کی تو ہماری طرف سے کسی خیر کی توقع نہ رکھیں، اور ہم ایسی حکومت کو قطعاً برداشت نہیں کریں گے جو ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین، خصوصاً قادیانیت کے سلسلے کی آئینی ترامیم کو چھیڑنے کی کوشش کرے گی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے صدرِ پاکستان، جناب نثار میمن اور ان کے رفقاء کو جنھوں نے بروقت اس سازش کا ادراک کیا اور مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے عقیدۂ ختمِ نبوّت سے بغاوت کرنے والوں کو نہ صرف مسلمانوں کی فہرست سے نکال باہر کیا، بلکہ دوبارہ ووٹر فارم لسٹ میں عقیدۂ ختمِ نبوّت پر مشتمل حلف نامہ بھی بحال کردیا۔ بلاشبہ حکومت کا یہ اقدام قابلِ تحسین، بروقت اور دانش مندانہ ہے، ہم اس پر اس کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مزید در

مزید اس طرح کے دانش مندانہ فیصلے کرنے کی توفیق دے اور انہیں قوم و ملک کے اندرونی و بیرونی دُشمنوں کو پہچاننے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ہمت بھی عطا فرمائے، آمین!

شنید ہے کہ حلف نامے کی بحالی کا تاحال سرکاری طور پر کوئی نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا، کہیں ایسا تو نہیں کہ محض وقتی طور پر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے سرکاری بیان پر اکتفا کیا گیا ہو؟ اس لئے اربابِ اقتدار کو سنجیدگی سے اس پر غور کرنا چاہئے اور باقاعدہ اس کا نوٹیفکیشن جاری ہونا چاہئے، تاکہ اس کی قانونی حیثیت بحال ہوسکے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بلاشبہ جتنے عرصے تک ووٹر فارم سے عقیدۂ ختمِ نبوّت کا حلف نامہ حذف رہا ہے، قادیانیوں نے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اپنے لوگوں کے نام مسلم ووٹر کی حیثیت سے درج کرائے ہوں گے، جو بلاشبہ قانوناً اور اخلاقاً غلط ہے، اس لئے اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ اس دوران پُر کئے گئے تمام ووٹر فارم کالعدم قرار دے کر نئے سرے سے فارم بھروائے جائیں، اگر ایسا نہ کیا گیا تو عین ممکن ہے کہ قادیانی ووٹرز آئندہ انتخابات میں اپنے آپ کو مسلمان ووٹر اور مسلمان امیدوار کی حیثیت سے پیش کرکے مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکا ڈالیں، نیز یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ اگر کوئی قادیانی، مسلمان امیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لیتا ہوا پکڑا گیا تو مسلمان جذبات میں آکر اس کے خلاف کسی انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور نہ ہوجائیں، جو کسی اعتبار سے ملک وقوم کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی بروقت پیش بندی کرلی جائے تاکہ ایسے کسی ناخوش گوار واقعے کا سدِباب ہوسکے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق جولائی ۲۰۰۲ء)

کیا پاکستان اسی لئے بنا تھا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مسلمانانِ پاکستان اس وقت متعدّد گھمبیر مسائل سے دوچار ہیں، خصوصاً پاکستان کی دِینی قیادت کو اس وقت ایسے چیلنجوں کا سامنا ہے جو ہمہ گیر توجہ اور غور و فکر کے متقاضی ہیں، ان میں کسی ایک سے بے اعتنائی و بے توجہی اور غفلت و لاپروائی بھیانک نتائج و عواقب کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ پاکستان میں اس وقت جو طبقہ برسرِ اقتدار ہے، اسے نہ صرف ملک کی جغرافیائی سرحدوں کا پاس نہیں، بلکہ وہ اس کی نظریاتی سرحدوں اور اَساس کو مٹانے کے درپے لگتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے اپنے اقتدار اور ذاتی مفادات کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے اقتدار کے تحفظ اور مغربی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر اپنے معصوم شہریوں کو "دہشت گرد" قرار دینے، ان پر بمباری کرنے، ان کی جان و مال تباہ کرنے اور انہیں گرفتار کرکے مغرب کے حوالے کرنے میں بھی ذرّہ بھر خفت و شرمندگی اور شرم و عار محسوس نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ وہ ملکی قوانین میں طے شدہ اُمور کو متنازعہ بنانے اور ان میں من مانی ترامیم کرکے اس کا حلیہ بگاڑنے میں مصروف ہے۔

چنانچہ وہ حدود آرڈی نینس میں ترمیم، قانونِ توہینِ رسالت میں تحریف،

پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کے اخراج، تعلیمی نصاب میں تبدیلی، نصابِ تعلیم سے آیاتِ جہاد نکالنے اور مسلمان ملک کے تعلیمی بورڈ کو آغا خانی اقلیت کے حوالے کرتے ہوئے نظر آرہا ہے۔ اس صورتِ حال سے نہ صرف اہالیانِ پاکستان دِل گرفتہ ہیں بلکہ دُنیا بھر کا ہر مسلمان اپنی بے بسی اور اربابِ اقتدار کی بے حسی پر خون کے آنسو رو رہا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اربابِ اقتدار کو ان اقدامات کے نتائج کی سنگینی کی طرف متوجہ نہیں کیا گیا، یا انہیں ان اقدامات کے بھیانک انجام کا علم نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب کچھ جان بوجھ کر علیٰ وجہ البصیرت کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اور ان کے وزیروں، مشیروں کی فوج ظفر موج اپنے ان نام نہاد اقدامات کے دفاع میں گلے پھاڑ پھاڑ کر دلائل دے رہی ہے۔ چنانچہ کبھی کہا جاتا ہے کہ حدود آرڈی نینس میں ترمیم اس لئے ضروری تھی کہ: موجودہ آرڈی نینس میں خواتین کو بے جا ظلم و تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ قانونِ توہینِ رسالت میں تحریف اس لئے کی گئی کہ: اقلیتوں کی آزادی پر قدغن نہ ہو۔ پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کا اخراج اس لئے کیا گیا کہ: پاکستانی پاسپورٹ بین الاقوامی معیار کا ہوجائے۔ تعلیمی نصاب میں تبدیلی کی وجہ غالباً یہ بتلائی جاتی ہے کہ: مسلمان بچے خالص مسلمان نہ رہیں۔ آیاتِ جہاد کو اس لئے خارج کیا گیا کہ: آئندہ کوئی ''جنگجو'' پیدا نہ ہونے پائے۔ پاکستان بھر کے تعلیمی نظام کو آغا خان تعلیمی بورڈ سے اس لئے ملحق کیا گیا کہ: پاکستان کا نظامِ تعلیم عالمی معیار کا ہوجائے، وغیرہ، وغیرہ، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

بلاشبہ اربابِ اقتدار کے یہ تمام اقدامات ان کی ذہنی مرعوبیت اور اپنے بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے علاوہ اپنے اندر کوئی حقیقت و معنویت نہیں رکھتے۔

ورنہ کون نہیں جانتا کہ جرم و سزا کا فلسفہ مرد و عورت ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔ اسی طرح حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کا

مرتکب کسی رو رعایت کا مستحق نہیں، چاہے وہ کسی دِین و مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ایسے ہی مسلمان ملک کے مسلم نونہالوں کی تعلیم و تربیت کا نصاب اسلامی اُصولوں کا آئینہ دار ہونا چاہئے، اس میں کسی غیرضروری اور غیراسلامی بھرتی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی اقلیت اکثریت کا اور اکثریت اقلیت کا حق نہ مارے، اور غیرمسلم مسلمانوں کو دھوکا دے کر ان کے مقدس شعائر کی توہین کے مرتکب نہ ہونے پائیں۔ جہاد مسلمانوں کا مقدس فریضہ ہے، آیاتِ جہاد کا نصاب میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اس کی اہمیت و عظمت کا اندازہ رہے۔ اسی طرح مسلمان اکثریت کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی نسل اور نونہالوں کے دِین و ایمان اور عقیدہ و مذہب کے تحفظ کی خاطر خود ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کریں اور اپنی نسل کو جیتے جی مغربی تہذیب کا ایندھن نہ بننے دیں۔

جبکہ آغاخان بورڈ کے نصابِ تعلیم کے جو سوالات اخبارات کی زینت بنے ہیں، ان کے مطالعے کے بعد قطعاً کوئی مسلمان یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے نونہالوں کو بے حیائی و بے راہ روی کی اس جہنم میں دھکیل دے۔

چنانچہ آغاخان بورڈ کے نصاب کے مندرجات اور میٹرک کے طلبہ سے پوچھے جانے والے غلیظ معروضی سوالات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> ''لاہور (نمائندہ خبریں) ''تنظیم اساتذۂ پنجاب'' کے عہدیداروں نے انکشاف کیا ہے کہ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد کی طرف سے شائع کی جانے والی آٹھویں کی تاریخ کی کتاب میں چودہ مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصاویر شائع کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ صحابیٔ رسول عبداللہ بن حذیفہؓ اور ابوذر غفاریؓ کی تصاویر انگریزی کی کتاب میں شائع کی گئی ہیں۔ اور ایک انگریزی نظم میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان

زمین اور پانی بنایا اور پھر آرام کرنے چلا گیا۔ یہ تمام کتابیں اس وقت بھی بچوں کو پڑھائی جارہی ہیں اور نصاب سے ابھی تک یہ چیزیں خارج نہیں کی گئیں۔ یہ بات پنجاب تنظیم کے صدر رانا اصغر علی اکیڈمک ایسوسی ایشن، پنجاب یونیورسٹی کے جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مہر نصیر اختر، صدر تحریک اساتذہ پنجاب پروفیسر محمد شفیق اور دیگر نے گزشتہ روز ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں کہی۔ رانا اصغر علی نے کہا کہ اُردو کی نویں کی کتاب میں حضرت عمرؓ کے متعلق ہرزہ سرائی کی گئی ہے اور حکومت نے صرف اس کو نہ پڑھانے کی ہدایت کی ہے، اسے نصاب سے خارج نہیں کیا۔ نویں کی انگریزی کی کتاب میں دو لَو اِسٹوریاں بھی اب تک موجود ہیں۔ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کی آٹھویں کی معاشرتی علوم کی کتاب میں صفحہ:۲۰ سے ۲۳ تک اسلامی مواد کو خارج کرکے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں القاعدہ اور طالبان کی مذمت کی گئی ہے اور افغانستان پر امریکی حملے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور صفحہ:۳۰ پر عراق کو دہشت گرد قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت آغا خان بورڈ کی طرف سے نویں سے لے کر بارھویں جماعت کے طلبہ میں سروے کرایا گیا ہے، جس میں سوالات کئے گئے ہیں کہ ایڈز کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے چھ ماہ میں شراب پی ہے؟ کیا کبھی جنسی تعلق استوار کیا ہے؟ اور کیا آپ نے کبھی گرل فرینڈ یا بوائے فرینڈ رکھا ہے؟ ان سوالات سے نئی نسل کے بچوں کی کیسی تربیت ہوگی؟ ان اقدامات کو امریکی آشیرباد حاصل ہے اور ہم اس حوالے سے بھرپور احتجاج کریں گے کیونکہ یہ فیصلے ہمارے لئے

ناقابلِ برداشت ہیں۔ پروفیسر مہر اختر نے کہا کہ یہاں نویں اور دسویں کی بیالوجی کی کتابوں میں عورت، اور تیسری کی جنرل سائنس کی کتاب میں مرد کے عضوِ مخصوصہ کی تصاویر دی گئی ہیں، جبکہ ایسا امریکہ میں بھی نہیں ہوتا، یہ کھلی بے راہ روی ہو رہی ہے، جس سے پوری قوم کے اسلامی تشخص کو شدید خطرات لاحق ہیں۔'' (روزنامہ ''خبریں'' ۲۰؍ستمبر ۲۰۰۴ء)

بلاشبہ حکومت کے موجودہ اقدامات سے ایسا محسوس ہوتا ہے وہ قیامِ پاکستان اور دوقومی نظریہ کو غلط تصوّر کرتی ہے، اس لئے کہ اگر ہم نے امریکہ، برطانیہ یا قادیانی اور آغاخانی بالادستی ہی قبول کرنا تھی تو تقسیمِ ملک کے اس تکلف کی ہی کیا ضرورت تھی؟ کروڑوں کی املاک، ہزاروں عفت مآب ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزّت و ناموس کی قربانی اور خون کی ندیاں عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ہمارے بزرگوں نے یہ قربانیاں محض اس لئے دی تھیں کہ ہم پر امریکہ، برطانیہ کا تسلط قائم ہوجائے، یا ہمارے سامنے کوئی بدباطن اور دریدہ دہن، ہماری مقدس ہستیوں اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین کرتا رہے اور ہم خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے رہیں؟ اور ہم اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیں؟ کیا ہمارے اسلاف نے انگریزوں اور ہندوؤں سے اس لئے چومکھی لڑائی لڑی تھی کہ ہم پر قادیانی اور آغاخانی مسلط کردیئے جائیں؟

کیا ہم نے چھپن سال بعد اُلٹی زقند نہیں لگائی؟ کیا قیامِ پاکستان کا یہی مقصد تھا؟ کیا ہماری یہی منزل تھی کہ ہم سب کچھ کرکے اپنے ہاتھوں پاکستان کے چودہ کروڑ عوام، اپنی نئی نسل اور اس کا مستقبل اسلام دُشمنوں کے حوالے کردیں...؟

اے کاش! یہ سب کچھ پاکستان بنانے والوں کی اولاد کے ہاتھوں ہو رہا ہے، اور یہ ان ''روشن ضمیروں'' کے کھاتے میں لکھا جارہا ہے جو پاکستان کے وارث

کہلاتے تھے۔

کوئی بتلائے کہ ہم اربابِ اقتدار کو کس طرح سمجھائیں کہ وہ جس طرف سرپٹ دوڑ رہے ہیں، یہ ان کی منزل نہیں ہے، ہمارے بزرگوں نے پاکستان اس کے لئے نہیں بنایا تھا، ہاں! ہاں! کوئی امریکہ، برطانیہ اور عیسائی و مرزائی مفادات کی خاطر چودہ کروڑ مسلمانوں کو بھینٹ چڑھانے والوں سے پوچھے کہ کیا عیسائی، قادیانی اور ہندو تسلط کا نام پاکستان ہے؟ اور اسی آزادی کے لئے ہم نے قربانیاں دی تھیں؟ افسوس! صد افسوس...! کہ ہم نشانِ منزل بھول گئے، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اگر کوئی انہیں حقائق کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے، یا انہیں بھولا ہوا سبق یاد دِلائے تو وہ انہیں ''تشدّد پسند'' نظر آتا ہے، وہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا، اس لئے کہ وہ ''اعتدال پسند'' ہیں اور غالباً ان کے ہاں اعتدال پسندی کا معنی یہ ہے کہ اپنے دِین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کو خیرباد کہہ دیا جائے، **فیا للعجب!**

بلاشبہ پاکستان اور پاکستان کی مسلم اکثریت اور خصوصاً دِین دار طبقہ ان حکومتی اقدامات سے اَزحد پریشان اور سراپا احتجاج ہے، مگر کوئی شنوائی نہیں، ملک بھر میں جلسے، جلوس اور ریلیاں نکل رہی ہیں، اخبارات، رسائل اور ذرائع ابلاغ چیخ چیخ کر اپنا احتجاج ریکارڈ کرا رہے ہیں، مگر افسوس صد افسوس! کہ ہماری ''دلیر'' حکومت، مسلمانوں کے اس احتجاج و اضطراب سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی، بلکہ اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی، شاید اس لئے کہ اس کی پشت پر امریکی تائید و تحسین کا ہاتھ اور امداد و تعاون کا سائبان ہے۔

عین ممکن ہے کہ افسر شاہی اربابِ اقتدار کو ''سب اچھا'' کی لوریاں دے دے کر مطمئن کر رہی ہو، مگر جہاں تک زمینی حقائق کا تعلق ہے، بلامبالغہ پاکستان ہی نہیں دُنیا بھر کے مسلمان، ان اقدامات کی وجہ سے انہیں شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔

پھر جناب پرویز مشرف کا اپنے اوکاڑہ کی تقریر میں ۱۹۶۱ء میں اوکاڑہ کے

مشہور قادیانی عبدالباری کے کوٹ باری میں چھ دن قیام کا تذکرہ، امریکہ میں ڈاکٹر مبشر احمد قادیانی کے گھر جانے، قادیانی تقریب میں شمولیت، ڈاکٹر مبشر احمد قادیانی کی بیوی سعدیہ چوہدری کی وزیرِاعلیٰ پنجاب کی مشیرِ تعلیم کے عہدے پر تعیناتی اور پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کا اخراج ایسے اُمور نہیں کہ جن کو نظر انداز کر دیا جائے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت قادیانیوں کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی سازش ہو رہی ہے اور مرحوم ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق نے قادیانیت کے سامنے جو بند باندھا تھا اسے توڑنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے، بلاشبہ موجودہ صورتِ حال کسی اتفاق کی پیداوار نہیں، بلکہ ایک طے شدہ منصوبے کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔

صدر صاحب کے اوکاڑہ کے کوٹ باری میں قیام، امریکہ میں ڈاکٹر مبشر احمد قادیانی اور اس کی بیوی سعدیہ چوہدری کی میزبانی سے متعلق شاہینِ ختمِ نبوّت مولانا اللہ وسایا صاحب کی وضاحت اور واشنگٹن سے احمد شکیل میاں کی رپورٹ ریکارڈ پر ہیں، مگر آج تک ان کی وضاحت یا تردید اخبارات کی زینت نہیں بن سکی، آخر کیوں؟ کیا کہا جائے کہ یہ سچ ہے؟ چنانچہ ہر دو تحریریں ترتیب وار درج ذیل ہیں، پڑھئے اور سر دُھنئے!

(۱)

''ملتان (پ ر) جناب پرویز مشرف کو مسجد، مولوی کے خلاف غیظ و غضب کا لہجہ اختیار کرنا زیب نہیں دیتا، ان کے اندازِ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دِینی قوّتوں کے خلاف شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔ ان خیالات کا اظہار عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے رہنما مولانا اللہ وسایا نے صدر کی اوکاڑہ کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ صدرِ مملکت نے ۱۹۶۱ء

میں اوکاڑہ کے کوٹ باری میں چھ دن گزارنے کا تقریر میں تذکرہ کیا ہے، ریکارڈ دُرست رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وضاحت کردیتے کہ کن کے مہمان رہے؟ ہمیں اجازت ہوتو ہم بتائے دیتے ہیں کہ مسٹر عبدالباری معروف قادیانی لیڈر جو ساہیوال کی قادیانی جماعت کا صدر ہے، صدرِ مملکت ان کے مہمان رہے، اس سے ان کے قادیانیوں سے مراسم کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا تازہ شاہکار واشنگٹن میں امریکہ کے حالیہ دورے کے موقع پر معروف قادیانی ڈاکٹر کے ہاں صدرِ مملکت کا قیام ہے، اسلامیانِ وطن اس تناظر میں دیکھیں تو پاسپورٹ سے خانۂ مذہب کو حذف کرکے قادیانیوں کو سپورٹ کرنے کا پورا پلان سامنے آجاتا ہے۔ مولانا اللہ وسایا نے کہا کہ صدر نے عوام کو مساجد کے مولویوں کے سامنے اُٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کرکے ملک کو انارکی کی طرف دھکیلنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اے کاش! وہ قوم سے مطالبہ کرتے کہ کشمیر آزاد کرنے، بگلیہار ڈیم کی تعمیر رُکوانے کے لئے متحد ہوکر یک زبان ہوجاؤ، لیکن یہ تو سرے سے ان کے ایجنڈے پر نہیں۔ مولانا نے کہا کہ صدرِ مملکت کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ آپ ایک حساس ادارے کے سربراہ بھی ہیں، آپ کا یہ طرزِ تکلم محاذ آرائی کا اشارہ ہے، پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے، قوم اربوں کا چندہ دے کر مساجد و مدارس پر جس طرح اعتماد کرتی ہے وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ ان ہی مساجد و مدارس نے لاکھوں حفاظ و علماء تیار کرکے نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی ہے، وہ تاریخ کی ایک روشن حقیقت ہے، دیسی یا بدیسی بش

مدارس و مساجد کے کردار کو کبھی ختم نہ کر پائیں گے، وہ یہ حسرت قبر میں بھی ساتھ لے کر جائیں گے۔ جس طرح انگریز ناکام ہوا تھا یہ بھی ناکام ہوں گے، آج کے بعض حکمران جب انگریز کی ملازمت کر رہے تھے اس دور میں علماء نے انگریز کے خلاف معرکہ تھانہ بھوَن و شاملی بپا کیا تھا، پاکستان بنانے میں علماء نے قائدِ اعظم کے شانہ بشانہ کام کیا تھا، ڈھاکہ اور کراچی میں قیامِ پاکستان کے بعد قومی پرچم لہرانے والے بھی علماء تھے، پاکستان کا صدرِ مملکت ہونا بہت بڑا اعزاز ہے، ان کو ملک وقوم اور اپنے عہدے کے شایانِ شان طرزِ تکلم اختیار کرنا چاہیئے۔ حرمِ کعبہ اور اس کی چھت پر جانا اعزاز کی بات ہے، وہ صدر کو مبارک ہو، لیکن یہ اعزاز اسلام سے قبل قریشِ مکہ کے سردار کو بھی حاصل تھا، جو پلکوں سے حرمِ کعبہ کا جھاڑو دیا کرتا تھا۔ مولانا نے بڑی دردمندی سے صدر سے مطالبہ کیا کہ حرمین شریفین جانے پر آپ نازاں ہیں، اسی حرمین شریفین میں قادیانیوں کے داخلے کی راہ ہموار کرنے کے لئے پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ حذف کرنا کس کے کھاتے میں جائے گا؟ اے کاش! صدر حقائق کا ادراک کرکے پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بحال کریں اور اسلامیانِ وطن کے اضطراب کو ختم کریں۔''

(روزنامہ ''اسلام'' کراچی ۳۱؍جنوری ۲۰۰۵ء)

(۲)

''لاطینی امریکہ کے دورے کے بعد پاکستان کے فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف، صدر بش کے ساتھ پون گھنٹے کی

ملاقات کے لئے وہائٹ ہاؤس پہنچے تو صدر بش نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ صدر بش کے ساتھ مختصر سی ملاقات کے بعد صدر پرویز نے مستعفی ہونے والے وزیر خارجہ کولن پاؤل کے ساتھ بھی ملاقات کی اور انہیں اپنے بیوی بچوں سمیت پاکستان آنے کی دعوت دی۔ کولن پاؤل کے ساتھ ملاقات کے بعد صدر پرویز مشرف مقامی کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر مبشر احمد کے گھر تشریف لے گئے، جہاں ان کے علاوہ چار سو کے قریب دُوسرے مہمان بھی موجود تھے۔ چونکہ ڈاکٹر مبشر احمد کا تعلق جماعتِ احمدیہ (مرزائی جماعت) سے ہے، اس لئے مہمانوں کی اکثریت احمدیوں (مرزائیوں) کی تھی۔ بھارتی احمدیوں کی ایک کثیر تعداد بھی اس دعوت میں مدعو تھی اور اتنے بھارتی احمدی واشنگٹن کی کسی پاکستانی تقریب میں اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جماعتِ احمدیہ کی لیڈرشپ بھی آئی تھی۔

ڈاکٹر مبشر احمد، چوہدری شجاعت حسین کے خصوصی معالج بھی ہیں اور واشنگٹن میں ان کے میزبان بھی۔ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ سعدیہ چوہدری وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کی مشیرِ تعلیم ہیں اور اس دعوت کی میزبانی کے لئے خصوصی طور پر لاہور سے واشنگٹن تشریف لائی ہیں۔ پاکستان کی خاتونِ اوّل صہبا پرویز کے ساتھ رشتہ داری کا دعویٰ کرنے والی سعدیہ چوہدری واشنگٹن میں ایک بے باک، انتہائی فیشن ایبل اور لبرل خاتون کی شہرت رکھتی ہیں، اور واشنگٹن ایریا میں کئی فیشن شو کروا چکی ہیں۔ لبرل اور سیکولر طبقے میں وہ بڑی روشن خیال تصوّر کی جاتی ہیں۔

کسی پاکستانی سربراہِ مملکت کا امریکہ میں ایک

پرائیویٹ شہری کی دعوت میں اس طرح شرکت کرنا ایک غیر معمولی واقعہ ہے اور واشنگٹن میں اس پاور لنچ کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ لنچ کی اس دعوت میں اگرچہ انڈین اور دُوسرا غیر ملکی میڈیا مدعو تھا لیکن مقامی پاکستانی میڈیا کو بُری طرح نظر انداز کیا گیا اور اگر ایک آدھ پاکستانی صحافی اس دعوت میں نظر آیا بھی تو وہ بھی وہاں ڈاکٹر صاحب کا ذاتی دوست ہونے کی وجہ سے مدعو تھا، نہ کہ پاکستانی صحافی ہونے کی حیثیت سے۔ ڈاکٹر مبشر احمد کہتے ہیں کہ انہوں نے صحافیوں کے دعوت نامے ایمبیسی حکام کو بھجوا دیئے تھے اور اگر ایمبیسی حکام نے یہ دعوت نامے آگے صحافیوں کو نہیں دیئے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ ڈاکٹر مبشر احمد کے لنچ کے دعوت نامے صحافیوں کو پہنچانے کی ذمہ داری مشتاق ملک کو سونپی گئی لیکن انہوں نے یہ ذمہ داری بالکل نہیں نبھائی اور ایک بھی صحافی کو کال نہیں کیا گیا۔ ڈاکٹر مبشر احمد کے گھر کھانے سے پہلے چوہدری شجاعت اور جنرل پرویز مشرف کے درمیان بند کمرے میں ایک ملاقات ہوئی۔‘‘

(رپورٹ: احمد شکیل میاں واشنگٹن۔ ہفت روزہ ’’تکبیر‘‘ ۱۵/دسمبر ۲۰۰۴ء)

اسی طرح جنابِ صدر اور اربابِ اقتدار کا دِین، اہلِ دِین، مساجد، مدارس اور علماء کے بارے میں لب ولہجہ بھی ٹھیک وہی ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذُرّیت کا رہا ہے۔

آخر پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کی بحالی سے کیا قیامت ٹوٹ پڑتی؟ اب تک جس طرح یہ خانہ موجود تھا اب بھی موجود رہتا تو کیا فرق پڑتا؟ ہاں! یہ کوئی نیا مطالبہ ہوتا تو شاید سوچا جاتا کہ اس میں فلاں فلاں مشکلات یا فلاں فلاں خرابیوں کا

اندیشہ ہے، مگر ایک طے شدہ حقیقت کو بدلنا کسی خاص مقصد کا غماض نہیں ہے...؟

اسی طرح توہینِ رسالت کا قانون بھی پہلے سے تیار اور ملک میں نافذ تھا، اسے تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر اس کے پس پردہ کیا عزائم و مقاصد ہیں؟ ٹھیک اسی طرح حدود آرڈی نینس بھی سابقہ حکومت کا کارنامہ ہے، اور اس سے خواتین کی عزّت و عفت کی ضمانت تھی، اسے بدلنے کا اس کے علاوہ کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ خدانخواستہ بدکاری کا ارتکاب کیا جائے اور کسی سزا کا خوف بھی نہ رہے؟

کیا نظامِ تعلیم اور تعلیمی بورڈ آغا خان بورڈ کے حوالے کرنے کا یہ معنی نہیں کہ جس طرح آج سے ڈھائی سو سال پیشتر ایسٹ اِنڈیا کمپنی نے آہستہ آہستہ ملک کے اہم شعبوں پر قبضہ کرکے کلی طور پر ہندوستان کو قبضے میں لیا تھا، کیا یہ بھی اسی طرح کی سازش نہیں لگتی؟ کہ تعلیم ایسے اہم شعبے کو جس سے قوموں کے دِین و مذہب اور فکر و سوچ کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، ایک غیرمسلم اقلیت کے حوالے کرکے خاموشی سے یہ کہہ دیا جائے کہ تم نئی نسل کو اپنے انداز سے جس طرح چاہو ڈھال لو، جب ان کا ذوق و مزاج اور فکر و سوچ بدل جائے گی تو ان پر حکومت کرنا آسان ہوجائے گا۔ اگر یہ نہیں، تو بتلایا جائے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا پاکستان کے مسلمان سب کے سب نکمّے، جاہل، اُجڈ اور بدسلیقہ ہیں؟ چھپن سال سے قائم اس ملک کی بیوروکریسی، افسرشاہی اور نوکر شاہی جاہلوں اور نااہلوں کا ٹولہ رہی ہے؟ تو یہ ملک کیسے چلتا رہا؟ بلاشبہ یہ مسلمانانِ پاکستان اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ایسی گالی ہے جو ہمارے خیال میں اس سے پہلے کبھی سننے کو نہیں ملی اور شاید اسے کوئی باضمیر برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر پاکستان کے باضمیر افسران، تعلیم یافتہ افراد اور تعلیمی اداروں کے سربراہان کو اس اقدام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہئے اور انہیں ثابت کر دِکھانا چاہئے کہ یہ سوچ و فکر غلط ہے اور ہم اپنے خلاف اس گالی کو سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

اسی طرح جاں نثارانِ ختمِ نبوّت کو بھی اس سازش کو بھانپنا چاہئے کہ ڈیڑھ سو سالہ پُرانا مسئلہ جو نہایت بے بہا قربانیوں کے بعد حل ہوا تھا اور قادیانیت کے ناسور کو اُمت کے جسد سے الگ کر کے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا اور توہینِ رسالت کے قانون کے ذریعہ قادیانیوں کو مقدس ہستیوں اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف بدزبانی سے روکا گیا تھا، اسے ہم کسی حال میں منسوخ نہیں ہونے دیں گے، بلکہ ضرورت پڑی تو اپنی جانوں پر کھیل کر اس کا تحفظ کریں گے۔

ایسے ہی اربابِ اقتدار خصوصاً مسلم لیگیوں کو اپنے اسلاف و بزرگوں کی قربانیوں کی لاج رکھنا چاہئے، ورنہ کل قیامت کے دن انہیں جہاں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رُوسیاہی کا سامنا کرنا پڑے گا، ٹھیک اسی طرح انہیں اپنے آباء و اجداد کے سامنے بھی ندامت و شرمندگی اُٹھانا پڑے گی۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا محمد و اٰله و أصحابه أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی محرّم ۱۴۲۶ھ)

قادیانیوں کے سالانہ اجتماع پر پابندی کا مستحسن اقدام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

''جماعتِ احمدیہ کا سالانہ اجتماع ملتوی کردیا گیا ہے،
یہ اجتماع ۲۶ سے ۲۸ر دسمبر تک ربوہ میں منعقد ہونا تھا۔''

(روزنامہ ''مشرق'' کراچی ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء)

گزشتہ کالموں میں بھی ہم نے اسی سلسلے میں عرض کیا تھا کہ بحمداللہ اُمتِ مسلمہ کی مساعی رنگ لارہی ہیں اور قادیانی اب پاکستان کے بجائے کفرستان (لندن) کا رُخ کر رہے ہیں، مگر اس کے چند دن بعد ہی ایک معاصر اخبار اور بی بی سی کی نشریات سے معلوم ہوا کہ قادیانی امسال بھی حسبِ معمول اپنا سالانہ کنونشن ۲۶ر دسمبر کو لندن کے علاوہ ربوہ پاکستان میں منعقد کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں، لیکن جلد ہی اس کی توثیق ہوگئی کہ قادیانیوں نے ربوہ میں منعقد ہونے والے دو روزہ کنونشن کی منظوری کے لئے حکومت کو جو درخواست دی تھی وہ منظور نہیں ہوئی اور مجبوراً قادیانیوں کو سالانہ اجتماع ملتوی کرنا پڑا، فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ!

حکومت کا قادیانیوں کو پاکستان میں کنونشن کی اجازت نہ دینا نہایت جرأت مندانہ اقدام ہے، جس پر حکومت اور انتظامیہ پوری اُمتِ مسلمہ کی طرف سے مبارک باد کی مستحق ہے، اور یہ ایک مستحسن اقدام ہے جس نے مسلمانوں کے دِل جیت لئے ہیں بلکہ اس سے عوام کی بڑھتی ہوئی اس بے چینی کا بھی واضح اور غیرمبہم طور پر ازالہ

ہوجاتا ہے کہ حکومت قادیانیوں کے سلسلے میں کوئی نرم گوشہ رکھتی ہے، لہٰذا پاکستان میں قادیانیت کی بیخ کنی میں یہ اقدام سنگِ میل ثابت ہوگا۔ پھر ربوہ کے ''ضیاء الاسلام'' قادیانی پریس پر چھاپہ مارکر اُسے تین ماہ کے لئے سربمہر کرکے حکومت نے نہ صرف مسلمانوں کی دیرینہ خواہش اور مطالبے کو پورا کیا ہے، بلکہ یہ اس کی اسلام دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ البتہ مؤخر الذکر اقدام میں مزید اتنی گزارش کی جاتی ہے کہ جب یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ یہ پریس گزشتہ کئی سالوں سے قابلِ اعتراض مواد شائع کررہا تھا اور بار بار زبانی اور تحریری تنبیہ کے باوجود قادیانیوں نے اس کا کوئی اطمینان بخش جواب دیا اور نہ اس پر کان دھرا، بلکہ مسلسل مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتے رہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے جذبات اور حکومت کے قوانین کی کوئی حیثیت نہیں اور حکومت کے روکنے کے باوجود بھی وہ اسلام دُشمنی سے باز نہیں آئیں گے، ضروری ہے کہ مذکورہ پریس کو تین ماہ کی قلیل مدّت کے بجائے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا جائے اور فوری طور پر ان تمام اخبارات و رسائل کے ڈیکلریشن بھی منسوخ کردیئے جائیں جو اس پریس سے شائع ہوکر ملک و ملت کے خلاف زہرافشانی میں مشغول ہیں، اور ان کے پبلشروں اور پرنٹروں کے علاوہ ان کے مدیروں کے خلاف مقدمات قائم کرکے انہیں ایسی کڑی سزائیں دی جائیں کہ آئندہ کسی قادیانی کو اس کی جرأت نہ ہونے پائے۔ نیز ضروری ہے کہ قادیانیوں کی تمام سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے ان کی بیخ کنی کی جائے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان کے حالیہ اقدام پر اگر سختی سے عمل درآمد کرایا گیا تو یقیناً یہ قادیانی تابوت میں نہایت مؤثر اور آخری کیل ثابت ہوگا۔

آخر میں پھر یہی گزارش کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے غیب سے قادیانیت کی بیخ کنی کے اسباب پیدا فرمادیئے ہیں تو حکومتِ پاکستان کو ان سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا سرکچل دینا چاہئے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۹)

مرزائیوں کو شعائرِ اسلام کے استعمال سے روکا جائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

روزنامہ ''الفضل'' ربوہ ۲۵/اپریل۱۹۸۳ء میں جناب نذیر احمد خادم بہاولنگر نے ''ذکرِ حبیب، محبتِ الٰہی'' کے عنوان سے مرزا غلام احمد کی سوانح اور تعلق مع اللہ پر قلم اُٹھایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حضرتِ اقدس نے بلاتوقف فرمایا کہ: والد صاحب .....میری نوکری کی فکر نہ کریں، میں نے جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں (انگریز کے ہاں- ناقل)۔''

آگے لکھتے ہیں:

''بلاشبہ آپ اس احکم الحاکمین رَبّ العالمین کے دربار میں نوکر ہو چکے تھے۔'' (ص:۳)

جناب نذیر احمد کی عقیدت سے ہمیں انکار نہیں، کیونکہ یہ ان کے مرزا جی کے ظل و بروز میں پروان چڑھنے کی علامت ہے، لیکن افسوس! کہ انہوں نے انتہائی دجل و فریب سے حقائق کو مسخ کرکے سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مرزا ''غلام ابن غلام'' علیہ ما علیہ کو انتہائی وقیع،

پُرعزم اور بلندترین معیار کا انسان ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے، مگر: ’’حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اُصولوں سے‘‘ کے مصداق مرزا قادیانی کی پوری زندگی نذیر احمد خادم کی افسانہ نگاری کا منہ چڑا رہی ہے۔ اس لئے ہم انہیں اور ان جیسے دُوسرے قادیانیوں کو مشورہ دیں گے کہ جناب مرزا قادیانی کی شخصیت پر خامہ فرسائی سے پہلے ان کی کتابِ زندگی ...جو بقول ان کے: انتہائی صبر وتحمل، وقار وسکون، عفو و کرم (غالباً یہ اسی کی برکت تھی کہ وہ اپنے مخالفین پر بیک زبان ہزاروں لعنتیں کر ڈالتے تھے۔ ناقل) اور رضاء بالقضاء کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہے...کی ورق گردانی کرلیا کریں، تاکہ انہیں بعد کی خجالت وشرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

قطع نظر اس کے کہ جناب مرزا صاحب نے توکل و قناعت کے خلاف فتوحات و رجوعات کے لئے امرتسر اور نامعلوم کہاں کہاں تک کی خاک چھانی، مگر تلاشِ ملازمت کے لئے مختاری کے امتحان میں ناکامی کی ذلت سے دوچار ہوکر عظمت کے کس معیار کو قائم کیا؟ صرف یہی نہیں بلکہ ’’مسیحِ زمان‘‘ نے سودی قرضے اور حصولِ زَر کی غرض سے مقدمہ بازی کے ’’مقدس‘‘ مشغلے بھی اختیار کئے، اور ان سب سے بڑھ کر مرزا جی کا ’’براہینِ احمدیہ‘‘ کے پچاس جلدوں کی رقم لے کر صرف پانچ جلدوں کی تصنیف پر اکتفاء کرنا اور پھر یہ جواب دینا کہ: ’’پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے، اس لئے پانچوں حصوں سے وہ وعدہ پورا ہوگیا‘‘۔

یہ اور اس جیسے دُوسرے بیسیوں واقعات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ وہ کس قدر متدین و پارسا انسان تھے؟ اور انہیں ایفائے عہد کا کہاں تک پاس تھا؟ ستم بالائے ستم یہ کہ جب ’’براہینِ احمدیہ‘‘ کے خریداروں نے (جو پچاس جلدوں کی قیمت دے چکے تھے) اپنی باقی ماندہ رقم طلب کی تو اُن کو دشنام طرازی اور تمغۂ لعنت کے علاوہ کچھ میسر نہ ہوسکا۔

جبکہ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامتیں بیان فرماتے ہوئے

امانت میں خیانت اور گالم گلوچ کو بھی علاماتِ نفاق میں شمار فرمایا ہے، مگر اُس کے علی الرغم نذیر احمد خادم صاحب، ایسے شخص کو ...جس نے انسانیت کو مارے شرم کے سرنگوں کردیا... نہ صرف پارسا اور متوکل علی اللہ ثابت کرنے کے درپے ہیں، بلکہ نبوّت کے بلند و بالا منصب کو اس سے منسوب کرکے آقایانِ برطانیہ کو خوش کرکے ان کے اِنعام و اِکرام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ مرزا صاحب کا حشر بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذّاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا، اور آج صفحۂ ہستی پر کوئی اس کا نام لیوا تک نہ ہوتا اور نہ ہی مسلمانوں کو دینی بحثوں اور مناظروں کی ضرورت ہوتی، مگر افسوس کہ متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت سے محروم تھا، اور بدقسمتی سے برطانوی اقتدار میں یہ فتنہ کھڑا کیا گیا اور انہوں نے اپنے لامحدود وسائل سے اُس کی نگہداشت کی، صرف یہی نہیں بلکہ آج تک اِس کو اُن کی سرپرستی حاصل ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد اگرچہ ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا مگر ان کی ریشہ دوانیاں بدستور جاری ہیں، کچھ عرصہ قبل مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کے شعائر کو اپنے لئے استعمال کرنے کی ناپاک جسارت کی تھی، مگر مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت کے بروقت انتباہ اور انتظامیہ کی مداخلت سے باز آگئے تھے، لیکن اب پھر سے قادیانی آرگن روزنامہ ''الفضل'' اپنے سابقہ رویہ پر اُتر آیا ہے۔ ہم حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جب مرزائی، آئینِ پاکستان اور شریعتِ نبوی کی رُو سے غیر مسلم قرار پائے ہیں تو انہیں شعائرِ اسلام ...مسجد، علیہ السلام، رضی اللہ عنہ، وغیرہ... کے الفاظ استعمال کرکے آئینِ پاکستان کی دھجیاں بکھیرنے کی کیونکر اجازت دی جاتی ہے؟ اور جو افراد تنبیہ کے باوجود باز نہیں آتے انہیں آئینِ پاکستان کی بغاوت کے الزام میں تختۂ دار پر کیوں نہیں لٹکایا جاتا؟ نیز ایسے تمام اخبارات و رسائل کو فوراً بند کیا جائے جو اس قسم کی گھناؤنی حرکات سے باز نہیں آتے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۶، ۱۴ تا ۲۰/رجب ۱۴۰۳ھ)

قادیانیت کا تعاقب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

چودھویں صدی کا بدترین فتنہ، فتنۂ قادیانیت ہے، جو دِینی اور سیاسی اعتبار سے اُمتِ محمدیہ کے لئے نہایت خطرناک اور کھلا ہوا چیلنج ہے۔ دِینی اعتبار سے تو انہوں نے دِینِ اسلام کے مقابلے میں نیا دِین، قرآن کے مقابلے میں نیا قرآن اور نبوّتِ محمدیہ کے مقابلے میں نئی نبوّت، غرض تمام اسلامی شعائر کے مقابلے میں خودساختہ اسلامی شعائر وضع کرکے، مسلمانوں سے نہ صرف علیحدگی اختیار کی، بلکہ یہ ثابت کردیا کہ قادیانیت دِینِ اسلام کے متوازی ایک مستقل مذہب اور قادیانی ایک مستقل اُمت ہے۔ جس کی تائید مرزا محمود کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

> ''آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دُوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح اور چند مسائل میں ہے، اللہ کی ذات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے (مسلمانوں) اختلاف ہے۔''

(خطبہ جمعہ ''الفضل'' ۳۰؍جولائی ۱۹۳۸ء)

اس کے علاوہ سیاسی طور پر قادیانی نہ صرف انگریزوں سے ذہنی اور فکری طور

پر متفق ہیں، بلکہ ان کا خود کاشتہ پودا ہیں، چنانچہ مرزائے قادیاں کہتا ہے:

''میں مہدی ہوں اور گورنمنٹِ برطانیہ میری تلوار ہے
.....اور ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔''
(''الفضل'' دسمبر ۱۹۱۸ء)

مرزا قادیانی کی ان تحریروں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ انگریزوں کے حق میں کس قدر مخلص اور ان کی طرف کتنا میلانِ قلبی رکھتے تھے؟ حکومتِ برطانیہ کو جب ہندوستان میں اپنا زوال اور پاؤں اُکھڑتے نظر آئے تو انہوں نے جذبۂ حریت اور اپنے خلاف رُونما ہونے والی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے یہ منصوبہ بنایا کہ کسی ایسے شخص کے ذریعہ ایک مذہبی فتنہ کھڑا کیا جائے جو ایک طرف تو ہماری وفاداری کا دَم بھرے اور دُوسری جانب مسلمانوں کو مذہبی اُلجھنوں کے ذریعہ افتراق کا شکار کرے۔ چنانچہ اس کے لئے انگریز بہادر کی نظرِ انتخاب مرزا غلام احمد قادیانی پر جاٹکی، اور انہیں خفیہ طور پر اس کام کی خاطر ملازم رکھ لیا گیا، اور ان کا انتخاب سو فیصد صحیح تھا، کیونکہ پورے ہندوستان میں صرف مرزا جی ہی ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے بتدریج متعدّد دعوے کرکے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے دعویٰ کرنے میں اس قدر دجل وفریب اور چالاکی وعیاری سے کام لیا، کہ ان کے دعوے کیا، ان کی دو چار کتابوں کو پڑھ کر بھی یہ اندازہ لگانا کہ وہ کون؟ اور کیا تھے؟ ہر شخص کا کام نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے علمائے لدھیانہ اور علمائے دیوبند نے اس فتنے کا تعاقب کیا، اور اس کی بھرپور تردید کی۔ ابتداءً لوگ اسے علمی مغالطہ سمجھتے رہے، مگر بہت جلد یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ انگریز کا قائم کیا ہوا سیاسی فتنہ ہے، جس کی سرکوبی کے لئے علمائے حق مسلسل خدمات انجام دیتے رہے تاآنکہ انگریز کو ہندوستان سے بستر بوریا سمیٹنا پڑا، ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ شومیٔ قسمت کہ پاکستان کا سب سے پہلا وزیرِ خارجہ ظفراللہ

قادیانی مقرّر ہوا، جس سے نہ صرف قادیانیوں کو تقویت حاصل ہوئی، بلکہ انہوں نے ربوہ کو اپنا مرکز بنا کر اسے قادیانی اسٹیٹ کا درجہ دے دیا، اور پورے پاکستان پر قادیانی تسلط کے خواب دیکھنے لگے۔ جبکہ پاکستان کی وزارتِ خارجہ پر چودھری ظفراللہ کا تسلط، بیرونِ ملک یہی تأثر دیتا رہا کہ قادیانی بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہے، جس سے انہیں بیرونِ ملک سیدھے سادے مسلمانوں کو ورغلانے میں کافی حد تک مدد ملی، مگر اس فتنے کی سرکوبی کی غرض سے علمائے حق نے ہر جگہ ان کا تعاقب کیا، اور اس سلسلے میں علماء کی ایک جماعت کو یہ کام سپرد ہوا، جس کا نام ''مجلس احرارِ اسلام'' تھا، جو بعد میں ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نام سے موسوم ہوئی اور جس کے سر یہ سہرا ہے کہ... حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی زیرِ قیادت... پاکستان میں قادیانی غیر مسلم قرار پائے اور قادیانی اسٹیٹ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا گیا۔ جس میں بحمداللہ اب مسلم کالونی کے علاوہ ایک مدرسہ اور دو مساجد ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے زیرِ اہتمام چل رہی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ''مجلس'' اپنے مبلغین کو بھی اس فتنے کی سرکوبی کے لئے بیرونِ ملک بھیجتی رہی، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا بنوری، مولانا لال حسین اخترؔ، مولانا عبدالرحیم اشعرؔ اور مولانا اللہ وسایا کے بیرون ملک دورے قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد ''مجلس'' کے اکابرین نے شدّت سے محسوس کیا کہ قادیانی جیسے پاکستان میں اپنی موت مر چکے ہیں ایسے ہی دُوسرے اسلامی ممالک میں بھی انہیں دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے، مگر انگلستان جو ان کا رُوحانی مرکز اور ان کے آقاؤں کا مسکن ہے، وہاں بھی ان کا تعاقب کیا جائے، اور وہاں موجود مسلمانوں کو ان کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا جائے۔ اسی غرض سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اَمیرِ تبلیغ ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی قیادت میں سہ رُکنی وفد ۲۰؍مارچ ۱۹۸۳ء سے انگلینڈ کے لئے روانہ ہوگیا، جس کے پروگراموں میں متحدہ عرب امارات اور حجازِ مقدس کا تبلیغی دورہ بھی شامل ہے، جس میں قادیانیت کا سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی پسِ منظر پیش کیا جائے گا۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق انتہائی تیزی سے تبلیغی مساعی جاری ہیں، جس سے قادیانی اُمت بوکھلا اُٹھی ہے۔ وہاں ایک مناظرہ بھی ہوا جس میں ''جَـــآءَ الْحقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ'' کے مصداق اللہ تعالیٰ نے حسبِ سابق اسلام کو فتح اور قادیانیت کو شکستِ فاش یعنی ''خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ'' سے دوچار کیا۔

آخر میں ہم اپنے قارئینِ کرام اور اہلِ اسلام سے گزارش کریں گے کہ وہ بارگاہِ اِلٰہ العالمین سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس وفد کو ترقیٔ اسلام اور فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے موٴثر ذریعہ ثابت فرماویں، آمین!

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۷، ۲۱ تا ۲۷/رجب ۱۴۰۳ھ)

قادیانیت کا سدِ باب کیا جائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

''چلتی ریل میں قادیانیت کی تبلیغ کرنے اور پمفلٹ بانٹنے والے ریلوے کے سپاہی کے خلاف باوجود تحریری درخواست واطلاع کے انسپکٹر جنرل پولیس ریلوے نے ابھی تک کوئی کاروائی نہیں کی۔ اطلاع کے مطابق ۱۰؍اپریل کو چناب ایکسپریس کے درجہ اوّل کے ڈَبے میں ریلوے کا سپاہی فلک شیر جس کا پیٹی نمبر:۶۰۶۵ ہے، قادیانی لٹریچر تقسیم کررہا تھا، سپاہی کی اس دِیدہ دلیری پر ریل کے ایک مسافر شیخ محمد امین نے اعتراض کیا، تو وہ سپاہی اس سے اُلجھ پڑا، لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کروادیا، شیخ محمد امین نے سپاہی کی اس حرکت پر تحریری شکایت کے ہمراہ یہ دونوں مذکورہ پمفلٹ بھی انسپکٹر جنرل پولیس ریلوے کو ارسال کئے ہیں، لیکن ابھی تک اس پر کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔''

(روزنامہ ''جسارت'' کراچی ۲۴؍اپریل۱۹۸۳ء)

گزشتہ دنوں جناب صدر صاحب نے ایک بیان میں کہا تھا کہ: ''کوئی شخص

بھی آئین کی بالادستی سے مستثنیٰ نہیں'' مگر جنابِ صدر کے اس بیان کے باوجود مندرجہ بالا خبر، مولانا محمد اسلم قریشی کا اغوا، اور قادیانی آرگن روزنامہ ''الفضل'' اور ہفت روزہ ''لاہور'' کی دِل خراش تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ شاید قادیانی، جنابِ صدر کے اس بیان سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ روزنامہ ''جسارت'' کی یہ خبر جہاں قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کا پتہ دیتی ہے وہاں انتظامیہ کی بے بسی اور سردمہری پر بھی حیرت انگیز ثبوت فراہم کرتی ہے، کہ ایک طرف ملک کی غیرمسلم اقلیت کی جرأت تو اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اسلام اور آئینِ پاکستان کو چیلنج کرتے ہوئے کھلے بندوں بغاوت کا نہ صرف ارتکاب کیا جاتا ہے بلکہ سرِعام اُس کی تبلیغ بھی کی جارہی ہے۔ مگر دُوسری جانب انتظامیہ اپنے تمام تر اختیارات کے باوصف عضوِ معطل کی طرح اپنی بے بسی کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ...خدانخواستہ... جیسے یہ ملک مسلمانوں کے بجائے قادیانیوں کا ہے، یا کم از کم اس کے اقتدارِ اعلیٰ کی ڈور قادیانیوں کے دائرۂ اختیار میں ہے، جس کے پیشِ نظر انتظامیہ بے بس اور مجبور ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے، اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو کیا ہماری انتظامیہ اور حکومت یہ بتلانا پسند فرمائے گی کہ وہ کون سی مجبوریاں ہیں جن کے پیشِ نظر انتظامیہ ان کے خلاف کاروائی کرنے سے گریز کرتی ہے...؟ مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے مبلغ مولانا محمد اسلم قریشی کو آج سے دو ماہ دس دن قبل ۲۰؍فروری کو قادیانیوں نے مبینہ طور پر اغوا کرلیا جس پر پورے ملک میں شدید رَدِّعمل ہے اور پوری مسلم برادری ان کی بازیابی کا مژدہ سننے کے لئے منتظر اور بے تاب ہے، اور اس سلسلے میں جناب صدر صاحب سے انفرادی و اجتماعی ملاقاتیں بھی کی جاچکی ہیں، لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جنابِ صدر اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود صرف ان کی ''بازیابی کی یقین دہانی'' کے علاوہ تادَمِ تحریر کوئی عملی اقدام نہیں کرپائے۔ جہاں تک پولیس کی تفتیش کا تعلق ہے، تو وہ بجائے مرزا طاہر کو شاملِ تفتیش کرنے کے، مولانا محمد اسلم کے رشتہ داروں پر دباؤ ڈال

رہی ہے، جس سے قادیانیوں کو نہ صرف تقویت حاصل ہوئی ہے، بلکہ وہ اب پہلے سے بہت زیادہ جری نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد اسلم قریشی کے اغوا پر پولیس اور انتظامیہ کی سست روی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اب انہوں نے گولارچی، گجرات وغیرہ میں مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے دیگر مبلغین کو بھی قتل اور اغوا کی دھمکیاں دینا شروع کردی ہیں۔ جہاں تک کسی اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا تعلق ہے، جنابِ صدر اس سلسلے میں بے شک وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ فرماویں... اور یقیناً اسلام اس کی اجازت دیتا ہے...۔

لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ ...اقلیتی فرقہ... شعائرِ اسلام کی توہین، کفر و ارتداد کی سرِعام تبلیغ اور مسلمانوں کے قتل و اغوا جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کرتا رہے اور ہم اس سے صرف اس لئے درگزر کرتے رہیں کہ اس کا تعلق اقلیت سے ہے ...اور اس کے حقوق کا تحفظ ہمارے ذمہ ہے... جنابِ صدر، مسلمان ہونے کی حیثیت سے نفاذِ اسلام کے دعوے دار ہیں، انہیں بخوبی معلوم ہونا چاہئے کہ مملکتِ اسلامی میں موجود ایسے مجرم نہ صرف محارب ہیں، بلکہ واجب القتل ہیں۔ انہی صفحات میں کئی بار ہم یہ وضاحت کرچکے ہیں کہ قادیانیوں کو فوراً کلیدی اسامیوں سے ہٹایا جائے، کیونکہ قادیانی گروہ نہ صرف ملک و ملت کا دُشمن ہے بلکہ تعفنِ سماج کا واحد ذریعہ بھی یہی ہے، جیسا کہ گزشتہ چند سالوں کے واقعات اور موجودہ اخباری رپورٹیں اس کی شاہد ہیں کہ قادیانی، مملکتِ خداداد پاکستان کے حصے بخرے کرکے مرزا محمود کے ''اکھنڈ بھارت'' کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اپنی محدود سوچ کے پیشِ نظر اس نقطے کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حکومتِ وقت اور انتظامیہ باوجود مسلمان ہونے کے آخر ایک مٹھی بھر اقلیت سے اس قدر کیوں خائف ہے؟ یا پھر حکومتِ وقت نے ان کو کھلے عام دریدہ دہنی کی اجازت دے رکھی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو کیا ہم اس استفسار میں حق بجانب ہیں کہ مولانا محمد اسلم قریشی

کی بازیابی اور فلک شیر ریلوے سپاہی کے خلاف کاروائی میں اس قدر تاخیر کیوں برتی جارہی ہے؟ اور قادیانیوں کو اس قدر جرأت کیونکر ہوئی؟

ہم جنابِ صدر سے گزارش کریں گے کہ وہ اس سلسلے میں ذاتی دِلچسپی لیں اور نااہل عملے کو فوراً معطل کر کے نئے عملے کا تقرّر کریں، اور انتظامیہ سے قادیانیوں کو فوراً نکال باہر کریں، اس میں اگر مزید سستی برتی گئی تو یقیناً ملک وقوم کے مفاد میں بہتر نہ ہوگی۔

خدا کرے ہماری یہ کوشش بارآور ہوجائے، آمین!

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۸، ۲۸؍رجب تا ۵؍شعبان ۱۴۰۳ھ)

احمدی مسلم - قادیانی مسلم
ایک انوکھی ترکیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

پاکستان، اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور ہر ایک مسلمان نے اسی اُمید پر قربانی دی تھی کہ کم ازکم آزاد ملک میں مذہبی آزادی کے ساتھ اسلامی تشخص اُجاگر ہوگا۔ جبکہ اس پر مستزاد نفاذِ اسلام کے بلند و بالا نعروں نے مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو دوبالا کردیا، لیکن پاکستان کی چھتیس سالہ تاریخ میں پاکستان کے ناخداؤں کے ہاتھوں اسلامی اقدار کو کس قدر فروغ حاصل ہوا؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ البتہ موجودہ مارشل لاء دور میں اس سلسلے کی جو پیش قدمی ہوئی ہے، گزشتہ صحبت میں اسے قارئینِ کرام کی نظر کیا جاچکا ہے۔

آج کی صحبت میں بھی اسی نوع کی ایک خبر ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ پاکستان، قادیانیوں کو ... جو ۱۹۷۴ء میں آئین کی رُو سے غیرمسلم قرار پاچکے ہیں... دوبارہ مسلمان منوانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے، جس کے لئے ہر ممکنہ کوشش بروئے کار لائی جارہی ہے۔ خبر یہ ہے:

> ”ایک گشتی مراسلہ وزارتِ خزانہ کی ہدایات کی روشنی میں ملک بھر کے بینکوں کو اِرسال کیا گیا ہے جس میں زکوٰۃ وعشر آرڈی نینس ۱۹۸۰ء کی وضاحت کرتے ہوئے زکوٰۃ وعشر سے

مستثنیٰ افراد کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس مراسلے کے پیرا:۳ میں غیر مسلموں اور قادیانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق اگر کوئی غیر مسلم سادے کاغذ پر بھی یہ حلفیہ بیان دے کہ وہ غیر مسلم احمدی، قادیانی، احمدی مسلم/ قادیانی مسلم ہے تو اس کی یہ درخواست قبول کرلی جائے۔''

(روزنامہ ''جسارت'' ۵ر شعبان - ۱۹رمئی ۱۹۸۳ء)

ہمارے خیال میں حکومتِ پاکستان کو اسلام اور آئینِ پاکستان کی پاسداری اور تقدس کے پیشِ نظر ہر اس شخص کو جو قادیانیوں سے متعلق آئینی ترمیم ...جس میں انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا تھا... کے خلاف لب کشائی کرتا، کڑی سزا دینی چاہئے تھی، تاکہ آئندہ کوئی بھی اس قسم کی حرکت ...قانون کی بغاوت... کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔ لیکن اس کے برعکس حکومت نہ صرف ایسے افراد کی پشت پناہ بنی ہوئی ہے بلکہ منتظمہ اور وزارتِ خزانہ کی زبان وقلم سے ایسے احکام جاری کراکر گویا یہ تأثر دے رہی ہے کہ قادیانیوں سے متعلق ۱۹۷۴ء کا فیصلہ ہمیں منظور نہیں۔ ورنہ اس کے کیا معنی ہوسکتے ہیں کہ ایک غیر مسلم ...اسلام اور آئینِ پاکستان... کے خلاف اپنے آپ کو ''قادیانی مسلم/ احمدی مسلم'' لکھے اور حکومت کی طرف سے یہ حکم جاری ہو کہ اس کے اس دعوے کو تسلیم کرلیا جائے...؟

''قادیانی مسلم/ احمدی مسلم'' کی اس ترکیب کے تسلیم کرنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک یہودی اپنے آپ کو ''یہودی مسلم'' لکھے تو حکومت اس کا دعویٰ بھی تسلیم کرلے گی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کے نزدیک یہودی، نصرانی، عیسائی، چوڑھے، چمار اور قادیانی کوئی بھی غیر مسلم نہیں ہے، اور ان کے ہاں اسلام کا تصوّر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ جو شخص اپنے مذہب کے ہمراہ لفظ ''مسلم'' لکھنا پسند کرے، چاہے وہ خدا کے انکار اور کفریہ عقائد کا حامل ہی کیوں نہ ہو، وہ ''مسلمان'' ہی کہلائے گا۔

جبکہ اس سے دُوسرا مگر انتہائی خطرناک نقصان یہ ہوگا کہ عام لوگ لفظ ''مسلم'' دیکھ کر یہی سمجھیں گے کہ قادیانی بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے، اور جیسے حنفی، مالکی اور شافعی مسلک کا آدمی اپنے آپ کو حنفی مسلم یا شافعی مسلم لکھ سکتا ہے، ایسے ہی قادیانی بھی مسلمان ہونے کے بعد اپنے آپ کو ''احمدی مسلم'' لکھتا ہے تو کیا قباحت ہے...؟ دیکھنے کو تو یہ شبہ کتنا ہی خفیف ہو، مگر مآل کار یہ ایک ایسی مہلک چیز ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے قادیانی غیرمسلموں کی نفرت کو نہ صرف نکالنے میں مدد دے گا، بلکہ رفتہ رفتہ اس کو قبول کرنے پر منتج ہوگی جو کہ قادیانیت ...اور شاید مارشل لاء حکومت...کا بھی آخری ہدف ہے۔

ہم حکومتِ پاکستان سے اس پر پُرزور احتجاج کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ جن سرکاری بزرچ مہروں نے قادیانی اُمت کو ''احمدی مسلم یا قادیانی مسلم'' لکھنے کی جسارت کی ہے، انہیں فوراً برطرف کیا جائے اور آئین سے غداری کے الزام میں ان پر مقدمہ چلایا جائے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲ ش:۳۰، ۲۷رشعبان تا ۴ررمضان ۱۴۰۳ھ)

مرزائیوں کے دجل کا علاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

۱۸رشعبان ۱۴۰۳ھ دن کے دس بجے مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کے دفتر میں ایک مرزائی آیا، بعد از ملاقات کہنے لگا کہ: ''میرے محلے میں کئی مولوی امام بن کر آئے اور چلے گئے، مگر کسی نے میرا علاج نہیں کیا، جب بھی ان سے بات کرنا چاہی تو انہوں نے مزید بات بڑھانے کے بجائے روک لی۔ تب میں نے ان سے کہا کہ: کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کروں گا کہ میں ان لوگوں (مولویوں) کے قریب رہتا تھا مگر انہوں نے میرے مرض کا کوئی علاج نہ کیا، تب آپ حضرات سے کیا جواب بن پڑے گا؟'' پھر مولانا صاحب سے متوجہ ہوکر کہنے لگا کہ: ''آخر ان لوگوں کو جرأت کیوں نہیں ہوتی؟'' اس پر مولانا نے فرمایا کہ: یہ حضرات صحیح کہتے ہیں، اُس کی وجہ یہ ہے کہ مریض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے آپ کو مریض سمجھتا ہے، ایسے آدمی کے لئے ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ اس کا علاج ہوجائے اور حتی المقدور وسائل کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

لیکن اس کے برخلاف جو آدمی دماغی مریض ہو، جس کی وجہ سے وہ اپنے علاوہ سب لوگوں کو پاگل سمجھتا ہو، اس کا علاج ممکن نہیں۔ آپ کی بعینہٖ یہی صورت ہے، کیونکہ آپ حلفیہ بتائیں کہ آپ کبھی اپنے آپ کو مریض سمجھتے ہوئے کسی کے پاس

گئے ہیں؟ کہنے لگا: ''ہاں!'' مزید براں کہنے لگا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج بتایا ہے تو اس مرض کے علاج سے انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے؟'' اس پر مولانا نے فرمایا کہ: آخر یہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

''سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ. خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ....'' (البقرۃ:۶،۷)

ترجمہ:... ''اے پیغمبر! آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر مہر لگادی ہے۔''

اس پر وہ چونک گیا اور کہنے لگا کہ: ''آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس کے لئے ہے؟'' مولانا نے فرمایا: ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کس کے لئے ہے، بہرحال ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ بعض لوگوں کی قسمت میں ہدایت اس لئے نہیں ہوتی کہ اُن کے دِلوں پر مہر ہوتی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ: ''میں مرزائیوں کے بجائے بہائیوں کی ایک کتاب بھی اپنے چھوٹے بھائی کے توسط سے پڑھ چکا ہوں، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ بہاء اللہ خدا کے مظہر ہیں۔'' مولانا نے فرمایا کہ: اصطلاحات کا فرق ہے، ورنہ بعینہٖ یہی نظریہ مرزا کا بھی تھا، کیونکہ مرزا جی ہر دس سال بعد اپنی پوزیشن تبدیل کرکے اسٹیج بائی اسٹیج ترقی کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو ۱۹۰۱۱ء میں انہوں نے مظہرِ خدائی بلکہ خدائی کا دعویٰ کرنا تھا، لیکن اس سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے: ''لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ'' ...یعنی جو ہمارے اُوپر جھوٹ بولے گا تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی گردن کاٹ دیتے ہیں... کے مصداق ۱۹۰۸ء ہی میں ان کی گردن کی رگ کاٹ دی اور وہ اللہ کے ہاں جوابدہی کی غرض سے چل دیئے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ۳۰ سال پہلے سے مرزا جی اِلہام گھڑ کر رکھ لیا کرتے تھے اور جب دعویٰ کرنا ہوتا تو اس وقت ان کو اس اِلہام کا مطلب

سمجھ آتا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ: ''یہ تو ہوتا ہی ایسے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض وحی کی باتیں معلوم نہ ہوئی تھیں، جیسے جنت میں سیر کرتے ہوئے آپ نے انگوروں کا ایک خوشہ دیکھا، پوچھا یہ کس کا ہے؟ اس پر ملائکہ نے کہا کہ یہ ابوجہل کا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرانی ہوئی، مگر حضرت عکرمہؓ جب ایمان لائے تب معلوم ہوا کہ اس کی تعبیر یہ ہے۔''

مولانا نے کہا: یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کا علم نہیں ہوتا تھا؟ اگر ثبوت ہے تو لاؤ! جبکہ یہ نبی علیہ السلام پر صریح جھوٹ ہے۔ اور یہ کہاں کی دِین داری ہے کہ مرزا جی جو بھی بکواس کریں اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جائے؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ: ''آپ کو تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرنی چاہئے اور مرزا کو بکواس کے لفظ سے یاد نہیں کرنا چاہئے۔'' اس پر مولانا لدھیانوی کو طیش آگیا اور فرمایا کہ: آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھیں اور میں ان کا خادم خاموش رہوں، یہ ممکن ہے...؟ ہاں! مجھے گالیاں دیں، مجھ پر افتراء باندھیں، میں ناراض نہ ہوں گا۔ اس پر مرزائی بولا: ''میں اُٹھ کر چلا جاؤں؟'' مولانا نے فرمایا: بیشک چلے جاؤ، مگر یہاں بیٹھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء پردازیاں نہ کرنے دُوں گا۔ مرزائی کہنے لگا: ''یہی ہیں آپ لوگوں کے اخلاق؟'' مولانا نے فرمایا: ہاں! ہمارے اخلاق یہی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف کوئی بات سن کر خاموش نہ رہیں گے۔ جب اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس پر قدرتی رُعب چھا گیا اور بڑبڑاتا ہوا اُٹھ کر چلا گیا اور: ''فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ'' کے مصداق گویا اس نے یہ ثابت کردیا کہ میں اپنے آپ کو مریض نہیں جانتا، بلکہ ...نعوذ باللہ... رہبرِ انسانیت اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرکے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا مقصود ہے، اعاذنا اللہ منہ!

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲ ش:۲۶، ۳ تا ۹ ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ)

تحریف شدہ قرآن کی تقسیم
صہیونی - قادیانی سازش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

اسرائیل نے قرآن پاک میں تحریف کی جو ناپاک جسارت کی ہے اس کی مزید تفصیلات موصول ہوئی ہیں کہ:

''قرآن پاک کے دس لاکھ تحریف شدہ نسخے پوری دُنیا میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ پاکستان میں ۵۰ ہزار، افغانستان، انڈونیشیا، ترکی، شمالی افریقہ اور ملائیشیا میں ایک لاکھ ۵۰ ہزار، اور یمن و کویت میں ۳۰ ہزار نسخے تقسیم کیے گئے ہیں۔ یہ نسخے بیروت کے ایک پبلشر نے شائع کیے ہیں۔ دارالفتاویٰ کے جریدے ''فخر اسلامیہ'' کے مطابق ان نسخوں میں ایک سو ساٹھ آیات شامل نہیں ہیں، جبکہ چند آیات کو دُوسری سورتوں میں شامل کردیا گیا ہے۔ جن آیات کو حذف کیا گیا ہے وہ یہودیوں کی تاریخ اور اللہ تعالیٰ سے ان کے عہد کی مسلسل خلاف ورزیوں کے بارے میں ہیں۔ مقبوضہ فلسطین میں باخبر ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ اسرائیل نے تحریف شدہ نسخے مقبوضہ علاقوں میں تقسیم نہیں کیے ہیں، کیونکہ اسرائیل کو خدشہ ہے کہ مسلمان مشتعل

ہوجائیں گے۔ تحریف شدہ نسخے ریشم میں مجلد ہیں اور جلد پر
حروف سنہرے ہیں۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی ۲۴/اکتوبر ۱۹۸۳ء)

اس خبر کو پڑھنے کے بعد یہی محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہودیوں نے سوچا ہوگا کہ جس طرح توراۃ و انجیل میں تحریف کر کے ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دِلوں سے ان کی عظمتوں کو نکال دیا، اسی طرح قرآن مجید میں بھی تحریف کر کے کمزور مسلمانوں کے دِلوں اور دِماغوں سے قرآن کی عظمت کو نکال دیں گے، لیکن بدباطن یہودی شاید اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اسرائیلی یہودی تو کیا پوری اسلام دُشمن طاقتیں بھی جمع ہوجائیں تب بھی قرآم مجید کی زیر، زبر اور شد و مد تک کی تحریف نہ کر پائیں گے، لیکن اس کے باوجود اسرائیل کی یہ ناپاک جسارت ایک ناقابلِ معافی جرم ہے، جس کی سزا اُسے ہر حال میں ملنی چاہئے۔

یہود کی اسلام دُشمنی کوئی ڈھکی چھپی اور تعجب خیز بات نہیں، کیونکہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ یہودی روزِ اوّل سے ستیزہ کارِ اسلام چلے آرہے ہیں۔ البتہ قابلِ تشویش اَمر یہ ہے کہ ایک مسلم اسٹیٹ ... پاکستان... میں مسلم اکثریت کے ہوتے ہوئے اس ....یہودی... ملعون اُمت کے ملعون اور ناپاک عزائم یعنی تحریف شدہ قرآنی نسخوں کی تقسیم کو کس نے عملی جامہ پہنایا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہمارے اَربابِ اقتدار کے لئے لمحہ فکریہ اور چیلنج ہے۔ کیا ہماری حکومت اس پر توجہ دینا پسند کرے گی؟ کیا یہ سب کچھ آپ سے آپ ہو رہا ہے؟ یا اس کے پیچھے کوئی عوامل و اسباب کارفرما ہیں؟ یا یہ اس قابل نہیں کہ اس پر توجہ دی جائے؟ اور یوں ہی قرآن مجید کی ردائے مقدس تارتار ہوتی رہے اور اس کی ترویج کے لئے اَرضِ پاکستان وقف رہے...؟ اگر جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہونا چاہئے تو پھر غیرتِ ایمانی اور عظمتِ کلامِ الٰہی کے تحت ان قزاقوں اور نقاب پوش ڈاکوؤں کی ٹوہ لگانی ہوگی تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

اس اندوہناک صورتِ حال سے نجات حاصل کی جاسکے، ورنہ معاندینِ اسلام کی جرأت بڑھتے بڑھتے کہیں درندگی کی صورت نہ اختیار کرجائے اور پھر رفتہ رفتہ اَربابِ اقتدار کے لئے عقدہ لاینحل نہ بن جائے۔ اس لئے اس یہودی حلیف ٹولے کا تعاقب حکومت کے مذہبی، سیاسی اور سماجی فرائض میں سب سے بڑی اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے۔

تحریفِ قرآن کی ناپاک جسارت کی توقع کسی ایسے مسلمان سے محال اور ناممکن ہے جو قرآنِ کریم کو کلامِ الٰہی اور اپنی نجاتِ اُخروی کا ذریعہ سمجھتا ہو، البتہ یہ کام کسی ایسے مسلمان نما کافر اور باغیٔ اسلام گروہ کا ہوسکتا ہے جس کے روابط اعدائے اسلام سے ہوں، یا کسی ایسی تنظیم کا جو سامراجی آلہ کار ہونے کے علاوہ عالمِ اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہو، اور بظاہر پاکستانی مگر اندرونی طور پر اسلام کُش سازشیوں کے ہراوَل دستے کی حیثیت رکھتی ہو۔ اور سب سے بنیادی نقطہ ... جو اہم اور قابلِ غور ہے... یہ ہے کہ یہ کام کوئی ایسا گروہ ہی کرسکتا ہے جو اسرائیل سے مذہبی اور سیاسی ہم آہنگی اور مماثلت بھی رکھتا ہو۔ چنانچہ ان چند نکات پر غور کرنے سے حقیقت بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ شقاوت بھی مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کی ملعون اُمت ہی کے حصے میں آتی ہے، اور یہ ''شرف'' بھی انہیں حاصل ہے کہ وہ عالمِ اسلام کے خلاف ''اسرائیلی جہاد'' میں شامل ہے اور مسلمانوں کے علی الرغم اس کے مشن بھی اسرائیل میں قائم ہیں (''الفضل'' ۳۰ر اگست ۱۹۵۰ء)، اور عرب ممالک کے خلاف ارتدادی کوششوں میں مصروف ہیں، کیونکہ ''اسرائیل اے پروفائل'' صفحہ:۷۵ کے انکشاف کے مطابق ۱۹۷۲ء تک اسرائیل میں موجود ''احمدیوں'' کی تعداد چھ سو تھی، جن پر اسرائیلی فوج میں ''خدمت'' کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، (بحوالہ ''ربوہ سے تل اَبیب تک'')۔ یہ گیارہ سال پہلے کی بات تھی، اب نہ معلوم کتنا اضافہ ہوچکا ہوگا؟

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہٗ اپنی کتاب ''ربوہ سے تل اَبیب تک'' کے صفحہ:۴ پر قادیانی اور صہیونی تحریک میں وجوہِ مماثلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱:... قادیانی تحریک کے بانی... مرزا غلام احمد قادیانی... کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نسباً

اسرائیلی ہے (ایک غلطی کا ازالہ)، درحقیقت اس اَمر کا برملا اظہار ہے کہ قادیانیت، صہیونیت ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔

۲:... یہودیت کی بنیاد انکارِ عیسیٰ علیہ السلام پر قائم کی گئی، اور قادیانیت بھی اس سلسلے میں اس سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی۔ اہلِ نظر واقف ہیں کہ قادیانی تحریک کے بانی کا دعویٰ ہی انکارِ عیسیٰ علیہ السلام پر مبنی ہے۔

۳:... یہودیت، بڑی بلند آہنگی سے دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے مسیح ابنِ مریمؑ رسول اللہ کو قتل کردیا، اور قادیانی تحریک کے بانی کو بھی اس دعویٰ کا ''فخر'' حاصل ہے کہ میرا وجود ایک نبی (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کو مارنے کے لئے ہے۔

۴:... یہودیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ کو صحیح النسب نہیں سمجھتی، اسی نوعیت کے خیالات کا اظہار قادیانیت کے بانی نے بھی کیا ہے، (انجامِ آتھم وغیرہ)۔

۵:... یہودی عقیدے کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مرے تھے، قادیانیت قصہٴ صلیب کشی کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے صرف اتنی ترمیم کرتی ہے کہ وہ مرے نہیں تھے، البتہ مردے کی طرح ہوگئے تھے۔

۶:... یہودیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو لہو ولعب ومسمریزم قرار دیتی ہے، ٹھیک یہی موقف قادیانیت بھی پیش کرتی ہے۔

ان سب سے مرکزی اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ یہودی تحریک، اسلام اور اسلامی اداروں کی بدترین دُشمن ہے، اور ملتِ اسلامیہ کی عداوت میں قادیانیت اس سے چار قدم آگے ہے۔ لہٰذا ان روشن اور واضح دلائل و براہین کی روشنی میں بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ جہاں قادیانی اسرائیلیوں کو عرب اور اسلام دُشمنی میں استعمال کر رہے ہیں، وہاں اسرائیل بھی قادیانیوں کو پاکستان اور عالمِ اسلام میں اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کر رہا ہے، کیونکہ قادیانیت مذہبی تحریک کے بجائے ایک سیاسی تحریک ہے، جسے مذہب کے خول میں نہایت عیاری سے چھپایا گیا ہے۔

قادیانی، دہشت پسند تنظیم کو ہر اس قوّت سے قلبی تعلق ہے جو عالمِ اسلام کی

تخریب میں اس کی معاون ثابت ہوسکے۔

چونکہ قرآن پاک، یہود کی کارستانیوں کو منظرِ عام پر لاکر ان کی مسلسل تکذیبِ حق اور قتلِ انبیاء جیسے عیوب کی نقاب کشائی کرتا ہے، اور وہ نہیں چاہتے کہ قرآن مجید اپنی اصلی حالت پر رہے، اس لئے وہ تحریف کرکے ان تمام آیات کو حذف کرنے کی کوشش میں ہیں، جو یہودیوں کی تاریخ اور اللہ تعالیٰ سے ان کے عہد کی مسلسل خلاف ورزیوں کے بارے میں ہیں، ایسے ہی قادیانیت بھی نہیں چاہتی کہ قرآن مجید اپنی اصل شکل میں برقرار ہے، کیونکہ قرآن مجید ان کی جھوٹی نبوّت کی عمارت کو برقرار نہیں رہنے دیتا۔ اسی لئے وہ تحریفِ قرآن میں اسرائیل کی مدد کرکے اسرائیلی ہمدردیوں کے علاوہ مرزاجی کی جھوٹی نبوّت کی راہ بھی ہموار کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کے گمان میں مشکوک و محرَّف قرآن سے بآسانی آیات ''ختمِ نبوّت'' کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکالا جاسکتا ہے، جبکہ قرآن کی موجودہ صورت میں ان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ قادیانی گروہ علیہ ما علیہ متعدّد مقامات پر تحریفِ معنوی کا مرتکب ہوچکا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ قادیانی غلیظ ہاتھوں نے اس کتابِ مقدس کو کئی بار نذرِ آتش بھی کیا۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء میں جھنگ، لاہور اور تھرپارکر سندھ میں کئی بار قادیانیوں نے یہودیوں کی شہ پر قرآن سوزی کی ناپاک جسارت کی۔

ہمیں معلوم ہے کہ قادیانی گروہ کو اسلام سے عناد، قرآن سے بغض، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور اُمتِ مسلمہ سے شدید نفرت ہے، اس لئے وہ فطرۃً اپنے بغض و عداوت اور عناد کے اظہار سے مجبور ہیں۔ اس یہودی نژاد گروہ کا پتہ لگانا اگرچہ ان لوگوں کا فریضہ تھا جو زمامِ اقتدار پر براجمان ہیں، مگر اب جبکہ ہم نے انہیں ماضی اور تاریخ کی روشنی میں اس کی نشاندہی کردی ہے تو ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائیں، ورنہ یہی تأثر ہوگا کہ یہ سب کچھ چوری چھپے نہیں، ملی بھگت سے ہورہا ہے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲ ش:۲۷، ۱۰ تا ۱۶/ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ)

فلم ''قصص القرآن''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

کچھ عرصہ پیشتر معاندینِ اسلام اپنی تمام تر طاقتوں کے باوصف شعائرِ اسلام کی طرف ارادۂ بد سے دیکھنے کی جرأت تک نہ کرسکتے تھے، مگر آج کثرت کے باوجود مسلمان اس قدر انحطاط اور گراوٹ کا شکار ہیں کہ چہارسو اسلام دُشمن عناصر ان کی متاعِ عزیز ...اِیمان... کے لوٹنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ اس تھوڑے سے عرصے میں ہونے والے تغیرات کو دیکھ کر ہم ششدر رہ جاتے ہیں کہ آخر اس قدر گراوٹ کیوں؟

چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پیشتر یہودی لابی اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیاتِ طیبہ اور کارناموں پر مشتمل ''ڈان آف اسلام'' نامی فلم بناکر منظرِ عام پر لانے کی بھرپور کوشش کے باوجود صرف اس لئے ناکام رہی کہ اس کے خلاف پورا عالمِ اسلام سراپا احتجاج بن گیا تھا۔ لیکن آج وہی لوگ اپنے مذموم مقاصد میں اس حد تک کامیاب ہوگئے کہ ''قصص القرآن'' نامی فلم تیار ہوگئی اور پاکستان ٹیلیویژن کے بزرچ مہروں کے ذریعہ مصر سے درآمد بھی ہوگئی اور پاکستان ٹیلیویژن پر دِکھاکر مسلمانانِ عالم کی دِل آزاری کی گئی۔ حالانکہ ''ڈان آف اسلام'' کی ممانعت کے جو اسباب و عوامل تھے، وہی اس ''قصص القرآن'' میں بھی موجود ہیں، کیونکہ فلم ایکٹرز کے لئے جیسے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا رُوپ دھارنا، ان نفوسِ قدسیہ کی توہین ہے، ایسے ہی قرآن مجید میں مذکور قصص و واقعات کی فلم بندی اور ان کو ڈرامائی انداز میں پیش کرنا بھی، کتاب اللہ اور اس میں مذکور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی توہین و اِستخفاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ ایک ایسی فلم جو قرآنِ کریم اور انبیائے کرام علیہم السلام کی کھلی بے ادبی پر مشتمل ہو، اس کی پاکستان جیسے ''اسلامی ملک'' میں نمائش کی جسارت کیسے اور کیونکر کی گئی؟ اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ پاکستان میں موجود ''مسلمان نما یہودی'' ایجنٹوں ...قادیانیوں... کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ فاروق اقدس کی پنڈی پوائنٹ کی رپورٹ سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن کے کنٹرولر پروگرامز جناب اعجاز آصف کو ان کے موجودہ عہدے سے ہٹا کر اوورسیز کے شعبے میں تعینات کردیا گیا ہے۔
>
> ان کے شعبے میں یہ تبدیلی ان کے مذہبی عقائد کے باعث عمل میں لائی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے قادیانی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ واضح رہے کہ قادیانیوں سے متعلق صدرِ مملکت کی جانب سے نافذ کردہ آرڈی نینس کے مطابق آئندہ کسی قادیانی کو مرکزی یا کلیدی عہدے پر فائز نہیں کیا جائے گا اور تمام سرکاری اداروں میں اہم اور غیر معمولی نوعیت کے عہدوں پر کام کرنے والے قادیانی حضرات کو ہٹادیا جائے گا۔ چونکہ ٹی وی میں کنٹرولر پروگرامز کا عہدہ خاصا اہم اور حساس ہوتا ہے اس لئے اعجاز آصف کو اس عہدے سے ہٹا کر ظہیر بھٹی کو ان کی جگہ متعین کردیا گیا ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۳؍مئی ۱۹۸۴ء، مڈویک میگزین ص:۱۵)

بلاشبہ یہ ایک مسلمہ حقیت ہے ...اور انہی صفحات میں ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ... قادیانی ملک و ملت کے نقصان کو اپنا دِینی و مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے مسلمانوں کو کرب و آلام میں مبتلا دیکھ کر شادیانے بجاتے ہیں، چونکہ قرآن مجید میں صراحت سے ...مدعیانِ نبوّت کا قلع قمع کرکے... ختمِ نبوّت کا اعلان کیا گیا ہے، جس سے قادیانی نبوّت کی عمارت زمین بوس ہوجاتی ہے، اس لئے ان قصص و واقعات کی من مانی اور محرَّف فلم بندی کے ذریعہ نئی نسل کے ذہن سے قرآن مجید کی اصل شکل کو ختم کرنے اور انبیاء و رُسل کو ایکٹروں کے رُوپ میں پیش کرکے لوگوں کے قلوب سے قرآن اور صاحبِ قرآن کی عظمت کو نکال باہر کرنے کی یہ بین الاقوامی سازش ہے، جس میں بشمول اعجاز آصف قادیانی ملوّث ہے اور "قصص القرآن" نامی فلم اعجاز آصف کے دور میں اسی پروگرام کے تحت پاکستان میں درآمد کی گئی ہے، ورنہ کوئی مسلمان اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں تحقیقی پینل مقرّر کرکے مقدمہ چلایا جائے اور اس گھناؤنی سازش کا سراغ لگا کر مجرمین کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔

اور ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مذکورہ قادیانی جس نے اس فلم کی درآمد میں اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا ہوگا، ویسے ہی وہ اوورسیز کے شعبے میں بھی اپنی ناپاک مہم کو جاری رکھتے ہوئے قادیانیوں کو مسلمانوں کے بھیس میں اسلامی ممالک میں بھیج کر ان کے خفیہ راز حاصل کرکے دُشمنانِ اسلام تک پہنچانے میں یہودی ایجنٹ ہونے کی خدمات سرانجام دینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو موجودہ عہدے سے برطرف کرکے مسلمانوں کی بے چینی دُور کی جائے۔

(ہفت روزہ "ختمِ نبوّت" ج:۳ ش:۴، ۲۳ تا ۲۸ر رمضان ۱۴۰۴ھ)

مرزائی اور عیسائی مشنری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

''چرچ ورلڈ موومنٹ کے مرکزی قائد جناب ناظر ایس بھٹی نے بعض مسیحی مذہبی رہنماؤں کے سیاست میں ملوّث ہونے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ قادیانی جب سے اقلیت قرار دیئے گئے ہیں وہ چند مخصوص مسیحی مذہبی رہنماؤں کو اپنے مفادات کی خاطر استعمال کر کے امن کی صورتِ حال کو خراب کرنے کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ انہوں نے صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد بعض مسیحی اداروں کے نام بڑی بڑی بیرونی امداد پر کڑی نظر رکھی جائے۔ انہوں نے کہا کہ مسیحی قوم ان سازشی عناصر کا محاسبہ کرے گی اور ملک کی بقا اور ترقی کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔''

(۴رجون۱۹۸۴ء روزنامہ ''جنگ'' کراچی)

روزنامہ ''جنگ'' کی یہ خبر پڑھ کر کسی حد تک حیرانی سی ہوئی، کیونکہ عیسائی اور مرزائی چپقلش ہمارے نزدیک اس لئے بعید ہے کہ قادیانیت، عیسائی استعمار کا خودکاشتہ پودا ہے، لیکن قدرے تأمل کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ عیسائیوں کا یہ بیان

کسی اختلاف پر مبنی نہیں بلکہ یہ قادیانیوں اور عیسائیوں میں سے ہر ایک کی اپنے اپنے مشن میں فنی مہارت کا مظہر ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے ہاں مرزائیوں سے جس قدر نفرت پائی جاتی ہے، عیسائیوں سے اتنا نہیں، اس لئے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ عیسائی پکے ٹھکے اسلام دُشمن کافر ہیں، اور اس کا خود انہیں بھی اعتراف ہے، مگر مرزائی، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کے ہاں ان کا وجود کسی صورت میں بھی گوارا نہیں۔

اس نفرت کے پیشِ نظر جب مرزائیوں کے لئے مسلمانوں کو ورغلانا اور اسلام سے برگشتہ کرنا کسی قدر مشکل معلوم ہوا تو انہوں نے خطیر رقموں کے ذریعہ ایک طرف تو مسلمانوں میں پائی جانے والی نفرت کے سیلاب کو اپنے بجائے عیسائیوں کی طرف موڑنے کی کوشش کی، اور دُوسری طرف انہوں نے اپنے مشن کے احیاء کے لئے بھی اپنے محسنوں ...عیسائیوں... کا انتخاب کرکے حقِ نمک ادا کردیا۔ یہ اسلام دُشمنی کی ایک ایسی کامیاب تدبیر ہے جو ہر حال میں مسلمانوں کے لئے مضر اور اعدائے اسلام کے لئے مفید ہے۔ جس کو عام عیسائیوں نے اپنے منصوبے کی ایک کڑی سمجھتے ہوئے اس خیال سے قبول کرلیا کہ ''ایک تیر سے دو شکار'' کے مصداق ہمارے دجالی مقصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ زرِ کثیر کا ملنا کسی صورت میں بھی نقصان دہ نہیں، لہٰذا وہ مرزائیوں کے آلہ کار بن گئے۔ مگر دُور اندیش اور ذمہ دار عیسائیوں نے یہ سوچ کر کہ اس سے پاکستان میں ہمارے مستقبل کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، نیز مسلمانوں میں مرزائیوں کے خلاف جو غم و غصہ پایا جاتا ہے، وہ سارا کا سارا ہماری طرف منتقل ہوجائے گا، لہٰذا انہوں نے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے وقتی طور پر مرزائیت کے بجائے عیسائیت کی مردہ لاش کو سنبھالنے اور اپنے خودکاشتہ پودے کے راز کو طشت ازبام کرنے میں مصلحت سمجھی، اور ''بزعمِ خود'' پاکستان کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے خلاف بیان دے دیا، جس سے کم از کم اس بات کی تو وضاحت ہوجاتی ہے کہ مرزائی پہلے صرف عیسائی مشنری کی نقالی میں قادیانیت کے فروغ کے لئے نوکری،

چھوکری، روپے پیسے کی لالچ دیتے تھے، مگر اَب صدارتی آرڈی نینس کے بعد انہوں نے اپنی مہم کو تیز کر کے قادیانیت کے فروغ کے لئے خود عیسائی مشنریوں کو خریدنے کی کوشش کی، جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوگئے، لہٰذا ضروری ہے کہ مرزائی اور عیسائی مشنری کی کڑی نگرانی کی جائے کیونکہ اس سلسلے کی تمام یورشوں کی ذمہ داری قادیانیوں کے سر آتی ہے۔

اب آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ۲۷/اپریل ۱۹۸۴ء کے صدارتی آرڈی نینس کے بعد مرزائی کیا عزائم رکھتے ہیں اور بیرون ملک ان کی کیا سرگرمیاں ہیں؟

جہاں تک مرزائی سربراہ کا تعلق ہے، اس کے عزائم تو اس کے انٹرویو سے عیاں ہیں کہ وہ اس آرڈی نینس سے کس قدر برہم اور خفا ہیں؟ چنانچہ وہ پاکستان میں بس نہ چلتا ہوا دیکھ کر اپنی ''رُوحانی ماں'' ملکۂ برطانیہ کی گود میں جاکر استراحت فرما ہوئے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ اس کا ملک سے نکل جانا ہی اس کی علامت ہے کہ اب پاکستان میں اس دجالی فتنہ کا مقدر تاریک نظر آرہا ہے، جس کی فکر میں وہ ہلکان نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام قادیانی بشمول مرزا طاہر اندرون و بیرون ملک بہت زیادہ سرگرم ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ پاکستان کو کسی طرح نقصان پہنچایا جائے، جیسا کہ پروفیسر نسیم عثمانی نے روزنامہ ''جنگ'' ۴/جون کی اشاعت میں اس کا انکشاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ: وہ اس مقصد کے لئے اپنے نوجوانوں کو ایک منظّم منصوبے کے تحت بیرون ملک بھیج رہے ہیں، جو وہاں جاکر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا مہم منظّم کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مرزا طاہر نے نمائندہ بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے صاف، واضح اور کھلے لفظوں میں اپنے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے پہلے سوال کے جواب میں کہا:

> ''اور پھر ایک ایسا انقلابی واقعہ ہوا ہے اس نئے دور میں جس کا دُنیا نے نوٹس نہیں لیا اور تعجب ہے۔''

یعنی دُنیا ...سرپرستانِ قادیانیت... کو چاہئے تھا کہ ذُریت پروری کا ثبوت

دیتے ہوئے پاکستان پر حملہ نہ سہی تو کم از کم دباؤ ڈال کر اس سے یہی احتجاج کرلیا ہوتا کہ: ''آخر اس قسم کے انسانی حقوق میں مداخلت اور اس قسم کی کھلی کھلی، کیوں...؟''
شاید اسی یاددہانی کے لئے جناب مرزا طاہر صاحب نے انگلینڈ جانے کی زحمت فرمائی۔ مزید ۷/جون ۱۹۸۴ء کے ''الفضل'' کے سرورق پر مطبوعہ مرزا خورشید احمد کے نام مرزا طاہر کے پیغام سے بھی اس کے پوشیدہ پروگرام کی بھی کسی قدر نشاندہی ہوتی ہے کہ: ''میں جن مقاصد کے لئے کوشاں ہوں اس کے پورے ثمرات شہود پر نہیں آئے، اور میری کوششوں کے جو نتائج برآمد ہونے والے ہیں، ان کا آپ تصوّر بھی نہیں کرسکتے''، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اللہ کے کچھ فضلوں کو تو آپ نازل ہوتا دیکھ رہے ہیں،
لیکن جو ابھی پردۂ اخفاء میں ہیں ان کا آپ تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔''

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا ظہور عیسائی فرمانروائی کے علاوہ کسی مسلمان ملک میں ناممکن ہے؟ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے بجائے برطانیہ چلے گئے، اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں، تو صاف ظاہر ہے کہ ان ...فضلوں... سے مراد برطانوی ہمدردیاں ہی ہیں جو کسی وقت بھی پاکستان کے خلاف استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اور ان کے بیرون ملک جانے کا بھی یہی مقصد ہے کہ اپنی وفاداریوں کے صلے میں غیر مسلم ممالک کو پاکستان کے خلاف اُکسایا جائے تاکہ کسی صورت میں پاکستانی اقتدار مسلمانوں کے بجائے قادیانیوں یا قادیانی نوازوں کے ہاتھ چلا جائے۔

ان مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر ہم حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مرزا طاہر سمیت تمام قادیانیوں کو جو ملک سے باہر جاچکے ہیں، انٹرپول کے ذریعے منگوایا جائے اور ان پر پاکستان اور آئینِ پاکستان سے غداری کے جرم میں مقدمہ چلاکر کڑی سزائیں دی جائیں، اس لئے کہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ قادیانی استعماری ایجنٹ ہیں اور وہ مذہبی کے بجائے ایک سیاسی جماعت ہے۔

(ہفت روزہ ''ختم نبوّت'' ج:۳ ش:۵، ۲۹/رمضان تا ۶/شوال ۱۴۰۴ھ)

قادیانی واویلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

"معلوم ہوا ہے کہ ایک سو کے لگ بھگ قادیانی باشندوں نے فرار ہوکر سویڈن میں پناہ حاصل کرلی ہے، ان افراد نے سویڈن کی حکومت سے سیاسی پناہ کے لئے درخواست کی ہے۔ یہاں موصولہ اطلاعات کے مطابق ان باشندوں نے حکومتِ پاکستان کے خلاف بعض ایسے بے بنیاد الزامات عائد کرکے سیاسی پناہ کا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، جن کا قطعی طور پر کوئی وجود نہیں ہے۔ ان مفرور قادیانیوں نے نام نہاد سیاسی پناہ کے لئے اپنی درخواست میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ پاکستان میں ان کی جان مال محفوظ نہیں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ سویڈن کی حکومت نے ابھی تک ان کی درخواست پر کوئی فیصلہ نہیں دیا۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی ۴/اکتوبر۱۹۸۴ء)

مندرجہ بالا خبر کے مندرجات ہمارے لئے کوئی نئے نہیں، بلکہ اس سے قبل انہی صفحات میں ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ قادیانیوں کو پاکستان دُشمنی میں وہی مقام حاصل ہے جو عرب دُشمنی میں اسرائیل کو۔ پھر اس کے علاوہ انہی صفحات میں مکتوبِ

ناروے کے حوالے سے یہ بھی بتلایا جاچکا ہے کہ ناروے میں قادیانی ناروے ٹی وی اسٹیشن کے ذریعے اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، اور پاکستان کے خلاف انتہائی گمراہ کن پروپیگنڈا کررہے ہیں۔

بعض حلقوں کا خیال ہے کہ قادیانی ہمارے ملک سے نکل جائیں اور پاکستان کو اس شجرۂ خبیثہ سے ہمیشہ کے لئے پاک کردینا چاہئے۔ مگر ہمارے خیال میں قادیانیوں کو پاکستان سے فرار نہ ہونے دیا جائے، کیونکہ قادیانیوں کا بیرون ملک فرار ہوجانا یقیناً بہتر نہیں ہوگا، بلکہ مسلمانانِ عالم کے لئے ایک ناگہانی مصیبت ثابت ہوگا، اس لئے کہ قادیانی بیرون ملک جہاں پاکستان کو بدنام کریں گے، وہاں اس سے کہیں زیادہ، سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنی ارتدادی سرگرمیوں کا نشانہ بنائیں گے، جو نہایت ہی خطرناک ہے۔ کیونکہ یہ ہندوستانی فتنہ ہے اور اس کے سدِ باب کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ہندوستانی علماء کو منتخب فرمایا ہے، جو ان کے تمام خم و پیچ اور ہر حربہ و چربہ کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ان کی سرکوبی کرسکتے ہیں، جبکہ غیر ہندی علماء کے لئے اس اجنبی اور نئے فتنے کی تردید اور سرکوبی ایک پریشان کُن مسئلہ بن جائے گا، بہت ممکن ہے کہ وہاں کی عوام ان کی دسیسہ کاریوں اور پُرفریب مکاریوں سے متأثر ہوجائے، جو یقیناً کسی المیے سے کم نہ ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قادیانیوں کی نگرانی کی جائے تاکہ وہ بیرون ملک فرار نہ ہونے پائیں۔ قادیانیوں کا یہ پروپیگنڈا کہ: ''پاکستان میں ان کی جان و مال محفوظ نہیں'' نہایت ہی مضحکہ خیز ہے، کیونکہ آج تک کسی قادیانی مبلغ کے اغوا کی خبر سننے میں نہیں آئی، ہاں! البتہ ان نام نہاد ''غیرمحفوظین'' کی طرف سے مسلمان مبلغین کے اغوا اور قتل کی کئی وارداتیں سامنے آچکی ہیں، اور تاحال اس پر ان کا مؤاخذہ بھی نہیں کیا گیا۔

پھر سویڈن جیسے ملک کے سامنے ...جس میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو نوبل انعام دیا گیا تھا... اپنی مظلومیت کا واویلا اور ڈھنڈورا پیٹنے کی وجہ سوائے اس کے اور

کوئی نہیں ہوسکتی کہ جس طرح پہلے آپ ...سویڈن... نے نوبل انعام دے کر ہماری سرپرستی کی ہے، آئندہ بھی ہم مستقل بنیادوں پر آپ کی سرپرستی کے خواہاں ہیں۔

آخر میں ہم اپنے قارئین کو مرزائیوں کی داستانِ مظلومیت کے سلسلے میں ...حال ہی میں شائع شدہ... ایک خبر کی نشاندہی کرتے ہوئے بتلانا چاہتے ہیں کہ مرزائی پاکستان میں کس قدر خائف ہیں اور اپنی بے بسی کی وجہ سے کہاں تک قانون کی پاسداری کرتے ہیں، چنانچہ روزنامہ ''جنگ'' کراچی اپنی ۵/اکتوبر ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''مقامی پولیس نے ایک دُکان دار محمد یوسف بھٹی کو قادیانی آرڈی نینس کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ محمد یوسف بھٹی نے قادیانیوں کی عبادت گاہ پر مسجد کا لفظ تحریر کیا تھا۔ ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا ہے۔''

ذرا ان بین الاقوامی ''مظلوموں'' سے کوئی پوچھے: کیا اس قسم کی دیدہ دلیری اور قانون شکنی کے مظاہرے ''مظلومیت'' کے شکار افراد کیا کرتے ہیں؟ اگر قادیانی اصطلاح میں مظلومیت کی یہی تعریف ہے تو یقیناً پھر پاکستان کیا، دُنیا بھر میں ان جیسا دُوسرا کوئی مظلوم نہیں ہے، کیونکہ اس جیسی کھلی کھلی بغاوت کسی دُوسرے کے بس کی بات نہیں۔

اس کے برعکس قادیانی دجل سے متأثر ہونے والے بعض سادہ لوح ایسے بھی ہیں جو انہیں اچھا شہری سمجھتے ہیں، ان کی سادگی کا یہ پہلو انتہائی افسوسناک ہے کہ وہ ایسی استعماری اولاد کو اچھا شہری سمجھتے ہیں جو اپنے جبر و تشدّد کو چھپانے کے لئے اپنے آپ کو مظلوم باور کراکر غیرمسلم بلاکوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں مہارت رکھتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اب تو ان کی ملک و ملت دُشمنی، انڈرگراؤنڈ سازشیں اور عزائم بے نقاب ہوچکے ہیں۔ (ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۱۹، ۲۹ محرم تا ۵/صفر ۱۴۰۵ھ)

قادیانی درندگی ...اور انتظامیہ کی سرد مہری

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

استعماری اولاد ...قادیانیوں... کی بڑھتی ہوئی جارحیت اور ربوہ اسٹیشن پر نہتے مسلمان طلبہ پر قادیانی شب خون کے نتیجے میں مئی ۱۹۷۴ء کو تحریکِ ختمِ نبوّت کی ابتداء ہوئی۔ باوجودیکہ قادیانی، بھٹو جیسے شاطر حکمران کے سیاسی حلیف تھے، مگر بھٹو جیسا آمر بھی قادیانیت نوازی کے سلسلے میں مسلمانانِ پاکستان کے جذبات کے آگے بند باندھنے میں ناکام رہا، اور بالآخر ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کی صبح اس ملعون اُمت کو غیرمسلم قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُمتِ مسلمہ سے الگ کردیا گیا۔ اس پر مسلمانانِ عالم نے سکون کا سانس لیا اور بہت سارے، نیک دِل اور سادہ لوح مسلمانوں نے تو یہاں تک سمجھ لیا کہ اب ان ...قادیانیوں... کی حیثیت محض ایک اقلیت کی ہے، جو نہ صرف پاکستان میں رہنے کے حق دار ہیں بلکہ دیگر اقلیتوں کی طرح وہ بھی حقوق رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس قادیانی، مسلمانانِ پاکستان کے اس جرمِ بے گناہی کی سزا سے کبھی غافل نہیں ہوئے اور پہلے سے کہیں زیادہ منظّم ہوکر انہوں نے گوریلا فورس کے ذریعے مسلمانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

چنانچہ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۴ء تک دس سال کا عرصہ قادیانی غنڈہ گردی کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے، بلکہ استعماری دہشت گردی کے ماتھے کا

جھومر ہے! اس عرصے میں ملک وملت کو نقصان پہنچانے کے علاوہ یہود کی رَوِش پر چلتے ہوئے زیادہ تر انہوں نے علومِ نبوّت کے وارث اور مبلغینِ اسلام کو نشانہ بنایا، انہیں اغوا اور شہید کیا، بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں قادیانی غنڈوں نے علماء کے خون سے زمین رنگین کی۔

اس سفاکی کی تازہ ترین مثال سانحۂ ساہیوال ہے، جس میں دو مسلمان، قادیانی غنڈوں کی درندگی کا شکار ہوگئے، جس کی تفصیلات مرکزی مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوّت پاکستان کی طرف سے شائع کردہ ایک اشتہار سے حاصل ہوئیں، جو کچھ اس طرح ہیں:

> ''الحاج حافظ قاری بشیر احمد حبیبؒ مدرّس جامعہ رشیدیہ ساہیوال کو اطلاع تھی کہ مرزائی، مشن روڈ پر واقع اپنی عبادت گاہ میں اذان دیتے ہیں۔ چنانچہ ۲۶/اکتوبر۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک کو قاری صاحب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ فجر کے وقت یہ دیکھنے کے لئے کہ واقعی مرزائی اذان دیتے ہیں مرزائیوں کی عبادت گاہ کے سامنے کھڑے ہوگئے، جب اذان کی آواز سنائی دی تو قاری بشیر احمد حبیبؒ اور گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ ساہیوال کے طالب علم اظہر رفیقؒ نے مرزائیوں کی عبادت گاہ کے بڑے دروازے سے اندر جھانک کر محض دیکھنا چاہا کہ کون شخص اذان دے رہا ہے؟ تاکہ اس کی شناخت کرکے امتناعِ قادیانیت صدارتی آرڈی نینس کی روشنی میں اس کے خلاف کاروائی کرائی جائے۔ اسی اثنا میں قادیانی غنڈوں نے فائرنگ کرکے قاری بشیر احمد حبیبؒ مدرّس مدرسہ جامعہ رشیدیہ اور اظہر رفیقؒ اسٹوڈنٹ پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ کو

موقع پر شہید کر دیا۔"

ہمیں مرزائیوں کی اس درندگی پر کوئی تعجب نہیں، بلکہ ہمیں مرزائیوں کو اس دیدہ دلیری اور دہشت گردی کا موقع فراہم کرنے اور اس پر پردہ ڈال کر خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے والی مسلمان انتظامیہ پر افسوس ہے، کہ آخر وہ قادیانی غنڈوں کو تحفظ فراہم کر کے آئینِ پاکستان سے کیونکر باغی ہے؟ یا پھر وہ کون سی ایسی قوّتِ محرکہ ہے جو انہیں قادیانی غنڈوں کے خلاف اقدام کرنے سے روک رہی ہے؟

اسی طرح اس واقعے کی اشاعت پر پابندی لگا دینا بھی واضح طور پر ان کی بے بسی اور سردمہری کی نشاندہی کرتا ہے، اس لئے کہ اخبارات کا اتنے بڑے سانحے سے صَرفِ نظر کرنا، اس کی علامت ہے کہ اس سلسلے میں اخبارات کو خصوصی ہدایات جاری کی گئی تھیں۔

دُوسری طرف علمائے کرام کی گرفتاری، احتجاجوں اور ہڑتالوں کے باوجود چار ملزموں کا تاحال گرفتار نہ کیا جانا انتظامیہ کی نااہلی اور قادیانیت نوازی کا کھلا ثبوت ہے۔

اس موقع پر بلاشبہ سعدیؒ کی یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ: "سنگہا را بستہ وسگہا را کشادہ" یعنی علمائے اسلام کو تو گرفتار کرلیا گیا، مگر درندہ صفت قادیانی غنڈے ابھی تک دندناتے پھر رہے ہیں۔ تاہم، ہم جنابِ صدر سے یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ کیا حکمرانی کے راہ و رسم یوں ہوا کرتے ہیں؟ خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو دجلہ کے کنارے رہنے والے کتے کی خوراک اور پھر بھوک سے اس کے مرنے پر اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور یہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ کہیں مجھ سے اس کے بارے میں بازپُرس نہ ہوجائے، مگر یہاں جنابِ صدر ہیں کہ ان کی فرماں روائی میں علماء کی جانیں تک غیرمحفوظ ہیں۔ پھر ستم یہ کہ مارشل لائی دور کا یہ چوتھا واقعہ ہے جس میں واضح طور پر قادیانی، مسلمانوں کے قتل میں ملوّث ہونے کے باوجود قانون کی

گرفت سے مستثنیٰ قرار دیئے جارہے ہیں۔

آخر میں ہم گزارش کریں گے کہ جنابِ صدر، مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ایسے نااہل اور قادیانی نواز مجرم آفیسروں کو فوراً برطرف کرکے غیر جانبدار اور ایمان دار افراد کا تقرّر کریں جو قادیانی غنڈوں کی سرکوبی کریں اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائیں، اور جن بے گناہ علمائے کرام کو گرفتار کیا گیا ہے انہیں فوراً رہا کیا جائے، اور جنابِ صدر، مفرور قادیانی غنڈوں کی گرفتاری میں ذاتی دِلچسپی لیں۔

اگر اس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا تو بگڑتی ہوئی صورتِ حال پر قابو پانا مشکل ہوگا۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۳، ۲۷رصفر تا ۳رربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ)

قادیانیوں کا احتساب ... چند تجاویز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

ایک اخباری اطلاع کے مطابق تمام سرکاری افسران کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس ماہ کے آخر تک اپنے مذہب سے متعلق حکومت کو آگاہ کریں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں چھوٹے بڑے تمام سرکاری افسران کو دو دو فارم ارسال کئے گئے ہیں جن میں سے ایک پر مختلف مذاہب کے نام درج ہیں اور سرکاری افسران کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس فارم میں دیئے گئے مذاہب میں سے جس سے ان کا تعلق ہے اس کے سامنے نشان لگائیں، مگر مسلمان ہونے کی صورت میں متعلقہ آفیسر کو دُوسرا فارم پُر کرنا ہوگا، جس میں اس کو یہ حلف دینا ہوگا کہ وہ ختمِ نبوّت پر مکمل یقین رکھتا ہے اور اس کا لاہوری یا قادیانی فرقے سے کوئی تعلق نہیں، نیز یہ کہ وہ مرزا غلام احمد کو کاذب اور جھوٹا سمجھتا ہے۔

اس اخباری اطلاع سے بھی تو ہمیں کسی قدر مایوسی ہوئی کہ سابقہ فیصلوں اور آرڈی نینس کی طرح شاید اس کی صدائے بازگشت بھی سرکاری فائلوں سے تجاوز نہیں کرسکے گی، تاہم جب سرکاری افسران سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ باقاعدہ اس حکم پر عمل کیا جارہا ہے تو یقیناً مسرّت ہوئی کہ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جو قادیانی احتساب میں بہت ممد ثابت ہوگا۔ لیکن یہ پروگرام کتنا ہی مفید سہی مگر اس وقت تک اس سے

خاطرخواہ نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی جب تک کہ کسی منصوبہ بندی کے تحت اس پرعمل نہ کرایا جائے، اس لئے کہ خود تشخیصی نظام کا سلسلہ قادیانی استعمار کے حق میں کم از کم غیر مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ خود تشخیصی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان شرافت اور دیانت کا حامل ہو، جبکہ قادیانی دِین کا کل سرمایہ ہی دجل وفریب ہے، اور اس کے بغیر ان کے نام نہاد ''دِین'' کی عمارت کا برقرار رہنا ہی محال ہے، لہٰذا ایسے دجالی گروہ کے افراد سے یہ توقع رکھنا کہ وہ حکومت کی طرف سے مہیا کردہ فارموں کا صحیح اندراج کرکے اپنی مذہبی پوزیشن واضح کریں گے، ایسا ہی محال ہے جیسا پتھر کو جونک لگانا، لہٰذا اس کو موٴثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ درج ذیل تجاویز پر عمل کیا جائے:

۱:...سرکاری طور پر یہ اعلان کیا جائے کہ غلط بیانی کے مرتکب مرزائیوں کو ان کی غلط بیانی ...معلوم ہونے پر... انہیں سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا، کیونکہ وہ زِندیق ہیں اور اسلام میں زِندیقوں کی یہی سزا ہے۔

۲:... اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ محکمہ سراغ رسانی کے ذریعہ نہایت گرمجوشی اور ذمہ داری سے ان غلط بیانی کے مرتکب عناصر کا سراغ لگایا جائے۔

۳:...سرکاری محکموں سے ان تمام ملازمین کو نکال باہر کیا جائے، جو قادیانیت کے بارے میں کسی قدر نرم گوشہ رکھتے ہوں یا ان پر مرزائی نوازی کا الزام ہو۔

۴:...ایسے افراد جو قادیانیوں کے غلط اندراجات کی نشاندہی کریں اور تحقیق وتفتیش کے بعد ان کی بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے، ان کی ہمت افزائی کی جائے اور انہیں معقول انعام کا مستحق قرار دیا جائے ...خواہ وہ نقد کی صورت میں ہو یا گریڈ میں ترقی کی شکل میں...۔

۵:...سرکاری طور پر ایسے مسلمانوں کو ہمہ قسم کا جانی، مالی اور ذہنی تحفظ فراہم کیا جائے اور ان کو اس بات کی یقین دہانی کرائی جائے کہ ان کے اس فعل پر انہیں

کسی مشکل کا سامنا نہیں ہوگا، بلکہ ان کا مخالف درحقیقت گورنمنٹ کا فریق شمار ہوگا۔

۶:... سرکاری طور پر یہ بھی اعلان کردیا جائے کہ جو شخص قادیانیوں کی غلط بیانی پر پردہ پوشی یا ان کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے پایا گیا... کوئی عذر سنے بغیر... اس کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُسے سرکاری ملازمت سے سبکدوش کردیا جائے گا۔

اگر ان تجاویز پر عمل کیا جائے تو یقیناً قادیانی سرکاری افسران بھی احتساب سے نہیں بچ سکیں گے، ورنہ قادیانی کہیں دباؤ اور لالچ سے کام لیں گے، اور کہیں سفارش اور رشوت کا استعمال کریں گے، اس لئے آخر میں ہم پھر گزارش کریں گے کہ اربابِ اقتدار، قادیانی احتساب میں مخلص ہیں تو مذکورہ بالا تجاویز پر عمل کرتے ہوئے اپنے اس پروگرام کو مؤثر بنائیں۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۵، ۱۳ تا ۲۰ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ)

قادیانی مسئلے سے تغافل نہ برتا جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

مرزائیوں کی ارتدادی سرگرمیاں روزافزوں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہیں، گزشتہ کچھ عرصے سے قادیانی شکست خوردہ بھیڑیئے کی طرح آگ بگولے نظر آتے تھے اور وہ ایک حد تک پاکستان میں اپنی ارتدادی سرگرمیوں کے پنپنے سے مایوس ہوگئے تھے۔ مرزا طاہر کا پاکستان سے بھاگ جانا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مگر افسوس کہ مرزائیوں کی اسلام دُشمنی، ملک دُشمنی اور ان کی انتقامی کارروائیوں سے صَرفِ نظر کرلیا گیا، بالآخر وہ قاری بشیر احمدؒ اور اظہر رفیقؒ کو شہید کرکے اپنے انتقام کی آگ بجھانے میں کامیاب ہوگئے۔ پاکستان میں قادیانیت کی مثال زخم خوردہ سانپ کی ہے، انتظامیہ نے جب اس زخمی سانپ کا کوئی خاطرخواہ نوٹس نہ لیا اور آرڈی نینس کے نفاذ کے بعد سردمہری کا مظاہرہ کیا تو مرزائیوں کے دِلوں میں دہشت گردی کے ''اِلہام'' ہونے لگے، اور ان کا ملہم انہیں اغوا اور قتل کی نئی نئی تدابیر اِلقا کرنے لگا، اور مرزائی اسے ''زندہ قوم کا اُبھار'' سمجھ بیٹھے، اسی لئے اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ مسلح ہوکر دہشت گردی کے میدان میں اُتر رہے ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ قادیانی ملک وملت پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی سوچ رہے ہیں، عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ صدرِ مملکت اور ان کی انتظامیہ قادیانی

مسئلے کو تغافل کی نذر نہ کریں، ورنہ ملک و ملت کے حق میں اس کے نتائج ہولناک ہوسکتے ہیں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل فوری اقدامات کی ضرورت ہے:

✡:... قادیانی عبادت گاہوں میں بہت سی جگہ اب بھی اذان ہوتی ہے ... ساہیوال کا سانحہ اس کی روشن دلیل ہے... یہ نہ صرف اسلامی شعائر کی توہین ہے، بلکہ ملکی قانون کی بھی تضحیک ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس کا احساس دِلایا جائے۔

✡:... قادیانی معابد میں کلمہ طیبہ اور دیگر اسلامی علامات و شعائر بدستور چسپاں ہیں، اس کی تفتیش کرائی جائے۔

✡:... ربوہ سے کراچی تک قادیانی مراکز میں وافر مقدار میں اسلحہ موجود ہے، ان کے مراکز پر چھاپہ مار کر اسلحہ ضبط کیا جائے۔

✡:... قادیانی اخبارات و رسائل ابھی بزعمِ خود اپنی ''اسلامیت'' کا مظاہرہ کر رہے ہیں، ان کے اجازت نامے منسوخ کئے جائیں۔

✡:... مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذُرِّیت کا لٹریچر، جو سراسر کفر و ارتداد کا پلندہ ہے، اسے ضبط کیا جائے۔

✡:... مولانا اسلم قریشی اور مولانا اشرف ہاشمی کے اغوا کی تفتیش اور بازیابی کو مؤثر بنایا جائے اور اس میں ملوّث قادیانیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، نیز قاری بشیر احمد شہیدؒ اور اظہر رفیق شہیدؒ کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

الغرض! قادیانی اپنے گھناؤنے سازشی منصوبے کو پروان چڑھانے کے لئے سرگرمِ عمل ہیں، حکومت کا فرض ہے کہ قادیانی سازشوں کا سراغ لگا کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو، اسی کے ساتھ ہی مرزائی اُمت کی خدمت میں بھی خیرخواہانہ گزارش ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء کی ذِلت آمیز شکست سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اس قسم کے غلط اقدامات سے گریز کریں، اور ۷؍ستمبر کی تاریخ کو نہ دہرائیں، ورنہ وقت بتائے گا کہ

یہ عزائم خود ان ہی کے حق میں کس قدر سنگینی کے موجب ہوں گے۔

چونکہ ملک میں عام انتخابات ہونے والے ہیں، اور جنابِ صدر یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان اور دِین دار لوگ برسرِ اقتدار آئیں، اس لئے ضروری ہے کہ حکومتی سطح پر اس کی نگرانی کی جائے کہ قادیانی، مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچانے پائیں۔ قادیانی چیرہ دستیوں کے پیشِ نظر ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ دہشت گردی کے ذریعہ انتخابات کو بھی اپنی تبلیغ کے لئے ذریعے کے طور پر استعمال کریں گے، اور وہ ہر جگہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں گے جو مرزائی یا مرزائی نواز ہو، نہیں تو کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں گے جو کم از کم ان سازشی منصوبوں اور ارتدادی سرگرمیوں کے لئے مزاحم نہ ہو۔

الغرض! قادیانی، عام انتخابات میں اپنے ڈھب کے آدمیوں کو آگے لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، اس کے لئے بے دریغ سرمایہ بھی استعمال کریں گے۔ ملک وملت کے ہر بہی خواہ کا یہ فرض ہے کہ انتخابات میں قادیانی اور قادیانی مہروں پر کڑی نظر رکھے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۶، ۱۷ تا ۲۷/ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ)

پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

''قادیانیوں کا دو روزہ سالانہ کنونشن ربوہ کی بجائے
اس سال ۲۱ر دسمبر کو لندن میں شروع ہوگا۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی ۱۰ر دسمبر ۱۹۸۴ء)

علمائے حقہ کی جانب سے تقریر و تحریر، مناظروں اور مباہلوں کے ذریعہ قادیانی اُمت کی جس طرح بخیہ دری کی گئی ہے اس سے اُمید کی جاتی ہے کہ اِن شاء اللہ اب کم از کم کوئی سنجیدہ انسان ان کے دجل میں نہیں آئے گا۔

یہ اُمت کے ان بہی خواہوں کی مساعی کا ثمرہ ہے، جنھوں نے اس سلسلے میں جان و مال کے نذرانے پیش کیے، ورنہ اس دور کو گزرے زیادہ عرصہ نہیں ہوا، جب کسی قادیانی کو کافر کہنے پر عدالت میں جوابدہ ہونا پڑتا تھا، اس کے برعکس جو قادیانی جہاں اور جس وقت کسی مسلمان کو ارتداد کی دعوت دینا چاہتا، کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوتی، اس سے بڑھ کر یہ کہ قادیانی تو کیا، مسلمان بھی ان کو کافر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ بے پایاں شکر ہے اس ذات کا جس نے قادیانی بت کو پاش پاش کیا اور سرِ راہ قادیانی طلسم ٹوٹ گیا، اور مسلمانوں کا شعور بیدار ہوا تو ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت سے مرزائی استعمار کو اپنی خلافت کی بنیادی اُکھڑتی محسوس ہوئی، پھر اس کے بعد

۱۹۷۴ء کی تحریک نے قادیانی بت کدہ کو مسمار کردیا، جبکہ رہی سہی کسر ۱۹۸۴ء کے آرڈی نینس نے پوری کردی اور قادیانی اُمت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ بالآخر صبحِ اسلام کے سپیدہ کے طلوع ہوتے ہی مرزا طاہر ظلمت کی اندھیریوں سمیت لندن کو کوچ فرما ہوئے، یقیناً قادیانی اُمت کی رہی سہی اُمیدوں پر اس وقت پانی پھر گیا ہوگا جب انہوں نے یہ خبر پڑھی ہوگی کہ اس سال مرزائی اپنی انصاف پسند ملکہ کی سربراہی میں اس کے خودکاشتہ پودے کی کارکردگی کا جشن لندن میں منائیں گے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا!

یہ علمائے اسلام کی دُعاؤں، تمناؤں اور مساعیٔ جمیلہ کا ثمرہ ہے کہ اب الحمدللہ! قادیانی دَم توڑ رہے ہیں اور وہ اپنی موت آپ مر رہے ہیں۔ ہم حیران تھے کہ ایک طرف تو حکومت، قادیانیوں کو اسلام دُشمن سازشی ٹولہ قرار دیتی ہے، مگر دُوسری طرف امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس کے اجراء کے باوجود بھی انہیں اسلام دُشمن سرگرمیوں کی کھلے عام اجازت ہے، اور خاص طور پر سالانہ ربوہ کنونشن کو... جو پاکستان بننے کے بعد مسلسل ۳۷ سال سے اسلام دُشمنی میں باقاعدہ منصوبہ بندی سے سرگرمِ عمل ہے... روکنے کی کوئی ادنیٰ سی کوشش بھی نہیں کی جاتی۔ دُوسرے لفظوں میں وہ کنونشن کیا تھا، ایک ارتدادی اسکیم تھی، جو ہر سال کئی بھولے بھالے مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس کے انسداد کے انتظام فرمادیئے ہیں تو آئندہ کے لئے حکومت کو چاہئے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کو بند کردیا جائے، تاکہ سالانہ کنونشن کے نام پر ہونے والی ارتدادی سرگرمیوں اور اَنڈرگراؤنڈ سازشی منصوبوں کا سدِ باب کیا جاسکے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۷، ۲۸ربیع الاوّل تا ۴ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ)

منیر احمد قادیانی کی معطّلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

”اعلیٰ حکام نے اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن کراچی کے سربراہ اور مبینہ طور پر قادیانی زرتشت منیر احمد کو ملازمت سے معطل کردیا ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق یہ کاروائی وفاقی تحقیقاتی ادارے کی تحقیقات کے بعد کی گئی ہے، انہوں نے کہا کہ کارپوریشن کے اعلیٰ افسروں کے خلاف صدرِ مملکت تک مبینہ غبن، بے قاعدگیوں اور فراڈ کی شکایات بھی کی گئی ہیں۔ جبکہ سعودی عرب سے ۲۲ افراد جنھیں مبینہ طور پر قادیانی بتایا گیا، ان کی پاکستان واپسی کو بھی کارپوریشن کے لئے نقصان دہ قرار دیا جارہا ہے، اور اس طرح کارپوریشن کے ذریعے بیرون ملک ملازمت دِلانے کے کاروبار میں بھی کمی واقع ہوگئی ہے۔ ان ذرائع نے کہا کہ وفاقی سیکریٹری محنت ایس ایم اے کاظمی کو کارپوریشن میں مبینہ غبن و بے قاعدگیوں کی رپورٹ دے دی گئی ہے۔ بتایا گیا کہ ایف آئی اے سے قبل ہونے والی ایک تحقیقاتی ٹیم نے ملک کے اعلیٰ حکام کی ہدایت پر کارپوریشن کے سابق

مینیجنگ ڈائریکٹر، کراچی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر، زرتشت منیر احمد، او ای سی کراچی کے افتخار خان، او ای سی ایکسپریس کے عارف حمید اور ایک اور افسر جاوید اقبال کے مقدمات سخت الزامات کی تحقیقات بھی کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کراچی آفس کے سربراہ جو کہ مبینہ طور پر معروف قادیانی ہے، کے خلاف لاکھوں روپے کے کمیشن کی تحقیقات بھی جاری ہیں، جبکہ اس نے عدالتِ عالیہ سے ضمانت قبل از گرفتاری حاصل کی ہوئی ہے۔ بتایا گیا کہ کارپوریشن کے ذیلی ادارے اوورسیز ایکسپریس کو بند کردیا گیا ہے جو کہ بے قاعدگیوں، مبینہ غبن اور بدنظمی کے باعث نقصان کا شکار ہوگئی تھی۔ ان ذریعوں نے کہا کہ ای ڈی کراچی کو معطل کرتے ہوئے بھی مبینہ طور پر فنی گنجائش رکھتے ہوئے اعلیٰ حکام نے کہا کہ وہ تین ماہ کے عرصے کے لئے معطل کیا جارہا ہے۔ ان ذرائع نے کہا کہ ملازمت کی معطّلی میں عرصہ مقرّر نہیں کیا جاتا۔ مزید بتایا گیا کہ تحقیقاتی ادارے کو ریکارڈ کے حصول میں بھی سخت دُشواری کا سامنا ہے، کیونکہ ریکارڈ کو اپنی جگہ سے خفیہ مقام تک پہنچانے کے بارے میں بتایا جارہا ہے۔ بتایا گیا کہ لاکھوں روپے کے مبینہ غبن و فراڈ کے سلسلے میں ایف آئی اے کو کارپوریشن کی طرف سے تحقیقات کی پہلے ہی درخواستیں دی گئی ہیں جن پر سابق سربراہ کی موجودگی کے سبب اور اس کے اثر کی وجہ سے عمل نہیں ہوسکا ہے۔ تاہم ایف آئی اے نے اب مزید تحقیقات شروع کی ہیں۔“

(روزنامہ ”نوائے وقت“ کراچی ۲۳ر جنوری ۱۹۸۵ء)

گزشتہ صحبت میں، قادیانی تلبیس کی ایک تازہ ترین مثال کی روشنی میں

حکومت سے گزارش کی گئی تھی کہ قادیانی مہروں پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔ آج کی صحبت میں بھی قارئین نے مرزائی اُمت کے ''ہونہار چشم و چراغ'' زرتشت منیر احمد کی کارکردگی سے متعلق روزنامہ ''نوائے وقت'' کی خبر ملاحظہ فرمائی جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قادیانی کس قماش کے لوگ ہوتے ہیں؟ اور ان کی تربیت کس طرح سے کی جاتی ہے؟ اور وہ قوم و ملک کے حق میں کس قدر مخلص ہوتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر ان کی نگاہوں میں قانون کی کیا اہمیت اور قدر و منزلت ہوتی ہے...!

مجلس تحفظِ ختم نبوّت پاکستان کی طرف سے بار بار اس پر تشویش کا اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن کراچی کا سربراہ زرتشت منیر احمد انتہائی بدبودار اور سڑا ہوا قادیانی ہے، اور اس کا اس عہدے پر رہنا قوم وملک کے مفاد میں نہیں، اور وہ غبن، فراڈ اور بے قاعدگیوں کے علاوہ سیکڑوں قادیانیوں کو مسلمانوں کے پاسپورٹ پر سعودی عرب اور دُوسرے عرب ممالک میں جہاں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے، بلادھڑک بھیج رہا ہے۔ نیز حکومت سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ فوراً اس کو معطل کرکے اس کے خلاف تعزیری کاروائی کی جائے، مگر نامعلوم کن وجوہات کی بنا پر ہماری مصلحت پوش انتظامیہ اس کو اب تک ٹالتی رہی ہے۔

بدقسمتی سے جب وہ رنگے ہاتھوں دَھرلیا گیا تو ہماری انصاف پسند انتظامیہ نے ایسی قابلِ تقلید فراخ دِلی کا ثبوت دیا، جس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی، کیا ایسا شخص بھی کسی رعایت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ جس کے خلاف صدرِ مملکت کو شکایات گئیں ہوں، اور وفاقی تحقیقاتی ادارہ اس کے خلاف لاکھوں روپے کے غبن کے کمیشن کی تحقیقات کررہا ہو؟ اور وہ ۲۲ قادیانیوں کو مبینہ طور پر سعودی عرب بھیج چکا ہو، جو تاحال وہاں موجود ہوں، اور اس کی رسائی اور اثر ورُسوخ کا یہ عالم ہو کہ ایف آئی اے کا عملہ بھی اس کے خلاف تحقیقات کرنے سے قاصر رہا ہو، اور اس کے خلاف قائم کئے گئے

تحقیقاتی ادارے کو ریکارڈ حاصل کرنے میں سخت دُشواریوں کا اس لئے سامنا ہو کہ ریکارڈ کو خفیہ مقام تک پہنچادیا گیا ہو، پھر اوورسیز ایکسپریس کو ...جو کارپوریشن کا ذیلی ادارہ تھا... محض اس لئے بند کردیا گیا کہ وہ مذکورہ قادیانی کی کارستانی کے باعث نقصان کا شکار ہوگیا تھا۔

بلاشبہ جب ایسا شخص کسی رعایت کا مستحق نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو ہم پوچھنا چاہیں گے کہ اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کیونکر منظور کی گئی؟ پھر ایسے سنگین مجرم کے ساتھ رعایت برتتے ہوئے مبینہ طور پر خلافِ قانون اُسے صرف تین ماہ کے لئے معطل کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ جبکہ قانوناً ملازمت سے معطّلی کی مدّت مقرّر نہیں کی جاسکتی۔

کیا یہ سب آئینی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے؟ کیا یہ کھلی مرزائیت نوازی نہیں؟ کیا اس سے مرزائیت اور لاقانونیت کو فروغ نہیں ملے گا؟ ضروری ہے کہ اس کی تحقیق کی جائے کہ کہیں متعلقہ ادارے میں کسی اعلیٰ پوسٹ پر کوئی قادیانی تو براجمان نہیں؟ خدارا! پاکستان پر رحم کیجئے اور اس کو مرزائیوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیئے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۳۴، ۱۸ر تا ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ)

قادیانی: ایرانی بہائیوں جیسے سلوک کے مستحق!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

''لندن (رائٹر) ایران میں حکومت نے بہائی فرقے سے متعلق اپنے تمام سابقہ ملازمین کو حکم دیا ہے کہ انہوں نے ملازمت میں رہتے ہوئے جتنی تنخواہ وصول کی ہے وہ حکومت کو واپس کردیں۔ یہ بات برطانیہ میں مقیم بہائیوں کی قومی اسمبلی کے ایک بیان میں بتائی گئی ہے، بیان میں کہا گیا ہے کہ اس حکم کے فوراً بعد بہائیوں کی گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، جن سے ایران میں تین لاکھ بہائیوں میں سخت خوف و ہراس پیدا ہوگیا ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۳رفروری ۱۹۸۵ء)

اگر ایرانی حکومت تین لاکھ بہائیوں کی کثیر تعداد کو ایران چھوڑنے پر مجبور کرسکتی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ پاکستان میں موجود قادیانیوں کو لگام دی جائے اور انہیں مسلم اکثریت کے جذبات سے کھیلنے سے روکا جائے؟ پھر یہ نکتہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایک طرف موجودہ ایرانی حکومت کو اتھارٹی کا درجہ دیا جاتا ہے تو دُوسری طرف اسلام دُشمن عناصر کی سرکوبی کے مسئلے میں اس کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

بہائی اُمت اگرچہ مرزائی قوم سے عمر میں کسی قدر بڑی یعنی قدیم اور سینئر

ہے، مگر نظریاتی طور پر دونوں میں مقاربت اور یکسانیت پائی جاتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ پاکستان میں موجود مرزائیوں سے بھی وہی سلوک کیا جائے جو ایرانی حکومت بہائیوں سے کر رہی ہے۔

پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ بہائی تلبیس کے بجائے کھلے طور پر اپنے آپ کو ''بہائیت'' سے موسوم کرتے ہیں، اور وہ جہاں کہیں بھی ہیں ایک اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں۔

ایرانی حکومت کے اس رویے سے ان مصلحت کوش اور نام نہاد ''وسعت پسند'' حضرات کو بھی درسِ عبرت حاصل کرنا چاہئے، جو قادیانی جارحیت کے خلاف مؤثر آواز اُٹھانے والے حضرات کو ''تنگ نظر مُلَّا'' اور ''مذہبی جنونی'' کا طعنہ دیتے ہیں، نیز جو حضرات قادیانیت کے مکمل انسداد کے مطالبے پر عالمی برادری کی خفگی کا عذرِ لنگ پیش کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اس خبر کی روشنی میں انہیں بھی اپنی اس دلیل کا وزن معلوم ہوجانا چاہئے، کہ اگر ایران جیسا ملک اپنے ملکی مفاد کے لئے عالمی برادری کی پروا کئے بغیر اس اقدام میں کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا، تو ہمیں بھی ملک و ملت کی بقا اور سالمیت کی خاطر قادیانیت کو غیرقانونی قرار دیتے ہوئے، ان کو ملازمتوں سے علیحدہ کرنے اور ان کی شہریت منسوخ کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۳۵، ۲۵ر جمادی الاولیٰ تا یکم جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ)

مرزا طاہر سے ایک سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

حال ہی میں ہالینڈ سے مرزائی راہ نما مرزا طاہر کے ۱۴را گست ۱۹۸۴ء کے جمعہ کے اجتماع کے خطاب کی کیسٹ دستیاب ہوئی ہے، جس میں مرزا طاہر کی پوری تقریر کا جواب تو کسی دُوسری صحبت پر اُٹھا رکھتے ہیں، البتہ سرِدست تقریر کے اس حصے پر چند گزارشات کی جاتی ہیں جس میں مرزا صاحب کو پاکستانی مسلمانوں، علمائے حقانی اور خصوصاً جناب صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق سے یہ شکایت ہے کہ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں ان کے پیشوا ...مرزا غلام احمد قادیانی... کو گستاخِ رسول کہا گیا ہے، جو سراسر افتراء اور جھوٹ کا پلندہ ہے، اور جماعتِ احمدیہ اور ان کے پیشوا پر یہ الزام جھوٹا، بہیمانہ اور ظالمانہ ہے، کیونکہ ان کے خیال میں مرزا غلام احمد نے ہی انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عشق و محبت کا طریقہ سکھایا ہے، اور وہ یہاں تک کہتے تھے کہ:

”میرا کوئی مقام نہیں، مگر یہی کہ میں خاکِ پائے مصطفیٰ ہوں۔“ (اقتباس تقریر ہالینڈ)

ہم مرزا صاحب کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے انہیں مرزا غلام احمد کے ان دعووں کی طرف توجہ دِلائیں گے جس میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

الف:... مرزا افضل الرسل ہے، کیونکہ آسمان سے کئی تخت اُترے مگر مرزا کا تخت سب سے اُونچا بچھایا گیا۔ (تذکرہ)

ب:... اور یہ کہ مرزا قادیانی کے زمانے کی رُوحانیت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اَقویٰ اور اَکمل اور اَشد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی رُوحانیت پہلی رات کے چاند کی طرح ناقص اور بے نور تھی، اور مرزا کے زمانے کی رُوحانیت چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور کامل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ رُوحانی ترقیات کا پہلا قدم تھا، اور مرزا کا زمانہ رُوحانی ترقیات کی آخری معراج ہے۔

(خطبہ اِلہامیہ)

ج:... اور یہ کہ اس کے لئے ...یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے... چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا، اور میرے ...مرزا کے... کے لئے چاند اور سورج دونوں کا، اب کیا تو انکار کرے گا؟ (اِعجازِ احمدی ص:۷۱)

اب مرزا طاہر صاحب خود ہی بتلائیں کہ مرزا جی کے ان ارشادات میں کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ کیونکہ جیسے دونوں کی تصویب میں اِجتماعِ ضدین ہے، اسی طرح کسی ایک کی تغلیط سے بھی مرزا صاحب کا کذب اور ان کی دوغلی پالیسی سے ان کی منافقت ثابت ہوتی ہے، اور منافق کو عاشقِ رسول کہنا کسی طور پر قرینِ عقل و قیاس نہیں۔ اس کے برعکس اگر مرزا طاہر صاحب، مرزا غلام احمد اور ان کے ان ''ارشادات'' کی تطبیق میں افضلیت کے قول کو منسوخ مانتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا کوئی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ کوئی اُمتی ایک عرصے تک تو نبی سے افضل رہا ہو، اور بعد میں کسی ذریعے سے مفضول قرار پائے اور اس کے ایمان میں کوئی خلل نہ آیا ہو؟: ''هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ''، اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ اگر مرزائی اُمت کو کچھ بھی حق کا پاس ہے تو ہمارے اس سوال کا جواب دے اور مرزا غلام

احمد کی ان عبارتوں کے تعارض کو ختم کر دِکھائے، ورنہ محض دجل وفریب سے عالمی برادری کو دھوکا دینا، جادو بیانی تو کہلاسکتی ہے ...جس میں، ہمارے خیال میں گلی کوچوں کے مداری، مرزا صاحب سے کہیں آگے ہیں...مگر حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مرزا طاہر کی ایک گھنٹے کی پوری تقریر اسی طرح کی ہرزہ سرائیوں کا پلندہ ہے، جس کے ایک ایک لفظ سے ملک وملت کی دُشمنی ٹپکتی ہے، ہم حکومت سے گزارش کریں گے کہ ایسی کیسٹوں کی جن ذرائع سے درآمد ہوتی ہے، ان کی کڑی نگرانی کی جائے، اور انٹرپول کی مدد سے مرزا طاہر پر مقدمہ قائم کرکے گرفتار کیا جائے اور اسے ملک سے غداری کے جرم میں پھانسی کی سزا دی جائے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۳۶، ۲ تا ۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ)

ناموسِ رسالت کے خلاف محاذ آرائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، مگر شومیٔ قسمت کہ ۴۵ سال گزر جانے کے باوجود اب تک پاکستان میں اسلام داخل نہیں ہوسکا۔

پاکستان کی منتخب اسمبلیوں کے معزّز ارا کین کو جمہوریت کی برکت سے یوں تو ہر موضوع پر لب کشائی اور دِل کھول کر اظہارِ خیال کی مکمل آزادی ہے، اور ہر قسم کے قوانین اور بلوں کے پیش کرنے کا اختیار ہے، اگر پابندی یا اعتراض ہے تو صرف اور صرف ناموسِ رسالت کے تحفظ بل پر، چنانچہ قومی اسمبلی کے رواں اجلاس میں قانون سازی کے دوران توہینِ رسالت کے مجرموں کو عمر قید کی بجائے سزائے موت دینے کے مسوّدۂ قانون پر بحث شروع ہوئی تو اقلیتی ارکان نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اس قانون کو غیرمسلموں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ اگرچہ اقلیتی ارکان کا یہ خدشہ بے بنیاد ہے، جیسا کہ وزیر مذہبی اُمور نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں اقلیتوں کو آئینی تحفظ حاصل ہے، انہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن ہمارے خیال میں اقلیتی ارا کین کا اس مسوّدۂ قانون کی مخالفت کرنا لائقِ تعجب نہیں، اس لئے کہ:

ا:... وہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنا مخالف اور حریف سمجھتے ہیں۔

۲:...انہیں قرآن و سنت کے قوانین اور اسلامی ضابطۂ حیات کا صحیح طور پر علم نہیں۔

۳:... وہ نفاذِ اسلام کی برکات اور اسلامی حکومت کے سایۂ عاطفت سے نا آشنا ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ان اُمور سے واقف اور لذّت آشنا ہوتے تو کبھی بھی اس طرزِ عمل کا مظاہرہ نہ کرتے، اس لئے کہ اسلام میں ذِمی ...غیر مسلم اقلیت... کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت کی بھی اتنا ہی تاکید ہے جس طرح ایک مسلمان کی عزّت و ناموس کی ہے۔

چنانچہ اسلامی آئین کی رُو سے اگر کسی مسلمان نے ناحق کسی غیر مسلم اقلیت کو عمداً قتل کردیا تو اس سے بھی قصاص لیا جائے گا، اسی طرح اگر قتلِ خطأ ہو تو غیر مسلم مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر مسلم معاہد ...ذِمی... کے خون سے ہاتھ رنگنے والے کے بارے میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جس مسلمان نے کسی معاہدے میں داخل شدہ (کافر) کو قتل کیا، اس کو جنت کی خوشبو تک نہیں پہنچے گی۔" (بخاری)

اگر اقلیتی ارکان کے ضمیر میں چور نہیں، تو انہیں ان قوانین سے خائف نہیں ہونا چاہئے۔

اقلیتی اراکین کے بجائے ہمیں ان مسلمان اراکین کے طرزِ عمل پر افسوس ہے جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور اس بل کی مخالفت بھی کرتے ہیں، جیسا کہ روزنامہ "جنگ" میں ہے:

"توہینِ رسالت کے مجرموں کو عمر قید کی بجائے سزائے موت دینے کے مسوّدۂ قانون پر بحث شروع ہوئی تو سیّد

نوید قمر نے کہا کہ: ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و تکریم میں کسی سے پیچھے نہیں، لیکن ہم مذہبی انتہاپسندی کے خلاف ہیں۔ چوہدری الطاف حسین نے کہا کہ: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف چار پانچ شاتمِ رسول قتل کئے گئے تھے، اس لئے شاتمِ رسول کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہئے۔ وزیر مملکت برائے اقلیتی اُمور پیٹر جان سہوترا نے کہا کہ: یہ بل سب سے زیادہ غیرمسلموں اور خاص طور پر مسیحیوں کے لئے ننگی تلوار ہے، جسے غلط استعمال کیا جائے گا۔ جے سالک نے کہا کہ: پاکستان میں گستاخِ رسول پیدا ہو ہی نہیں سکتا، جو رسولِ اکرمؐ کی شان میں گستاخی کرے گا لوگ اسے خود سزا دیں گے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۷راگست ۱۹۹۲ء)

فاضل رکن جناب چوہدری الطاف حسین کے خیال میں شاتمِ رسول کی سزا کا اختیار اگر ریاست کو نہیں ملنا چاہئے تو پھر وہ خود ہی فرمائیں کہ اس کے سدِ باب کی کیا صورت ہونی چاہئے؟ کیا ایسے دریدہ دہنوں کو کھلے عام چھوڑ دینا چاہئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جناب چوہدری صاحب اس قانون سازی کی مخالفت کرکے غیرشعوری طور پر اسلام دُشمن لابی کے وکیلِ صفائی کا کردار ادا کر رہے ہوں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر موصوف کو اس کی وضاحت کرنا چاہئے، کیونکہ موصوف کی فکر و سوچ سے مسلمانانِ پاکستان کو نہایت تکلیف ہوئی ہے۔

اس کے ساتھ ہی جمہوریت کی ''سرپرست'' اور پی ڈی اے کی راہ نما اور اپوزیشن لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس سلسلے میں جو بیان دیا ہے وہ نہایت دِل آزار اور تکلیف دہ ہے، چنانچہ روزنامہ ''جنگ'' میں ہے:

''محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ ملک کے ۱۲ کروڑ

عوام ناموسِ رسالت کی حفاظت خود کر سکتے ہیں، حکومت ناموسِ رسالت کے سلسلے میں سزائے موت کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کر کے ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنانے کی سازش کر رہی ہے جو کہ بنیادی طور پر قائدِاعظم کے نظریات کے خلاف اور عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے اور اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے۔ انہوں نے کہا کہ: گواہوں اور شہادتوں کی بنا پر شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے کو سزا دینا اس لئے معنی نہیں رکھتا کہ ہمارے ملک میں تو ارکانِ پارلیمنٹ کو خرید لیا جاتا ہے، اس صورتِ حال میں کرایہ کے گواہوں کی موجودگی میں انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔‘‘

(روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی ۱۰راگست ۱۹۹۲ء)

حیرت کی بات ہے کہ اگر اپنا کوئی ذاتی مفاد یا مسئلہ ہو تو پھر ہمارے یہی لیڈرانِ گرامی اسمبلیوں کے لئے ’’مختارِ کل‘‘ ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں، اور ہر طرح کی قانون سازی حتیٰ کہ شرعی مسائل میں ارکانِ اسمبلی کو ’’مجتہدِ مطلق‘‘ بنانے اور انہیں منصبِ اجتہاد پر فائز کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی اور عزّت و ناموس کا مسئلہ پیش آئے تو عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کر کے اس قانون سازی کو بنیاد پرستوں کی سازش کا عنوان دیا جاتا ہے، فالی اللہ المشتکی!

تف ہے اس عقل و خرد پر! کہ شاتمِ رسول کی سزا کو تو عوام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے، لیکن اگر اپنا ذاتی مسئلہ ہو تو پھر تمام قانونی اور غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کئے جائیں۔

اگر ۱۲ کروڑ عوام ناموسِ رسالت کا تحفظ کر سکتے ہیں اور اس کے لئے کسی

قانون کی ضرورت نہیں، تو پھر انتخابات، اسمبلیوں اور سیاسی کارکنوں کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ توقع رکھنی چاہئے کہ عوام کو اپنے دُوسرے مسائل میں بھی کسی قانون کا سہارا لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ گویا موصوفہ کے خیال میں اس ملک کو کسی قانون کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ عوام مجرموں سے نمٹنا جانتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ تھانہ، پولیس سے لے کر صدر اور وزیرِاعظم صاحبان کو بھی اپنے گھر کی راہ لینا چاہئے...!

اسلام تو کسی فرد اور قوم کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ بادشاہ سے لے کر رعایا تک ہر ایک کو قانون کا پابند بناتا ہے، چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے کہ حضرت ہلال بن اُمیہ نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو مصروف دیکھیں تب اس کو اسی حال میں چھوڑ کر گواہ تلاش کرنے جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! گواہ لاؤ، ورنہ تیری کمر پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ (بخاری)

دیکھئے! یہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیرت وحمیت کے معاملے میں بھی ...جہاں پر آدمی بہت ہی جذباتی ہوجاتا ہے...قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ فرماتے ہیں کہ: گواہ لاؤ! ورنہ تیری پیٹھ پر حد لگے گی۔

لیکن ہمارے نام نہاد لیڈر ہیں کہ ملک میں جنگل کا قانون نافذ کرتے ہوئے عوام کو مجرموں کے پیچھے لگا کر اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عیسائیوں کی خوشنودی کے لئے اور اپنے آپ کو بنیاد پرستی ...اور اسلام... کے ''دھبے'' سے پاک کرنے کے لئے یہ بیان دیا گیا ہو کہ ہمیں ایسے مسلمانوں میں نہ سمجھا جائے جو اپنے نبی کی گستاخی پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں، اِنَّا لِلهِ وَاِنَّـآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱۱ ش:۱۸، ۶ تا ۱۰/ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ)

حالیہ فسادات کا پسِ منظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

''صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے کراچی میں حالیہ تصادم پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا تھا اور اللہ تعالیٰ کا اِنعام تھا، اس کو مضبوط بنانے کے بجائے بعض عناصر ملک دُشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ پیر کو یہاں سرکٹ ہاؤس میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہر شخص کو اپنے مسلک کے مطابق عمل کرنے کا حق حاصل ہے، اور اعمال دیکھنے والا صرف خدا ہے۔ انہوں نے کہا کہ محرّم الحرام جو اسلامی سال کا پہلا اور برکتوں والا مہینہ ہے، اس مہینے میں مسلمانوں کے اندر مسلمانوں کے دُشمنوں کے باعث کراچی میں جو جانی اور مالی نقصان ہوا اس پر میں بے انتہاء افسردہ ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مکان اور پٹرول پمپ جل گئے، ہنستے کھیلتے بچے یتیم ہوگئے، اور کتنے گھرانے ویران ہوگئے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو یہ پہچاننا چاہئے کہ پاکستان کے اندر یا باہر ہمارے دُشمن کون ہیں؟ ....''

(روزنامہ ''جنگ'' ۹/اکتوبر۱۹۸۴ء)

محرّم الحرام کے مہینے کو اسلامی تاریخ اور شریعت میں انتہائی اہمیت حاصل ہے، اس لئے کہ رُوحانی اور مادّی اعتبار سے انسانیت پر اس ماہ میں بہت سے ایسے انعامات کئے گئے، جو صرف اسی ماہ کا ہی حصہ ہیں۔ اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ اس ماہ کے آتے ہی تشکر و امتنان سے ہماری گردنیں بارگاہِ الٰہی میں جھک جاتیں، اور یہ مہینہ خالق ومخلوق کے مابین شکر و سپاس کا ایک تہوار ثابت ہوتا۔ مگر اس کے برعکس اب اس کی حیثیت ان مٹھی بھر سامراجی ایجنٹوں کی خونخواری اور تخریب کاری کے تہوار کی ہوچکی ہے، جو ہر سال مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہِ محرّم الحرام کے آتے ہی ایک اَنجانا سا خوف محسوس ہونے لگتا ہے، کہ نامعلوم اب کن بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی جائے گی؟ اور فرقہ واریت کے نام سے کن کن لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا جائے گا؟ اب تو یہ ہر سال کا معمول بن چکا ہے۔ دُوسری طرف قانون نافذ کرنے والے افراد ہیں جو ہمدردی کے چند کلمات کہہ کر بری الذمہ ہوجاتے ہیں، جبکہ انتظامیہ روایتی سستی کے پیشِ نظر اس خونی ڈرامے کے اختتام پر ''فوراً'' پہنچ جاتی ہے، اگر خدانخواستہ اتفاق سے وہاں موجود بھی ہو، تو مداخلتِ بے جا کی مرتکب نہیں ہوتی۔

کیا جنابِ صدر کی ہمدردی صرف زبانی کلامی حد تک ہے؟ کیا ان سے اس کا انتظام نہیں ہوسکتا کہ ان جانبدار اور نااہل پولیس اہل کاروں کو برطرف کرکے ایمان دار اور غیر جانبدار افراد کا تقرّر کیا جائے، جو ملک کو تباہی سے بچاسکیں؟ پھر جب یہ ہر سال کا معمول بن چکا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ نقصِ اَمن کے پیشِ نظر فوج کے ذریعہ حفاظتی انتظامات کئے جائیں؟ یا پھر ان ایام میں پہلے ہی سے کرفیو لگادیا جائے؟

جنابِ صدر کو برسرِ اقتدار آئے ایک طویل عرصہ ہوچکا ہے، کیا کبھی انہوں نے اس طرف بھی توجہ کی ہے کہ ان فسادات کا پسِ منظر کیا ہے؟ اور کس کی شہ پر ایک مخصوص گروہ کی طرف سے ہر سال نہتے مسلمانوں کے خون سے زمین رنگین کی جاتی

ہے؟ یا مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے؟ ہمارے خیال میں آج تک اس پر سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی گئی، ورنہ اگر اس پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا تو یقیناً یہی نتیجہ نکلتا کہ ان فسادات میں بھی قادیانیوں کا ہاتھ ہے، کیونکہ وہ ملک و ملت کی سالمیت اور بقاء برداشت نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر دس سال بعد کوئی ایسا شوشہ چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو ملک و ملت کی تباہی اور نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ ان فسادات میں بھی قادیانی انرجی ہی کام کر رہی ہے۔ چنانچہ ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی کی ۵-۱۱/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی اشاعت کے صفحہ:۲۷ پر شائع شدہ مولانا اللہ یار ارشدؔ کے انٹرویو سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ نمائندہ ''تکبیر'' فاروق عادل صاحب لکھتے ہیں:

''اندرا گاندھی نے قادیانیوں کو کچھ لائنیں دی تھیں، جن کی روشنی میں یہ سازش تیار کی گئی۔

سازش کے دو بنیادی ہدف ہیں، پہلا محرّم الحرام میں شیعہ سنی فسادات برپا کرنا ہے، اور دُوسرا فسادات کی آگ بھڑکا کر حالات کو مسلسل خراب کرکے بیرونی مداخلت کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اس سازش میں قادیانیوں کے علاوہ کمیونسٹ بھی مرکزی کردار ادا کریں گے ..... تفصیلات کے مطابق ابتدائی ہدف پر عمل درآمد کرانے کے لئے قادیانیوں نے ایک اَرب ۷۰ کروڑ ۹۶ لاکھ ۶۸ ہزار تراسی روپے چراسی پیسے کے سالانہ بجٹ ۸۵-۱۹۸۴ء میں سے ایک خطیر رقم شیعہ سنی فسادات کے لئے مختص کی ہے۔ حکمتِ عملی یہ طے کی گئی ہے کہ پہلے مرحلے میں ذاکرینِ کرام اور خطیب حضرات کو ٹارگٹ بناکر ان پر کام کیا جائے گا اور ان کی کمزوریاں تلاش کی جائیں گی، اگر کوئی ٹارگٹ دوستانہ ماحول ہی میں ''راہِ راست'' پر آگیا تو دُرست، ورنہ انہیں بلیک میل کرکے

ان سے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرائی جائے گی۔ اس ضمن میں تقریباً ۳۶ لاکھ روپے کی رقوم کی تفصیلات مل سکی ہیں۔ جن کے مطابق ضلع فیصل آباد میں دو لاکھ ۱۸ ہزار پانچ سو اٹھارہ روپے، ضلع سرگودھا میں ایک لاکھ ۶۷ ہزار ۶ سو پچیّس روپے بذریعہ ظفر بک ڈپو، اُردو بازار، لاہور میں ۶ لاکھ اِکتیس ہزار ۹ سو روپے بذریعہ کار دو اقساط میں مسٹر حمید نصر اللہ کو ارسال کئے گئے، جبکہ اسلام آباد میں ایک لاکھ ۶۰ ہزار آٹھ سو ۳۹ روپے، ضلع راولپنڈی میں دو لاکھ ستانوے ہزار ۵ سو بیس روپے، کراچی کو ۱۷ لاکھ بائیس ہزار ۶ سو اُنیس روپے، حیدرآباد کو ۳ لاکھ ۳۲ ہزار ۹ سو ۶۱ روپے، اور ساہیوال کو ۴۵ ہزار ۴۸ روپے ارسال کئے گئے، بقیہ رقوم کی تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں۔''

ان تفصیلات اور شواہد کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ فرقہ واریت کے نام پر قادیانی اور سامراجی آلہ کار ملک و ملت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے شرپسند عناصر کو جو چند ٹکوں کے عوض ملک کو اکھاڑا بنارہے ہیں، چن چن کر ایسی کڑی سزائیں دی جائیں کہ آئندہ کسی کو اس قسم کی گھناؤنی حرکت کی جسارت نہ ہوسکے، کیونکہ پاکستانی عوام کا عصبی اور گروہی اختلافات میں گھِر جانا انتہائی افسوسناک اور نہایت تشویشناک اَمر ہے، جو پاکستان کے حق میں کسی صورت نیک فال ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر قوم و ملک کے بہی خواہوں کو چاہئے کہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور ملک کو تباہی سے بچانے کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل تجویز فرماویں جو اِتحاد و یکجہتی اور صلح و آشتی کے تقاضوں کو اَحسن طور پر پورا کرتا ہو۔

اگر اس میں تأخیر سے کام لیا گیا تو قادیانی اور کمیونسٹ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۱۸، ۲۲ تا ۲۸ محرّم ۱۴۰۵ھ)

فری میسن کی طرح قادیانی املاک کی ضبطی کی ضرورت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!

''ملک بھر میں ''فری میسن تنظیم'' کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا، مارشل لاء ضابطہ نمبر:۵۶ کو فوری طور پر نافذ العمل تصوّر کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مروّجہ کوئی قانون، کسی عدالت کا کوئی فیصلہ، معاہدہ، اقرارنامہ، سمجھوتہ، دستاویز یا کوئی دیگر قانون یا قانونی دستاویز غیر مؤثر اور منسوخ سمجھی جائے گی ......اور مذکورہ انجمن کی تمام املاک چاہے وہ کسی شکل اور کسی صوبے میں ہوں، بلاتأمل بحق صوبائی حکومت ضبط کرلی جائیں گی۔ اور صوبائی حکومت ان املاک کو اپنی تحویل میں لینے کے لئے جس طرح کی طاقت مناسب سمجھے استعمال کرسکتی ہے .....اور انجمن کی املاک کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جائے گا، چاہے ان کی ضبطی سے کوئی فرد ہی کیوں نہ متأثر ہوتا ہو، اور مذکورہ انجمن کی جانب سے دائر شدہ کوئی دعویٰ، درخواست یا کسی عدالت میں زیرِ سماعت مقدمہ ضابطہ ۵۶ کے نافذالعمل ہونے کے ساتھ داخلِ دفتر تصوّر کیا

جائے گا۔“ (روزنامہ ”نوائے وقت“ ۱۷/جون ۱۹۸۳ء)

حکومتِ پاکستان کے اس بروقت اقدام پر ...جو وقت کا اہم ترین تقاضا تھا... کوئی مسلمان داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لادِین عناصر اور اسلام دُشمن تنظیمیں، اسلام اور ملک دُشمنی میں نہایت تیزی سے سرگرمِ عمل ہیں، لیکن خاص کر یہودیت تو ابتداء سے آج تک اسلام کے متصادم چلی آرہی ہے، اور تعلیماتِ نبویؐ کی رُو سے بھی اسلام کو جتنا اس سے گزند پہنچ سکتی ہے شاید ہی کسی دُوسری کافر قوم سے اتنا اندیشہ ہو۔ چنانچہ اُس کی تائید حال ہی میں قرآنِ کریم کے خلاف ہونے والی اس صہیونی اور اسرائیلی یلغار سے ہوتی ہے کہ اسرائیل نے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے قرآنِ مقدس کی تحریف کی ناپاک جسارت کی ہے۔ یہ اور اس قسم کے دُوسرے کئی واقعات یہودیوں کی اسلام دُشمنی کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ جبکہ ”فری میسن“ بھی یہودیوں کی ایک تنظیم ہے جو مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلام اور ملک دُشمنی جیسے گھناؤنے جرم میں ملوّث تھی۔ ہم حکومتِ پاکستان کے اس جرأت مندانہ اقدام پر اسے نہایت صمیمِ قلب سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ گزارش بھی کریں گے کہ جہاں حکومت نے ”فری میسن تحریک“ پر پابندی لگاکر ان کے تمام املاک کو کسی معاوضہ دیئے بغیر ضبط کرلیا ہے، وہاں اسے مرزا غلام احمد قادیانی کی ملعون اُمت اور اس کے پیروکاروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہئے، کیونکہ بنیادی طور پر اسلام اور ملک دُشمنی میں یہ ...ملعون اُمت... یہودیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں، بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ یہودیوں سے کہیں زیادہ ضرر رساں ہیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف یہودیوں کے حلیف ہیں، بلکہ اس ...ملعون اُمت... کا ہر فرد، یہودیت کا جاسوس ہے۔ لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومتِ پاکستان کی جانب سے ان کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جاتی ہے بلکہ ماضی قریب کے چند سالوں میں ہونے والے واقعات سے بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکومت کی طرف سے ان کی سرپرستی کی جارہی ہے۔

چنانچہ گزشتہ دنوں گجرانوالہ میں جب علماء کے ایک وفد نے جنابِ صدر کی مرزائیوں کی چیرہ دستیوں اور بربریت کی طرف توجہ مبذول کرائی تو انہوں نے علماء کو اعتماد میں لینے کے بجائے ان کے جذبات کو مجروح کرتے ہوئے جواب دیا کہ:

''میں مرزائیوں کو سمندر میں پھینک دُوں؟''

بلاشبہ یہ ایک ایسا جواب ہے جو مسلمانوں سے بیزاری اور قادیانیت کے معاملے میں بے بسی اور جھنجھلاہٹ کی عکاسی کرتا ہے۔

ہم جنابِ صدر سے اتنی گزارش کریں گے کہ وہ ''مرزائیوں کو سمندر میں پھینکنے'' جیسے بڑے اقدام کے بجائے، اس ملعون اُمت کو اس کی ثابت شدہ ملک و ملت دُشمنی کی پاداش میں ''فری میسن تحریک'' کی مانند غیرقانونی قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کے تمام سرمائے کو ...جو مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتا ہے... بلاکسی معاوضہ دیئے ضبط کرکے حکومت کی تحویل میں دے دیں اور ان کے ساتھ وہ تمام سلوک روا رکھے جائیں جس کی ایک اسلام اور ملک دُشمن تنظیم مستحق ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور یہ صہیونی آلہ کار حسبِ سابق آزاد رہے تو بہت ممکن ہے کہ ان کے آہنی اور نوکیلے پنجے آنجناب کی ردائے اقتدار تک پہنچ جاویں۔

وما علینا الا البلاغ

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲ ش:۸، ۳ تا ۹ رشوال ۱۴۰۳ھ)

توہین آمیز خاکے
قادیانی سازش کا ڈراپ سین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ کئی ماہ سے مغرب اور مغربی ممالک، خصوصاً ڈنمارک کے ایک اخبار کی جانب سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص پر مبنی کارٹون کی اشاعت کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ اور دُنیا بھر کے مسلمان آتش زیرپا اور سراپا احتجاج ہیں کہ مغرب اور اقوامِ متحدہ ان انسان نما درندوں کے گلے میں پٹہ ڈالے اور ان کی باک زبانی کو لگام دے، ورنہ مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و حرمت کا بدلہ خود چکانے پر مجبور ہوں گے۔

بلاشبہ اُمتِ مسلمہ جو اَب تک مختلف جماعتوں، پارٹیوں اور ملکوں میں بٹی ہوئی تھی یا اختلافِ دیار، رنگ و زبان کے اختلاف یا تمدن و معاشرت کے اعتبار سے ایک دُوسرے سے کسی قدر بعید محسوس ہوتی تھی، مغرب کی اس دریدہ دہنی کی نفرت اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے نقطۂ اِتحاد پر متحد ہوگئی ہے۔

اب تک یہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ مغرب، مغربی اخبارات یا ڈنمارک کے گستاخ آرٹسٹ کو یہ جرأت ہوئی تو کیسے اور کیونکر؟ اور اس کے پس پردہ کیا عوامل اور اسباب و علل ہیں...؟

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے روزنامہ ''جنگ'' لندن کے نمائندے جناب ڈاکٹر

جاوید کنول کو، جنھوں نے روزنامہ ''جنگ'' لندن میں اپنے حوالے سے ایک خبر کی اشاعت سے اس حقیقت کا اظہار فرمایا اور بتلایا کہ بلاشبہ ڈنمارک کا بدنامِ زمانہ آرٹسٹ، اسلام دُشمن اور عیسائیت اور صلیب کا بچاری ہے، مگر اس کو اس گھناؤنے جرم پر اُکسانے یا اُس کو اِس گستاخی کرنے کی طرف متوجہ کرنے والے وہی مارِ آستین ہیں، جو گزشتہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ سے اُمتِ مسلمہ کے جذبات سے کھیلتے آرہے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے ہمیشہ سے انگریز کی چھتری اور انگریزی اقتدار کے سایہ میں رہ کر ختمِ نبوّت پر شب خون مارنے اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی عزّت و ناموس کو تار تار کرنے کی ناپاک کوششیں کیں اور اُمتِ مسلمہ کو نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے کاٹ کر ایک مخبوط الحواس شخص مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ جوڑنے کی سعی کی۔ بلاشبہ یہ اپنی جگہ بہت بڑا انکشاف اور اظہارِ حقیقت کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ چنانچہ اس خبر کی سب سے پہلی اشاعت روزنامہ ''جنگ'' لندن میں ۲/مارچ ۲۰۰۶ء کو ہوئی، اس کے بعد پاکستان کے دُوسرے کئی ایک معاصر اخبارات نے بھی اسے شائع کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روزنامہ ''جنگ'' لندن کی اس خبر کا متن یہاں درج کردیا جائے، جو یہ ہے:

''کوپن ہیگن (رپورٹ: ڈاکٹر جاوید کنول) ڈنمارک میں خفیہ ادارے کے ایک ذمہ دار آفیسر نے اپنا نام اور عہدہ صیغۂ راز میں رکھنے کی شرط پر کارٹون ایشو پر گفتگو کرتے ہوئے ''جنگ'' کو بتایا کہ ستمبر ۲۰۰۵ء میں احمدیوں کا سالانہ جلسہ ڈنمارک میں ہوا، جس میں احمدیوں کے مرکزی ذمہ داران نے شرکت کی۔ اس موقع پر قادیانیوں کے ایک وفد نے ڈینش وزیر سے ملاقات کے دوران جہاد کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ وہی اسلام کی حقیقی تعلیمات کے علم بردار ہیں اور ان کے نبی مرزا غلام احمد قادیانی (نعوذ باللہ من ذالک) نے

جہاد کو منسوخ قرار دے دیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلامی اَحکامات تبدیل کردیئے ہیں، اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کا عہد ختم ہوچکا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ان کی اس یقین دہانی پر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار صرف سعودی عرب تک محدود ہیں، ۳۰ر ستمبر کو ڈینش اخبار نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بارہ کارٹون شائع کئے، جن کا مرکزی نکتہ فلسفۂ جہاد پر حملہ کرنا تھا۔ اعلیٰ ڈینش افسر نے کہا کہ ہمیں جنوری کے آغاز تک اس بات کا یقین تھا کہ احمدیوں کا دعویٰ سچا تھا، کیونکہ جنوری تک سوائے سعودی عرب کے کسی اسلامی ملک نے ہم سے باقاعدہ احتجاج نہیں کیا تھا۔ او آئی سی کی خاموشی ہمارے یقین کو پختہ کر رہی تھی۔ اس ذمہ دار آفیسر نے اس نمائندے کو اس ملاقات کی ویڈیو ٹیپ بھی سنائی، جس میں ڈینش، اُردو اور انگریزی زبان میں گفتگو ریکارڈ تھی۔ دریں اثنا ''جنگ'' کے ایک سروے میں، جس میں تین دنوں کے اندر ۱۵۰۰ ڈینش لوگوں کے خیالات معلوم کئے گئے، یہ بات سامنے آئی کہ ۹۰ فیصد ڈینش لوگوں کے خیال میں ڈنمارک کے اخبار نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کارٹون شائع کرکے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ ۴۷ فی صد لوگوں کے مطابق اس مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ اہلِ اسلام ڈینش حکومت اور متعلقہ اخبار کی معذرت قبول کرلیں۔ جن لوگوں کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تھی، ان میں کاروباری افراد، طالب علم، سیاسی کارکنان، اخبار نویس، ٹیکسی ڈرائیور اور ملازمت پیشہ افراد شامل تھے۔ لوگوں کی اکثریت اَز خود یہ نکتہ سامنے لے کر آئی کہ چند ماہ

قبل جب جوتے بنانے والی ایک فرم نے اپنے جوتوں پر حضرت عیسیٰ ؑ کی تصویر شائع کی تو ڈینش حکومت نے ان جوتوں کی فروخت پر پابندی عائد کرکے فرم کو بند کردیا۔ اگر حضرت عیسیٰ ؑ کی تصویر پر یہ کارروائی ہوسکتی ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارٹون شائع کرنے پر متعلقہ اخبار کے خلاف کارروائی کیوں ممکن نہیں ہے؟ علاوہ ازیں ڈینش ٹیچرز یونین نے اپنے ایک اجلاس میں اتفاقِ رائے سے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ عیسائیت کے ساتھ اسلام کو بھی لازمی مذہبی تعلیم قرار دیا جائے تاکہ مستقبل کے ورثاء، اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کرسکیں۔ اس قرارداد کے مطابق دُنیا کو جنگ کے شعلوں سے بچانے اور اسے امن کا گہوارہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ نئی نسل کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔“

(روزنامہ ”جنگ“ لندن ۲؍مارچ ۲۰۰۶ء)

اس خبر کی اشاعت سے قادیانی ایوان اور قصرِ خلافت میں بھونچال اور زلزلہ برپا ہوگیا، تو مرزائی اُمت کے موجودہ سربراہ مرزا مسرور احمد نے اس خبر کو موضوع بنا کر اپنے خطبۂ جمعہ میں روزنامہ ”جنگ“ لندن اور اس کے نمائندے جناب ڈاکٹر جاوید کنول کو خوب کوسا اور اپنے تئیں یہ باور کرانے کی کوشش کہ یہ خبر سراسر جھوٹ اور افتراء ہے، اور اس سے دُنیا بھر میں ہماری بدنامی ہوئی ہے۔ موصوف نے اپنے آباء و اجداد کی رَوِش پر اپنے اُوپر خوب لعنتیں برسائیں اور ”کھسیانی بلی کھمبا نوچے“ کے مصداق روزنامہ ”جنگ“ لندن کو نوٹس بھیجا کہ اس خبر سے ہماری ساکھ اور شہرت کو نقصان پہنچا ہے، اس پر معذرت شائع کی جائے، ورنہ ہم ہرجانے کا دعویٰ کریں گے۔ قادیانی اُمت کے وکلاء نے اس موقع پر روزنامہ ”جنگ“ لندن کو جو نوٹس جاری کیا، قابلِ اعتماد ذرائع کے مطابق اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''ہم احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن یو. کے. اور اندرون و بیرون ملک میں احمدیہ مسلم کمیونٹی کے ۹ معروف ممبران کی جانب سے کام کرتے ہیں، جن میں یو.کے. ایسوسی ایشن کے صدر، سویڈش صدر اور سویڈن میں کنونشن برائے ۲۰۰۵ء کے مندوبین شامل ہیں۔

ہمارے مؤکل نے ڈاکٹر جاوید کنول کے ایک مضمون کے حوالے سے، جو روزنامہ جنگ کی ۲/مارچ ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں شائع ہوا، ہمیں ہدایت کی ہے، جس کی ایک نقل اُردو اور اس کے انگریزی ترجمے کے ہمراہ ساتھ منسلک ہے۔

اس مضمون میں الزام عائد کیا گیا ہے کہ احمدیہ مسلمانوں کا ایک وفد ڈینش حکومت کے وزیر سے بدنامِ زمانہ کارٹونوں کی ڈنمارک کے ایک اخبار میں اشاعت سے قبل ملا اور یہ کہ وہ کارٹونوں کی اشاعت کے براہِ راست ذمہ دار ہیں بوجہ وزیر کو اس یقین دہانی کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپؐ کا دور ختم ہو چکا (نعوذ باللہ) اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار سعودی عرب تک محدود ہیں۔

روزنامہ جنگ کے قارئین ان الزامات سے ہمارے مؤکل کے حوالے سے یہ سمجھیں گے کہ میرے مؤکل نے احمدیہ مسلم کمیونٹی کے ذمہ دار ممبران کی حیثیت سے ایسے حساس مسئلے یعنی کہ مبینہ وفد کی ڈینش حکومت کے وزیر سے ملاقات کا انتظام و انصرام کیا۔

یہ الزامات، جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے، اس شدید اور پُرتشدد عالمی اشتعال اور احتجاج کے درمیان شائع ہوئے، جو

بدنامِ زمانہ کارٹونوں کی اشاعت سے پیدا ہوا، اور یہ الزامات دانستہ اور جان بوجھ کر عائد کئے گئے تھے، تاکہ تمام مسلمانوں کو شدید ٹھیس پہنچائی جائے اور یہ کہ احمدیہ مسلم کمیونٹی کے خلاف، بالخصوص میرے مؤکل کے خلاف اشتعال دِلایا جائے اور خطرناک دُشمنی پیدا کی جائے۔

یہ الزامات شدید ترین ہتک عزّت ہیں، درحقیقت یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اب تک شائع ہونے والی یہ سب سے بڑی، اشتعال انگیز ہتک عزّت ہے، اور یہ دانستہ ہے تاکہ امن و امان کا مسئلہ پیدا کیا جائے، جو ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے قانون نے ہمیشہ انتہائی اہمیت سے نمٹا ہے۔ رفعِ شبہ کے لئے مضمون کا ہتک آمیز مفہوم یہ ہے کہ:

ا:... ایک خفیہ میٹنگ میں مسلمانوں کے حقیقی عقائد کے حوالے سے ہمارے مؤکل نے ڈنمارک کی انتظامیہ کو جان بوجھ کر دھوکا دیا۔

۲:... ہمارے مؤکل نے کارٹونوں کی اشاعت کروائی جو کہ مسلمانوں کے لئے شدید اشتعال انگیز تھے اور یوں وہ اس کے نتیجے میں دُنیا بھر میں ہونے والے پُرتشدد احتجاج کے مجرمانہ طور پر ذمہ دار ہیں۔

۳:... ہمارے مؤکل جو کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اچھے مسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، فریبی اور منافق ہیں، کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپؐ کا دور اَب ختم ہوچکا۔

یہ الزامات مکمل طور پر خود تراشیدہ ہیں، جیسا کہ

روزنامہ جنگ واضح طور پر جانتا ہے یا اسے جان لینا چاہئے تھا۔ بدنامِ زمانہ کارٹونوں کی اشاعت سے قبل ڈینش وزیر سے کوئی وفد نہیں ملا، جیسا کہ آپ نے الزام عائد کیا ہے، اور آپ بلا کسی شک وشبہ کے جانتے ہیں کہ جو عقائد آپ نے ہمارے مؤکل کی طرف منسوب کئے ہیں، وہ توہین آمیز ہیں۔

درحقیقت ہمارے مؤکل ایک ڈینش وزیر سے سوئیڈن میں ایک کھلے عام استقبالیہ میں ملے ہیں، جس کی فلم بندی کی گئی، البتہ جس گفتگو کا آپ نے الزام عائد کیا ہے، وہ وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ مزید براں ہمارے مؤکل ڈینش انتظامیہ سے کارٹونوں کی اشاعت کے بعد ملے، جس کا مقصد انہیں انتہائی اشتعال انگیز مواد کی اشاعت پر معافی مانگنے پر آمادہ کرنا تھا۔

آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے نمائندہ کو ایک ڈینش انٹیلی جنس افسر نے مبینہ میٹنگ کی ایک ویڈیو ٹیپ دِکھائی ہے۔ یہ مکمل طور پر حماقت انگیز اختراع ہے۔ ہم آپ کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر آپ اس جھوٹ پر قائم ہیں کہ: یہ ایک حقیقت ہے، تو یہ ویڈیو پیش کریں۔

یہ کہانی ایک نفرت انگیز، گمراہ کن اختراع ہے۔ احمدی مسلمان، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، دُنیا بھر میں جبر کا شکار ہیں اور اکثر و بیشتر تشدّد کا نشانہ بنتے ہیں۔ اس اشاعت نے کئی ملین کو شدید حملوں کے نشانہ پر رکھ دیا ہے۔ یہ ہمارے مؤکل کے لئے انتہائی توہین آمیز ہے اور اس کا ان کی شہرت پر بُرا اثر پڑے گا۔

ہم نے اپنے مؤکل کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ہرجانے کے

اہل ہیں، تا کہ ان کی شہرت برقرار رہے، اور وہ ہائی کورٹ میں مقدمے کی سماعت سے نہیں ہچکچائیں گے۔ آپ کو اس بارے میں کسی شک و شبہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ: کورٹ کو اتنے اختیارات حاصل نہیں کہ اس طرح کی صحافتی غلطی پر کچھ کر سکے اور اس کو یقینی بنائے کہ ایسا دوبارہ نہ ہو۔ ہم انتہائی پُراعتماد ہیں کہ عدالت اپنے اختیارات کے آخری حد تک استعمال سے قطعاً نہیں ہچکچائے گی۔

مگر ہمارے مؤکل کی موجودہ ترجیح خبر سے فوری دست برداری اور مکمل طور پر معافی چاہنا ہے۔ اس سلسلے میں اگر آپ قانونی چارہ جوئی سے بچنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ:

۱:... روزنامہ جنگ کے اگلے ایڈیشن میں اُردو سرورق کے بالائی نصف حصہ میں متفقہ الفاظ میں خبر سے دست برداری اور معذرت نمایاں طور پر ایسی سرخی اور فونٹ میں شائع کریں جو اس صفحے پر شائع ہونے والی کسی اور خبر سے چھوٹی نہ ہو۔ ہم جلد ہی وہ الفاظ بھجوائیں گے جو ہمارے مؤکل کو قابلِ قبول ہوں گے۔

۲:... یہ ذمہ داری لیں کہ یہ الفاظ یا اس سے ملتے جلتے الزامات جن پر شکایت ہوئی، انہیں نہیں دُہرائیں گے۔

۳:... ہمارے مؤکل کو جن قانونی اخراجات کی ادائیگی پر مجبور ہونا پڑا، اس کا ہرجانہ ادا کریں۔

اگر ہمیں یہ یقین دہانی نہ ملی کہ آپ سات دن کے اندر اس مطالبے پر متفق ہوں گے، تو ہم توقع کرتے ہیں کہ ہمیں قانونی چارہ جوئی کی ہدایت ملے گی تا کہ ہم انہیں عدالت میں لائیں۔“

”جنگ گروپ“ کے مالکان، مدیران اور ذمہ داران ابھی اس پر غور و فکر اور

اپنے وکلاء سے صلاح ومشورے میں مصروف تھے کہ دُنیا بھر کے مسلمانوں اور ''جنگ'' کے قارئین کو اس صورتِ حال کا علم ہوگیا اور انہوں نے روزنامہ ''جنگ'' کے مالکان و مدیران کو اپنے ہزاروں فونوں، فیکس اور ای میل کے ذریعہ اس پر مجبور کیا کہ روزنامہ ''جنگ'' اس حقیقت کے اظہار پر کسی قسم کی کوئی کمزوری اور معذرت کا اظہار نہ کرے، پوری مسلمان برادری اس سلسلے میں ان کے ساتھ ہے۔

یہ معاملہ ابھی تک زیرِغور تھا، مشورے جاری تھے اور صورتِ حال واضح نہیں ہوئی تھی کہ ''احمدی ڈاٹ آرگ'' ویب سائٹ کے جناب شیخ احمد کریم نے روزنامہ ''جنگ'' کے نمائندہ جناب ڈاکٹر جاوید کنول سے رابطہ کر کے مرزا مسرور احمد کے غیظ و غضب سے بھرپور خطبہ جمعہ کے حوالے سے اس خبر کی صداقت اور حقائق کی تصدیق پر ان سے ایک مفصل انٹرویو لیا۔ چنانچہ انہوں نے سوال و جواب پر مشتمل اس انٹرویو کو اپنی ویب سائٹ احمدی ڈاٹ آرگ پر اَپ لوڈ کردیا، جو قارئین کی دِلچسپی کے لئے یہاں اسی ویب سائٹ کے حوالے سے پیش کیا جارہا ہے:

''تحریکِ احمدیہ کے پانچویں گدّی نشین مرزا مسرور احمد نے اپنے خطبۂ جمعہ مورخہ ۳؍مارچ ۲۰۰۶ء میں جنگ اخبار کی ایک خبر کو اپنا مرکزی موضوع بنا کر ایک بار پھر ۱۹۷۴ء جیسے حالات پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

مسرور احمد صاحب نے اپنے خطبے میں جنگ اخبار کے رپورٹر سے مطالبہ کیا ہے کہ: ''یہ خبر جھوٹی ہے اور سراسر جھوٹ ہے'' اور میں (مسرور) لعنت اللہ علی الکاذبین کہتا ہوں، اگر تم سچے ہو (یعنی اگر خبر سچی ہے) تو تم یہی الفاظ دُہرا دو، لیکن کبھی نہیں دہراسکتے۔'' (مسرور!)

کیا جنگ اخبار کے رپورٹر سچے ہیں؟ کیا وہ (یہ) الفاظ دُہرائیں گے؟ آیئے پڑھتے ہیں ڈاکٹر جاوید کنول صاحب

کی گفتگو شیخ احمد کریم صاحب آف احمدی آرگ کے ساتھ۔ اے ایس خان!

✡ کریم شیخ:... جاوید صاحب! سب سے پہلی بات: کیا آپ جنگ اخبار کے لئے صرف اٹلی کے نمائندے ہیں یا یورپین یونین کے؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... میں جنگ اخبار، جیو نیوز دونوں کا نمائندہ ہوں، بلجیم اور ہالینڈ کے علاوہ تمام یورپین اور سکینڈرے نیوین ممالک میں بھی مجھے کوریج کے لئے بھیجا جاتا ہے۔

✡... ہماری یہ گفتگو آپ سے توہین آمیز خاکوں، جماعت احمدیہ اور مرزا مسرور احمد صاحب کے حالیہ خطبۂ جمعہ کے حوالے سے ہوگی، جو انہوں نے آپ کی خبر کے حوالے سے مورخہ ۳؍مارچ ۲۰۰۶ء کو لندن، یو کے میں دیا، اور اس میں آپ پر یہ الزام لگایا کہ آپ نے جھوٹی خبر لکھی اور جنگ اخبار نے اس جھوٹ کو چھاپ کر پھیلایا، کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے یہ جھوٹی خبر اپنے اخبار کو شائع ہونے کے لئے دی؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... سب سے پہلے تو میں کہتا ہوں کہ ''جھوٹے پر خدا کی سو بار لعنت'' اور پھر آتا ہوں آپ کے سوال کی طرف، کہ یہ گدّی نشین حضرت (مسرور) کن احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں؟ آپ ان کا خطبہ غور سے سنیں یا پڑھیں تو ان کا تضاد ان کے بیان سے صاف نظر آتا ہے، پورے خطبے میں جو بات کرتے ہیں، اسی کی خود نفی کرتے ہیں، ایک طرف کہتے ہیں: میں کسی سے نہیں ملا۔ دُوسری طرف کہتے ہیں: میری ریسیپشن (استقبالیہ) میں ڈینش وزیر اور اخبار نویس شامل تھے،

جب میں یہ لکھتا ہوں تو اسے جھوٹ کہتے ہیں، جب خود اقرار کر رہے ہیں تو سچ ہے، اس سے ان کا اپنا جھوٹ ظاہر ہوتا ہے، نہ کہ میرا۔

✡... کیا واقعی آپ کی ملاقات ڈنمارک کے خفیہ ادارے کے کسی افسر سے ہوئی تھی؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... جی ہاں! ہوئی تھی۔

✡... کیا آپ اس افسر کا نام بتاسکتے ہیں، جس نے آپ کو مطلوبہ معلومات فراہم کیں؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... میں معذرت خواہ ہوں، میں نام نہیں بتاسکتا، یہ بات ہمارے اُصول اور پیشے کے خلاف ہے۔

✡... اگر نہیں بتاسکتے تو کیا خبر کی سچائی کے لئے، جیسا کہ مرزا مسرور صاحب نے آپ سے اپنے خطبۂ جمعہ میں تقاضا کیا ہے، کہ اگر یہ سچ ہے تو آپ بھی یہ الفاظ دُہرا دیں: ''لعنت اللہ الکاذبین'' کیا آپ دُہرائیں گے؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... شیخ صاحب! یہ خبر، یہ ملاقات اسی طرح سچ ہے جیسے میری آپ سے بات ہو رہی ہے، جھوٹے پر میں اُردو میں تو پہلے ہی لعنت بھیج چکا ہوں، اب عربی میں ایک نہیں دس بار کہتا ہوں: ''لعنت اللہ الکاذبین''۔ شیخ صاحب! اب آپ مجھے بتائیں کہ مسرور صاحب نے کہا کہ: میں نہیں دُہرا سکتا، دُوسرے اگر سچا ہوں گا تو تبھی دُہراؤں گا، تو میری سچائی تو ظاہر ہوچکی، کیونکہ میں نے دس بار دُہرا دیا ہے۔

✡... آپ نے خبر میں لکھا ہے کہ مسرور صاحب کی ملاقات کی ویڈیو ٹیپ ہے اور اس میں اُردو، انگریزی اور ڈینش

زبانوں میں گفتگو ہے، کیا آپ وہ ٹیپ اپنی سچائی کے طور پر پیش کر سکتے ہیں؟ جیسا کہ مسرور صاحب نے کہا ہے کہ اگر آپ سچے ہیں تو انہیں بھی دِکھا دیں؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... شیخ صاحب! یہاں پر میں تھوڑی سی تصحیح کرنا چاہوں گا کہ کتابت کی غلطی سے ''آڈیو'' کی بجائے ''ویڈیو'' لکھا گیا ہے، مجھے آڈیو ٹیپ سنائی گئی تھی، نہ کہ ویڈیو۔ رہ گئی پیش کرنے یا مسرور صاحب کو سنانے کی بات، تو وہ ٹیپ میرے پاس نہیں ہے اور نہ میری ملکیت ہے، مسرور صاحب کو چاہئے کہ عدالت میں چلے جائیں اور عدالت مجھے اپنی خبر کا ذریعہ بتانے کا حکم نامہ جاری کرے تو میں اس آفیسر کا نام عدالت کو بتادُوں گا، پھر عدالت اس سے وہ ٹیپ حاصل کر کے خود سن لے گی۔

شیخ صاحب! میں آپ کو ایک بات بتا دیتا ہوں کہ مسرور صاحب خود کو Guilty (قصوروار) محسوس کر رہے ہیں، ورنہ اس قسم کی پیش بندیاں نہ کرتے، میں نے جو ٹیپ میں ان کے خیالات سنے ہیں، وہ کسی بھی مسلمان کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ انہوں نے مرزا غلام احمد صاحب اور اپنے آپ کو اسلام کے نمائندے کے طور پر حکومت ڈنمارک کے سامنے پیش کیا ہے اور جہاد کی جس طرح سے تصویرکشی کی تھی، یہ کارٹون اسی کا نتیجہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسرور صاحب اگر سچے ہیں، اگر انہوں نے اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کی تو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ڈنمارک کے وزیر برائے امیگریشن کے ساتھ اپنی ملاقات، جس میں انہوں نے اسلام کے عقائد اور جہاد کی جو تصویر پیش کی،

(وہ) خود دُنیا کو بتا دیں، پھر سچ سب کے سامنے آجائے گا۔

✡...کیا آپ یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ مسرور صاحب ''ایک تیر سے دو شکار'' کرنا چاہ رہے ہیں؟ ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو اسلام کے نمائندے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور دُوسری طرف اپنے بیانات سے خود مسلمان کو بھڑکاتے ہیں کہ وہ احمدیوں پر حملہ آور ہوں؟ اور یہ جہاں مغربی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کریں، وہاں احمدیوں کے لئے مفادات حاصل کریں اور اپنے آپ کو مظلوم ثابت کریں؟

ڈاکٹر جاوید کنول:... شیخ صاحب! آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی، مسرور صاحب کے خطبے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایشو کو زندہ رکھنے کے لئے کوئی بھی قدم اُٹھاسکتے ہیں، آپ خود دیکھیں کہ احمدی پوری آزادی کے ساتھ پاکستان میں رہ رہے ہیں، احمدیوں کی سب سے زیادہ تعداد پاکستان میں ہے، مسرور صاحب کو مغربی ممالک میں اپنے مادّی مفادات کے لئے احمدیوں پر حملے اور مظالم کی ضرورت ہے، جس کی خاطر انہوں نے یہ خطبہ دیا تاکہ مسلمان بھڑک اُٹھیں اور ملک میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوجائیں اور مسرور صاحب جیسے لوگ اپنے مفادات حاصل کرتے ہوئے بے گناہوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھاتے چلے جائیں۔

شیخ صاحب! میرے مسرور صاحب سے ایک، دو سوال ہیں، وہ ان کا کیا جواب دیں گے؟ مجھے یقین ہے کہ وہ جواب نہیں دیں گے، کیونکہ وہ جھوٹے ہیں، اگر رتی بھر بھی سچے ہوں گے تو جواب دیں گے، جیسے میں نے دیئے ہیں۔

سوال۱:... مسرور صاحب وزیر برائے امیگریشن آف ڈنمارک اور وہاں کے اخبار نویسوں کے ساتھ آپ کی ملاقات نہیں (ہوئی)؟ جو ہوئی ہے (تو) کیا آپ اس کی تفصیل بتانا پسند کریں گے؟

سوال۲:... مسرور صاحب! کیا آپ نے ڈینش وزیر اوراخبار نویسوں کو یہ نہیں کہا کہ اب جہاد منسوخ ہو چکا ہے؟

سوال۳:... مسرور صاحب! کیا آپ نے ڈینش وزیر اور ڈینش اخبار نویسوں سے یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں اور احمدیوں کے عقائد مختلف ہیں؟ اور احمدی ہی اسلام کے نمائندہ ہیں؟

سوال۴:... مسرور صاحب! کیا آپ نے جہاد کی ایسی تصویر کشی نہیں کی جس سے مسلمان جنگجو اور دہشت گرد ثابت ہوں؟ کیا آپ کی گفتگو کے نتیجے میں ڈینش میڈیا کے خیال میں ایسے خاکے نہیں اُبھرے جو بعد میں توہین آمیز خاکوں کی شکل میں ڈنمارک کے ایک اخبار نے شائع کئے؟

سوال۵:... کیا آپ کی جانب سے بطور گدّی نشین، خاکوں پر مذمتی یا احتجاجی بیان جاری کیا گیا؟

کیا مسرور صاحب میرے ساتھ یہ الفاظ دُہرائیں گے کہ یہ سب جھوٹ ہے، ایسا کچھ نہیں ہوا، اور جھوٹے کے لئے میں کہتا ہوں ”لعنت اللہ الکاذبین“۔ مسرور صاحب! اب آپ اپنے MTA (ٹی وی چینل) پر یہی الفاظ دُہرا دیں، اگر یہ نہیں کہا گیا؟

✡... ڈاکٹر جاوید صاحب! آپ کا ہم سے بات کرنے کا شکریہ، آپ کا موقف اور سوالات ہم احمدی ڈاٹ

آرگ پر لگا دیں گے، اب مرزا مسرور احمد صاحب کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اللہ حافظ!

ڈاکٹر جاوید کنول:...شیخ صاحب! آپ کا بھی شکریہ کہ مجھے موقع دیا کہ میں مسرور صاحب کی دروغ گوئی اور اپنی سچائی بیان کرسکوں۔ (شیخ احمد کریم)''

(ویب ماخذ: احمدی ڈاٹ آرگ)

جناب ڈاکٹر جاوید کنول کے اس انٹرویو اور بات چیت کے مطالعے کے بعد جہاں روزنامہ ''جنگ'' لندن کے مالکان اور مدیران کے لئے صورتِ حال آسان ہوگئی ہے، وہاں جناب ڈاکٹر جاوید کنول صاحب کی خبر کی صداقت بھی دلائل و براہین سے منقح ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرزائی اُمت کی اسلام دُشمنی اور ان کا کذب وافترا، مکروہ چہرہ اور اسلام دُشمنی بھی کھل کر سامنے آگئی ہے۔

مرزائی لاکھ جان چھڑائیں، مگر وہ اپنے باوا مرزا غلام احمد قادیانی کی ان عبارتوں کا کیا کریں گے جن میں اس نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو بے نقط سنائی ہیں...؟

آج اگر وہ ڈنمارک کے بدنامِ زمانہ آرٹسٹ کے توہین آمیز کارٹون کی غلاظت کو اپنے اُوپر سے ہٹانے کی کوشش بھی کریں، لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے منسوخیٔ جہاد، جہاد کو دہشت گردی کا نام دینے، اسلامی شریعت کو منسوخ کرنے، اپنے آپ کو ہی مسلمان باور کرانے اور پوری اُمتِ مسلمہ کو کافر قرار دینے کی ہرزہ سرائیوں کا کیا جواب دیں گے...؟

مرزائیو! آگے بڑھو اور کھل کر میدان میں آؤ، تمہیں کتے کی طرح چھپ کر وار کرنے کی ضرورت نہیں، اُمتِ مسلمہ تمہیں اور تمہارے کالے کرتوتوں کو خوب اچھی طرح جانتی ہے، تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے آقاؤں کی گود میں اور شیشے کے گھر میں بیٹھ کر اُمتِ مسلمہ کے مضبوط قلعے پر سنگ باری کروگے اور تم بچ جاؤ گے...؟

تم آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین و تنقیص کر کے صفائی سے بچ جاؤ گے، ہرگز نہیں...!

اللہ تعالیٰ نے تمہاری ذِلت کا فیصلہ فرمالیا ہے، تم اپنے شکاری کتوں کو چاہے کتنا ہی آگے کرو، مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ ڈور کہاں سے ہل رہی ہے، اور ناموسِ رسالت پر پھینکے جانے والے ہر پتھر کے بارے میں ہم یہ ادراک رکھتے ہیں کہ یہ کہاں سے آرہا ہے۔

بلاشبہ جناب ڈاکٹر جاوید کنول کا یہ تجزیہ سو فی صد صحیح اور دُرست ہے کہ قادیانی اس سازش سے دُوہرا فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں، ایک طرف وہ اپنے آپ کو معصوم بنا کر مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بچنا چاہتے ہیں، اور دُوسری طرف وہ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دہشت گرد باور کرا کر دُنیائے کفر کو ان کے مقابلے میں لانا چاہتے ہیں۔

جبکہ قادیانیت کے لئے اس حکمتِ عملی کا مفید ترین پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کی اس غلاظت و شرارت کا علم ہوجائے اور وہ ان کے خلاف کوئی اقدام اُٹھائیں تو اس کی بنیاد پر قادیانی اپنے آپ کو مظلوم بنا کر اقوامِ متحدہ اور انسانی حقوق کی تنظیموں کا دروازہ کھٹکھٹا کر یہودیوں کی طرح اپنے لئے ''ہولوکاسٹ'' کا قانون بنوانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

لیکن بحمداللہ! اب مسلمان تمہاری اور تمہارے آقاؤں کی سازشوں کو بھانپ چکے ہیں وہ تمہیں ہرگز معاف نہیں کریں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل
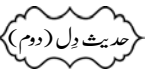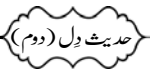
حالاتِ حاضرہ

آسام کے مسلمانوں کا قتلِ عام
اور
مسلمانوں کی بے حسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

کفر و اسلام روزِ اوّل سے ایک دُوسرے کی ضد، اور مسلم و کافر آپس میں حریف رہے ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

کچھ یہی کیفیت آج کل ہندوستان کے صوبہ آسام کی ہے، چنانچہ گزشتہ کئی ہفتوں سے آسام میں مسلم کش فسادات کی خبر کوئی مرتبہ پاکستانی اخبارات کی شہ سرخی بنتے دیکھا گیا، اور اخباری اطلاعات کے مطابق آسام میں بے گناہ بنگالی مسلمانوں کو سات مرتبہ اس اندوہناک منظر کا سامنا ہوا، مگر حال ہی میں لکھم پور کے ہندو قبائلیوں نے تو ظلم و بربریت کی حد کردی، دُوسری جانب انتظامیہ نے جس طرح عالمی قانون کی دھجیاں بکھیر کر جانب داری کا مظاہرہ کیا، نئی دہلی کے لئے نہایت شرمناک ہے۔ اس میں نہتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، شتیلہ اور صابرہ کی داستان دہرائی گئی، اور ہیروشیما کا سماں پیش کیا گیا، جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان شہید اور لاکھوں بے گھر ہوگئے، یہاں تک کہ شیرخوار بچے اور بچیاں بھی فرقہ پرستی کی آگ کا

ایندھن بنادیئے گئے، لیکن انتظامیہ اور فوج کئی روز بعد اس وقت پہنچی جب مذہب پرست مظلوم مسلمانوں کی لاشیں مسخ ہوچکی تھیں۔ یہ نکتہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو ملک ایک طرف غیر جانبدار سربراہ کانفرنس کراتا ہے، آخر دُوسری جانب وہ خود اس کی خلاف ورزی میں ملوّث ہوکر اپنے مہیب عزائم کی کیونکر نقاب کشائی کرتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کانفرنس کو وکیلِ صفائی کے طور پر پیش کرکے اپنے مذموم اور پوشیدہ عزائم کی تکمیل مقصود ہو! چنانچہ ساتویں غیر جانبدار کانفرنس میں مسز اندرا گاندھی کو یہ جب اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان حکمران اس پر احتجاج نہ کر بیٹھیں تو انہوں نے حفظِ ما تقدم کے پیشِ نظر یہ اعلان کردیا کہ یہ ہمارا داخلی مسئلہ ہے۔ جبکہ بین الاقوامی قانون کے تحت ہر ملک اپنی اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے، ایسے ہی بھارت میں مسلم اقلیتوں کے حقوق کی ذمہ داری بھارت پر ہے، لیکن اس کو داخلی مسئلہ کہہ کر ٹال دینا کیونکر باعثِ اطمینان ہوسکتا ہے؟ لیکن داد دیجئے مسلم سربراہان کی سرد مہری کی کہ ان میں سے کسی نے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی کے اظہار میں دوحرف کہنے کی زحمت گوارا نہیں کی، اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی، نہ معلوم وہ کیونکر مسز اندرا گاندھی کے اس فقرے سے مطمئن ہوگئے؟

"الکفر ملّةٌ واحدة" کے تحت اگرچہ تمام غیر مسلم اسلام دُشمنی میں برابر ہیں، مگر واجپائی (سابق وزیر خارجہ) مسلمانوں کی مظلومیت کی کھلی کتاب دیکھ کر یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے کہ: "مسلح پولیس، فسادیوں کے ساتھ مل کر مجرمانہ کاروائیوں میں مصروف ہے۔" بالآخر اس سے ہندو قبائلیوں کے ساتھ تشدّد و بربریت پر خاموش تماشائی بن کر نہ رہا گیا، اور انہوں نے آسام میں ہنگاموں کی تحقیقات کے لئے کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ پیش کردیا۔ مگر دُوسری طرف ۹۰ کروڑ مسلمانوں اور دیگر تمام مسلم سربراہان نے اس کی طرف توجہ دینے اور صدائے احتجاج بلند کرنے کو شاید ضیاعِ وقت سمجھا، آخر اتنی بے حسی کیوں...؟ حالانکہ اسلام، کفر کے مقابلے میں

مسلمانوں کو نرمی اور مداہنت کے بجائے شدّت اور سختی کا حکم دیتا ہے: ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ'' (مسلمانوں کی ایک صفت یہ ہے کہ: وہ کافروں پر نرمی کے بجائے سختی سے کام لیتے ہیں)۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو لوگ مفسدہ پردازوں کی گوشمالی کرتے ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے۔''

آخر میں یہی گزارش کریں گے کہ اس تمام تر فساد کی ذمہ داری، بھارت پر عائد ہوتی ہے، جس کے لئے اقوامِ متحدہ اور اُمہ امن کمیٹی کے ذریعہ بھارت پر دباؤ ڈال کر بے گناہ بنگالی مسلمانوں پر ہونے والے اس جبر و تشدّد کا انسداد مسلم سربراہوں کا دِینی اور ملّی فریضہ ہے۔ نیز ہم جناب صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق سے بھی اس سلسلے میں یہی گزارش کریں گے کہ وہ مسلم اقلیتوں کے حقوق کی بحالی کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

خدا کرے ہماری یہ عرض داشت صدا بہ صحراء نہ ہو۔

وما علینا الا البلاغ

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۲، ۱۶ تا ۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ)

انتخابات اور ہماری ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

جنابِ صدر نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کی تاریخوں کا اعلان کر کے عوامی اور سیاسی حلقوں میں پائی جانے والی بے چینی اور شکوک وشبہات کا ازالہ کردیا ہے۔ چونکہ مئی ۱۹۷۷ء سے تاحال سیاسی سرگرمیاں تعطل کا شکار تھیں، جس سے بجا طور پر اربابِ سیاست کو شکایت اور ناراضی کا حق تھا۔ مگر اب جبکہ جنابِ صدر نے غیرجانبدارانہ انتخابات کے انعقاد کا اعلان کردیا ہے، اس سے بائیکاٹ کرنا قرینِ عقل و قیاس نہیں، بلکہ نفاذِ اسلام کے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ جنابِ صدر کے انتخابی پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کیا جائے، کیونکہ نظامِ اسلام کے نفاذ کی جو ذمہ داری صدرِ مملکت پر عائد ہوتی تھی اب وہ عوام کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔

جہاں تک صدرِ مملکت کے اختیارات کا تعلق ہے، انہوں نے ممکنہ حد تک وہ تمام پابندیاں لگادی ہیں جن سے نااہل افراد کم سے کم آگے آسکیں گے، آگے یہ ذمہ داری عوام کی ہے، کہ وہ اپنی نمائندگی کے لئے کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے صحیح معنی میں اِمارت کا اہل ... یعنی قرآن وسنت کے قوانین سے واقف ہو... اور نیک کردار کا حامل ہو، تاکہ وہ مسلم عوام کی توقعات پر پورا اُتر سکے۔ گویا یہ

پاکستان کی تقدیر بدلنے کا سنہری موقع ہے۔ اگر اس میں غفلت، سستی اور کاہلی سے کام لیا گیا تو نہ صرف یہ کہ اسلام دُشمن عناصر کو ملک وملت کی بقاء سے کھیلنے کا موقع مل جائے گا، بلکہ اس کا وبال ہمارے سروں پر ہوگا، جو یقیناً ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے، جسے آئندہ نسلیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ ضروری ہے کہ بیدار مغزی اور فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے حقِ رائے دہی کو ...جو ہمارے پاس ایک امانت ہے... دِین و ایمان اور ملک وملت کی سالمیت کے لئے کسی ایسے شخص کے حق میں استعمال کیا جائے جو صحیح معنی میں اس کا مستحق ہو۔

پھر اگر عوام فرض شناسی کے جذبے سے ملک وملت کی متاعِ عزیز کو داؤ پر نہ لگائیں اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کے پروگرام کو ضروریاتِ زندگی کا ایک حصہ قرار دیں تو یقیناً ان کی اس دِلچسپی کے نتیجے میں دھونس، دھاندلی اور دولت وثروت کو معیار بنانے کے بجائے اُمیدواروں کی ذاتی صلاحیت اور سیرت و کردار کی بنیاد پر ووٹ دیئے جائیں گے، جو یقیناً پاکستان اور اہالیانِ پاکستان کے حق میں نہ صرف مفید ہوگا، بلکہ یہ ان سیاسی مہروں کے لئے بھی تازیانۂ عبرت ثابت ہوگا جو پاکستان میں نفاذِ اسلام کے عمل کو ناکامی سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ جنابِ صدر، آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعہ نفاذِ اسلام کے عمل کو مکمل کرکے بے یقینی اور شکوک وشبہات کی حالیہ صورتِ حال کا خاتمہ فرمادیں گے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ شمارہ:۳۲، ۴ تا ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ)

بنگلہ دیش میں سمندری طوفان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ دنوں برادر اسلامی ملک بنگلہ دیش میں قیامت خیز سمندری طوفان آیا، جو تباہی اور ہلاکت خیزی میں بنگلہ دیش میں آنے والے سمندری طوفانوں کی تاریخ کا بدترین طوفان تھا، جس سے کئی ایک جزیرے، شہر اور ہزاروں دیہات مکمل طور پر غرق ہوگئے۔

اس طوفانِ ہلاکت خیز سے ہونے والی تباہی کے ابھی تک کوئی صحیح اعداد و شمار حاصل نہیں ہوئے، البتہ طوفان کے بعد سے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے کسی حد تک اس کی تباہی اور غیرمعمولی پن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس سلسلے میں روزنامہ ''جنگ'' کراچی کی خبروں کے چند تراشے ملاحظہ ہوں:

۱:... ''۲۳۵ کلومیٹر کی رفتار سے آنے والے طوفان نے چٹا گانگ اور اس کے قریبی اضلاع کو تباہ و برباد کردیا، جس سے لاکھوں گھر تباہ ہوگئے۔ چٹا گانگ کی بندرگاہ کو شدید نقصان پہنچا، کئی بحری جہاز ڈُوب گئے یا اُلٹ گئے، ہوائی اَڈّے ناقابلِ استعمال ہوگئے، کئی جزیرے مکمل طور پر ڈُوب گئے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی یکم مئی ۱۹۹۱ء)

۲:... ''سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف چاٹگام

کے علاقے میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد ہلاک ہوچکے ہیں، طوفان سے ایک کھرب ڈالر کا نقصان ہوا ہے، بے گور وکفن لاشوں کی تدفین کے لئے خشک زمین نہیں مل رہی، اندیشہ ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی لاشوں کے گلنے اور سڑنے کے بعد کئی بیماریاں پھیل جائیں گی۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی ۴رمئی ۱۹۹۱ء)

۳:... "منگل کو قیامت خیز سمندری طوفان اور سیلاب کے پانچ روز بعد مزید طوفان سے صورتِ حال حکام کے قابو سے باہر ہوگئی، سرکاری طور پر مرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار چھیاسی ہوگئی ہے، غیرسرکاری طور پر بتایا گیا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کرگئی ہے۔"

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۵رمئی ۱۹۹۱ء)

۴:... "بنگلہ دیش کے دوشہروں ڈھاکہ اور چاٹگام کے شمال میں ایک اور طوفان اُٹھا جس کی رفتار ۶۰ کلومیٹر فی گھنٹہ تھی، اطلاعات کے مطابق شہر کا ۷۵ فیصد حصہ تباہ ہوگیا اور وسیع پیمانے پر تباہی آئی۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی ۶رمئی ۱۹۹۱ء)

۵:... "بنگلہ دیش میں دوبارہ سمندری طوفان سے مزید دوسو افراد ہلاک، ملک کی واحد ریفائنری بند اور تیل کے دو ٹینکر ڈُوب گئے، روزانہ ہزاروں لوگ مارے جارہے ہیں، اور ایک کروڑ افراد بے گھر ہوچکے ہیں۔"

(روزنامہ "جنگ" کراچی ۷رمئی ۱۹۹۱ء)

۶:... "ڈھاکہ میں بھی شدید طوفان دوسو افراد ہلاک، ایک ہزار سے زیادہ زخمی، سینکڑوں مکانات تباہ ہوگئے اور بجلی کی ٹرانسمیشن لائنیں گرگئیں۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی ۸رمئی ۱۹۹۱ء)

اس کے علاوہ بھی چھوٹے بڑے کئی ایک طوفان وقفے وقفے سے آرہے ہیں، اور مزید قیمتی جانیں لقمۂ اَجل بن رہی ہیں، نامعلوم یہ سلسلہ کب تک چلتا ہے؟

یہ سیلاب کیا تھا، ایک عذاب تھا، جو بنگلہ دیش کی عوام پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑا، لاکھوں جانیں اور کروڑوں کی املاک آناً فاناً تباہ ہوگئیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے کھاتے پیتے گھرانے، نادار، مفلس اور بے گھر ہوگئے۔

''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کے مصداق اس کی سنگینی کا صحیح اندازہ تو ان ہی حضرات کو ہوگا جن کے سروں پر یہ قیامت ٹوٹی ہے۔

اس عذابِ الٰہی میں جہاں ہماری بداعمالیوں کا دخل ہے، وہاں سب سے بڑھ کر اس کا سبب بنگلہ دیش کی نسوانی قیادت ہے، یہ اسی کی نحوست ہے کہ بنگلہ دیش کی تاریخ میں پہلی بار اتنی بڑی تباہی اور بربادی ہوئی کہ ایک ہی جھونکے میں دس لاکھ سے زیادہ افراد لقمۂ اَجل بن گئے اور ملکی معیشت راتوں رات دیوالیہ ہوگئی اور کروڑوں افراد بے گھر ہوگئے۔

شومیٔ قسمت کہ جس خطے کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اسی خطے سے ہی اسے دیس نکالا دیا گیا، کھلے عام اس کی تضحیک کی گئی اور اَحکامِ اسلام اور کتاب و سنت سے بغاوت کی گئی، اس پر اللہ تعالیٰ کے غضب کو جوش آنا ہی تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ قاہرہ اور شانِ قہاری کی ایک معمولی سی جھلک میں دِکھادیا کہ تم میرے اَحکام کی خلاف ورزی اور بغاوت کرکے کیونکر بچ سکوگے؟ اور تمہارا کبر و غرور اور ملک و اِقتدار اور مال و دولت تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتے، اس لئے کہ:

''اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ'' (تیرے رَبّ کی پکڑ بڑی سخت ہے!)۔

یہ بات دُوسری ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت بہت سے متمرّدین اور سرکشوں کو کچھ عرصہ کے لئے ڈھیل دے دیتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے عذاب سے بے فکر ہوجانا چاہئے، بلکہ ''دیر گیر د سخت گیر د'' کے

اُصول سے اور زیادہ حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر اُسے تھوڑی سی وسعت، فراوانی، صحت اور سکون میسر آجائے تو وہ اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے اور کبر وغرور، نخوت وتکبر سے مدہوش ہوجاتا ہے، اور ”أنا ولا غیری!“ کے بےہنگم دعوے ہانکنے لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے وہی ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور اُسے کبھی بھی فنا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے اس مالیخولیا کا علاج فرماتے ہوئے ایسی سزا دیتے ہیں کہ:

”فَجَعَلْنٰـهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ.“ (البقرة:٦٦)

ترجمہ:... ”پھر کیا ہم نے اس واقعے کو عبرت، ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے۔“

اس لئے کسی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بےخوف نہیں رہنا چاہئے، نامعلوم ہمارے کون سے گناہوں پر گرفت اور پکڑ ہوجائے۔

چنانچہ قرآنِ کریم اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے اور سابقہ اقوام پر عذاب کا ذکر کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے کہ کسی قوم کی تباہی و بربادی اور ہلاکت میں وہاں کے پیٹ بھرے مترفین، خوش عیش اور آسودہ حال لوگوں کی بغاوت و نافرمانی کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

”وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا.“

(بنی اسرائیل:١٦)

ترجمہ:... ”اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس (بستی) کے خوش عیش یعنی امیر و رئیس لوگوں کو

(ایمان و اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر جب وہ لوگ نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے، پھر اس بستی کو تباہ و غارت کرڈالتے ہیں۔''

یعنی جب اُمراء، حکام اور خوش عیش سرمایہ دار، فسق و فجور میں مبتلا ہوجائیں تو پوری قوم کے لئے عذابِ الٰہی کا سبب بنتے ہیں۔ بدقسمتی سے گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان اور بنگلہ دیش بھی انہیں مترفین اور ان کی مغرب زدہ بیگمات کی زَد میں ہیں، اور ہر دو مسلسل مشکلات کا شکار ہیں اور موجودہ عذاب بشکل سیلاب بھی حدیثِ نبوی: ''لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة'' (وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنی حکومت کا کام عورت کے سپرد کردیا) کے مصداق اسی نسوانی قیادت کی نحوست کی واضح مثال ہے۔

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم سے ''فلاح'' کی نفی فرمائی ہے جس کی حکمران عورت ہو۔

''فلاح'' کی تشریح کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فلاح کے معنی ہیں کامیابی اور مقصود کو پالینا، اور اس کی دو قسمیں ہیں، دُنیوی و اُخروی، پس دُنیوی فلاح ان سعادتوں اور نیک بختیوں کے ساتھ کامیاب ہونا ہے جن کے ذریعہ دُنیوی زندگی خوشگوار ہوتی ہے، اور وہ تین چیزیں ہیں، بقا، غنٰی اور عزّت۔ اور ایک فلاح اُخروی ہے، اور یہ چار چیزیں ہیں: ایسی بقاء جس کے بعد فنا نہیں، ایسی غنٰی جس میں فقر نہیں، ایسی عزّت جس کے بعد ذلت نہیں، اور ایسا علم جس میں جہل کا شائبہ نہیں۔'' (مفردات القرآن)

''فلاح'' کی مندرجہ بالا تشریح کی روشنی میں حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جس قوم پر عورت حکمران ہو وہ حرماں نصیب ہے، اسے نہ صرف اُخروی سعادتوں سے محرومی ہوگی بلکہ دُنیوی سعادتوں اور برکتوں سے بھی محروم رہے گی، نہ اسے بقا نصیب ہوگی، نہ غنٰی، نہ عزّ و وجاہت اور نہ زندگی کی خوشگواری اسے نصیب ہوگی، بلکہ ایسی بدقسمت قوم کی زندگی موت سے بدتر ہوگی۔'' (عورت کی سربراہی ص:۹،۱۰)

اس سے قبل پاکستان کی عوام بھی بیس ماہ تک اسی عذاب میں مبتلا رہی، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور علماء وعوام کی بیداری سے یہ مصیبت ٹل گئی، اب بنگلہ دیش کی عوام اس ابتلاء کا شکار ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس عذاب سے نجات عطا فرمائے۔ اس کے لئے جہاں اِجتماعی توبہ اور اِنابت الی اللہ کی ضرورت ہے، وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ بنگلہ دیشی علماء اس سلسلے میں بھرپور ہمت اور قوّت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام کو اس عذاب سے نجات دِلائیں اور عورت کی سربراہی کے سلسلے کی علماء کی مساعی کو سامنے رکھتے ہوئے لائحہ عمل مرتب کریں، اور اس سلسلے میں ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہٗ کی کتاب ''عورت کی سربراہی'' سے ضرور راہ نمائی حاصل کریں۔ اور اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہئے کہ تمام اسلامی ممالک کے دساتیر میں اس کی صراحت کردی جائے کہ کوئی عورت ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی، اگر ایسا نہ کیا گیا تو جب بھی شریعت کے اس حکم کے خلاف عورت برسرِ اقتدار آئے گی اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کی یہ شکلیں بھی سامنے آئیں گی۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ مطابق جون ۱۹۹۱ء)

افغانستان پر امریکی حملہ!
وقتِ دُعا ہے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء کی رات پونے نو بجے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے امارتِ اسلامی افغانستان پر حملہ کر کے صلیبی جنگ کا آغاز کردیا ہے۔ چنانچہ امریکی فضائیہ کے طیاروں نے کابل و قندھار سمیت متعدّد شہروں اور اہم ٹھکانوں پر گولہ بارود کی بارش کردی ہے، اسی طرح امریکی بحری بیڑوں سے افغانستان پر کروز میزائل داغے گئے۔ ادھر شمالی اتحاد نے اپنے صلیبی سرپرستوں کی شہ پا کر اپنی کارروائیاں تیز کردی ہیں۔ دُوسری طرف نہتے اور مفلوک الحال طالبان ہیں جو اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر دورِ حاضر کے فراعنہ اور عالمی استعمار کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے ہیں۔

ہمارے خیال میں دجال امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں کو طاقت وقوّت اور اسباب و وسائل کے اعتبار سے اس وقت وہی حیثیت حاصل ہے جو غزوۂ اَحزاب میں مشرکینِ مکہ اور ان کے اتحادی یہود و نصاریٰ کو حاصل تھی۔ کیونکہ جس طرح مشرکینِ مکہ اور ان کے معاونین، اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے تھے، ٹھیک اسی طرح آج امریکی اتحادی بھی یہی عزم لے کر مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار ہیں۔ دُوسری طرف طالبان اور امارتِ اسلامی افغانستان کی قریب

قریب وہی پوزیشن ہے جو اُس وقت حضراتِ صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ بھوکے پیاسے، اسباب و وسائل سے عاری، پیٹ پر پتھر باندھے خندقیں کھود رہے ہیں، مگر عالمی کفر کے مقابلے میں سینہ سپر ہیں۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ کا اگر کوئی قصور تھا تو یہی کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کا نفاذ چاہتے تھے، جبکہ طالبان کا بھی اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت کا اعلان کر چکے ہیں، اور وہ اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنے کے روادار نہیں۔

اے اللہ! جس طرح آپ نے مدینہ منوّرہ میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ کی مدد و نصرت فرمائی تھی، اسی طرح آج بھی اپنے نام لیوا بے یار و مددگار طالبان کی مدد فرما، اور جس طرح آپ نے مشرکینِ مکہ اور ان کے اتحادیوں کے دِلوں پر مسلمانوں کا رُعب بٹھا کر ان کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، اسی طرح آج بھی اپنے نام لیوا ضعیف و کمزور اور اسباب و وسائل سے عاری مٹھی بھر مخلصین کی جماعت کی نصرت و مدد فرما، آمین!

اگرچہ ابھی تک طالبان کی جنگی حکمتِ عملی کی صحیح صورتِ حال واضح نہیں ہوئی، تاہم موجودہ حالات میں مسلمانانِ عالم پر لازم ہے کہ وہ دامے، درمے، قدمے، سخنے اپنے طالبان بھائیوں کی مدد فرمائیں، ان کے لئے دُعائیں کریں، اسباب و وسائل اور ضروری امداد بہم پہنچائیں۔ خدانخواستہ اگر مٹھی بھر مخلصین کی یہ جماعت صلیبی اتحادیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئی اور مسلمانوں نے ان کی معاونت و پشت پناہی کے بجائے اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو نہ نبھایا تو مسلمان من حیث الأمت اللہ کے غضب سے نہیں بچ سکیں گے۔ لہٰذا حضراتِ علمائے کرام اور ائمہ مساجد کو چاہئے کہ وہ فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کا خصوصی اہتمام کریں اور عام مسلمان بھی اپنی ہر وقت کی دُعاؤں میں اس کو ضرور شامل رکھیں۔

قنوتِ نازلہ پڑھنے کا طریقہ:

صبح کی نماز کی دُوسری رکعت میں رُکوع کے بعد اِمام بآوازِ بلند یہ دُعا پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں۔ اس دُعا کے لئے نہ تکبیر کہی جائے اور نہ ہاتھ اُٹھائے جائیں۔ دُعا کے بعد تکبیر کہہ کر اِمام اور مقتدی سجدے میں چلے جائیں۔ دُعا پڑھتے وقت اِمام اور مقتدی ناف کے نیچے ہاتھ باندھے رکھیں۔ درج ذیل قنوتِ نازلہ حضرت بنوری قدس سرہٗ نے شائع کرائی تھی، جسے ضروری کلمات کی تبدیلی کے ساتھ افادۂ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے:

”اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَا أَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَائَكَ، مِنَ الْأَمْرِيْكِيِّيْنَ وَالصَّهْيُوْنِيِّيْنَ وَالصَّلِيْبِيِّيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَأَعْوَانِهِمْ. اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ وَأَلْقِ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَخُذْهُمْ أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ

وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ.

اَللّٰهُمَّ وَلِّ اُمُوْرَنَا خِیَارَنَا وَلَا تُوَلِّ اُمُوْرَنَا شِرَارَنَا وَارْزُقْنَا حُکُوْمَةً صَالِحَةً عَادِلَةً تَرْعٰی عِبَادَکَ وَبِلَادَکَ عَمَّا یُوْجِبُ مَقْتَکَ وَغَضَبَکَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.“

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی شعبان ۱۴۲۲ھ مطابق نومبر ۲۰۰۱ء)

مایوسی کی نہیں، صبر و استقامت کی ضرورت ہے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء سے افغانستان پر شروع ہونے والی بدترین ریاستی دہشت گردی کے نتیجہ میں رُوسی باقیات اور رُوس نواز شمالی اتحاد، امریکی بمباری کے سایہ میں کابل میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا، اور بظاہر ریاست اسلامی افغانستان کو خلافت عثمانیہ کی طرح تاراج کرنے کے صلیبی خواب کو شرمندۂ تعبیر کردیا گیا۔ انــا للہ وانا الیہ راجعون!

افسوس کہ اس موقع پر مسلم حکمرانوں نے نہ صرف یہ کہ خلافتِ اسلامی کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ بدقسمتی سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بجائے صلیبی حکمرانوں اور استعماری قوتوں کی چاکری کا فریضہ انجام دیا۔

اے کاش! کہ مسلم حکمرانوں نے اس موقع پر رُوس اور امریکہ کے اس طرزِ عمل سے سبق حاصل کیا ہوتا کہ وہی رُوس اور امریکہ جو کل تک ایک دُوسرے کا نام سننا گوارا نہیں کرتے تھے، بلکہ صحیح معنوں میں ایک دُوسرے کے جانی دُشمن تھے، انہوں نے اسلام دُشمنی کے موقف میں کس قدر غیرمشروط اتحاد و تعاون کا مظاہرہ کیا؟ چنانچہ جو سوویت یونین کل تک امریکہ بہادر کو اپنی شکست کا ذمہ دار ٹھہراتا تھا، آج وہ افغانستان میں تمام تر اختلافات بھلاکر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں امریکہ کے شانہ

بشانہ لڑ رہا ہے، بلکہ اس کے ہراوَل دستہ کا کردار ادا کر رہا ہے۔

جب تک یہ تحریر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گی، افغانستان کی موجودہ صورتِ حال کا دھارا تبدیل ہو چکا ہوگا، اور یقیناً مسلمانوں کو طالبان کی کابل چھوڑنے کی جنگی حکمتِ عملی بھی سمجھ آچکی ہوگی، مگر سرِدست افغانستان کی تازہ صورتِ حال سے مسلمان بے حد پریشان ہیں، جبکہ بہت سے سادہ لوح مسلمان اور بعض پڑھے لکھے حضرات یہ سوچ کر بد دل ہو رہے ہیں کہ جب مسلمان اور طالبان حق پر ہیں تو ان کو پسپائی اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو برتری کیوں ہو رہی ہے...؟ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں چند بنیادی حقائق عرض کر دیئے جائیں:

۱:...سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جنگوں میں فتح و شکست کے مراحل پیش آتے رہتے ہیں، بعض اوقات فتح بصورتِ شکست ہوتی ہے، اور کبھی شکست بصورتِ فتح ہوتی ہے، اس سے مایوس اور نا اُمید نہیں ہونا چاہئے۔

۲:...بعض اوقات ایسی حکمتِ عملی اپنائی جاتی ہے کہ دیکھنے والے اسے شکست سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت میں وہ فتحِ مبین ہوتی ہے، جیسا کہ صلحِ حدیبیہ میں بظاہر یہی محسوس ہوتا تھا کہ قریشِ مکہ کی بات رکھ کر صلح کی گئی ہے، اور عمرہ کی ادائیگی بھی ملتوی کر دی گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے فتحِ مبین کے مبارک الفاظ سے یاد فرمایا۔

۳:...بعض اوقات مقرّبینِ بارگاہِ الٰہی کے پیمانۂ صبر و تحمل اور تسلیم و رضا کو ناپنے کے لئے ان پر امتحانات و آزمائشیں آتی ہیں، اور فتح و نصرت میں بظاہر کسی قدر تأخیر ہو جاتی ہے، چنانچہ قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ میں اس کے بے شمار واقعات موجود ہیں، مثلاً:

الف:...قرآنِ کریم میں ہے:

”اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ، مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللهِ، اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِیْبٌ.'' (البقرہ:۲۱۴)

ترجمہ:...''کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے، یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد؟ سن رکھو! اللہ کی مدد قریب ہے۔''

(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اپنے تفسیری حواشی میں اس نکتے کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پہلے مذکور ہوا کہ دُشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور ان کی اُمتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں تو اب اہلِ اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی اُمتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقر و فاقہ اور مرض اور خوفِ کفار اس درجہ کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہوکر نبی اور ان کی اُمت بول اُٹھی کہ دیکھئے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی؟ یعنی بہ مقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے، انبیاء اور مؤمنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا...... بلکہ حالتِ اضطرار بہ مقتضائے بشریت اس کی نوبت آئی، جس میں کوئی ان پر الزام نہیں، جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمتِ الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ! اللہ کی مدد آگئی، گھبراؤ نہیں، سو اے مسلمانو! تکالیفِ دُنیوی سے اور

دُشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں، تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔“

ب:...اسی طرح سورۂ یوسف میں ہے:

”حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا، جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ.“ (یوسف:۱۱۰)

ترجمہ:...”یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہوگئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہوگیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی، پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا وہ بچالیا گیا، اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ج:...لیکن قرآنِ کریم، مسلمانوں کو ان حالات میں بھی ثابت قدم رہنے اور مایوسی کا شکار نہ ہونے کی تلقین و تاکید کرتے ہوئے انبیائے سابقین کے ساتھ مل کر کفار کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کی ثابت قدمی کا اس طرح تذکرہ کرتا ہے:

”وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ، فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ.“ (آل عمران:۱۴۶)

ترجمہ:...”اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہوکر لڑتے ہیں بہت خدا کے طالب، پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے، اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں، اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے۔“

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اپنے تفسیری حواشی میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی تم سے بہت پہلے اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہوکر کفار سے جنگ کی ہے، جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں اُٹھائیں، لیکن ان شدائد و مصائب سے ان کے ارادوں میں سستی ہوئی، نہ ہمت ہارے، نہ کمزوری دِکھائی، نہ دُشمن کے سامنے دبے، اللہ تعالیٰ ایسے ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت کرتا ہے۔ یہ ان مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دِلائی جنھوں نے اُحد میں کمزوری دِکھائی تھی، حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن حاصل کرلیا جائے۔ مطلب یہ کہ جب پہلی اُمتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا تو اس اُمت کو (جو خیر الامم ہے) ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہئے۔''

پھر اس کی طرف بھی متوجہ فرمایا کہ اگر خدانخواستہ کبھی ایسی آزمائش کی شکل سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے کے بجائے فوراً توبہ و اِستغفار میں مصروف ہوجانا چاہئے کہ مبادا یہ ہماری کسی عملی کوتاہی کی نحوست نہ ہو، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ.'' (آل عمران:۱۴۷)

ترجمہ:... ''اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے ربّ ہمارے! بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں، اور ثابت رکھ قدم ہمارے، اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر۔''

د:... دورِ حاضر میں مسلمانوں خصوصاً طالبان کی ظاہری پسپائی اور جنگی حکمتِ عملی کے تحت ان کے اپنے زیرِ اقتدار علاقوں کو چھوڑنے اور مجاہدین افغانستان کی

شہادتوں پر دل گرفتہ ہونے والوں کو ان ارشاداتِ الٰہی کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ''صمد'' اور بے نیاز ہے، اگر وہ چاہے تو صحابہ کرامؓ کی مدد کو آسمان سے فرشتے اُتار دے اور نہ چاہے تو بنی اسرائیل کے ہاتھوں ایک ایک دن میں ستر ستر انبیائے کرامؑ کو جامِ شہادت نوش کرادے، چنانچہ سورۂ بقرہ اور آل عمران میں اس موضوع کی دو آیتیں درج ذیل ہیں:

ا:... ''وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ.'' (بقرہ:۶۱)

ترجمہ:... ''اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق۔''

۲:... ''وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ، ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ.'' (آل عمران:۱۱۲)

ترجمہ:... ''اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق، یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے۔''

ہ:... اسی طرح مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال سے پریشان ہونے والوں کو یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہئے اور جاننا چاہئے کہ اگر خدانخواستہ طالبان، شیخ اُسامہ بن لادن یا امیرالموٴمنین مُلّا محمد عمر صفحہٴ ہستی سے مٹ جاتے ہیں، یا ان کو قتل کردیا جاتا ہے تو کیا دُنیا سے اسلام مٹ جائے گا؟ یا پھر نعوذ باللہ ہمیں مایوس ہوکر گھر میں بیٹھ جانا چاہئے...؟ نہیں! نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیں اس طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور قتل کا سانحہ پیش آجائے تب بھی مسلمانوں کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے بلکہ دِینِ اسلام کی اشاعت و ترویج کے مقصدِ عالی میں لگے رہنا چاہئے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِى اللهُ

الشّٰکِرِیْنَ.'' (آل عمران:۱۴۴)

ترجمہ:......''اور محمدؐ تو ایک رسول ہے، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟ اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ، اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔''

(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ط:... بلکہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ، وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ، وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ.''

(آل عمران:۱۳۹ تا ۱۴۱)

ترجمہ:...''اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی، اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں، اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے، اور کرے تم میں سے شہید، اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنے والوں سے، اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ان آیات میں درج مضامین کی تشریح کرتے ہوئے شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود الحسنؒ فرماتے ہیں:

''یہ آیات جنگِ اُحد کے بارے میں نازل ہوئیں،

جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اشقیاء نے مجروح کردیا تھا، اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آرہے تھے، اس ہجوم شدائد و یأس میں خداوندِ قدوس کی آواز سنائی دی: ''وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ.'' (دیکھنا! سختیوں سے گھبرا کر دُشمنانِ خدا کے مقابلے میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے، پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہوکر بیٹھ رہنا مؤمن کا شیوہ نہیں، یاد رکھو! آج بھی تم ہی معزّز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اُٹھارہے اور جانیں دے رہے ہو، اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے، انجامِ کار تم ہی غالب ہوکر رہو گے، بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو، اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعتِ رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ) اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دِلوں کو جوڑ دیا، اور پژمردہ جسموں میں حیاتِ تازہ پھونک دی، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آچکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔

مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اُٹھانا پڑا تھا، اس سے سخت شکستہ خاطر تھے، مزید برآں منافقین اور دُشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی، کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے؟ یا تھوڑی دیر کے لئے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی؟

حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اُٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریقِ مقابل کو پیش آچکے ہیں، اُحد میں تمہارے پچھتّر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستّر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہوچکے ہیں۔ اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً ان کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے، جیسا کہ: ''وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ'' کے الفاظ سے ظاہر ہے، پھر بدر میں ان کے ستر آدمی ذِلت کے ساتھ قید ہوئے، تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذِلت قبول نہ کی، بہرحال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں، نہ ان کے لئے کبر وغرور سے سر اُٹھانے کی جگہ ہے، باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی، نرمی، دُکھ، سکھ، تکلیف اور راحت کے دِنوں کو لوگوں میں اَدل بدل کرتے رہتے ہیں، جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں، پھر جب وہ دُکھ اُٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے، تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو؟

(اس ظاہری ہزیمت سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ) سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کردے، دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے۔

اور ''وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ'' سے مراد اگر مشرکین ہیں جو اُحد میں فریقِ مقابل تھے، تو یہ مطلب ہوگا کہ ان کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے، بلکہ دُوسرے اسباب ہیں، اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر

مسلمانوں سے الگ ہوگئے تھے، تو یہ بتلادیا کہ خدا کے نزدیک مبغوض تھے، اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے انہیں دُور پھینک دیا گیا۔

یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا مقامِ بلند عطا فرمانا تھا، مؤمن و منافق کا پرکھنا، مسلمانوں کو سدھانا، یا ذُنوب سے پاک کرنا، اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹادینا منظور تھا کہ جب وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور و مغرور ہوکر کفر و طغیان میں بیش از بیش غلو کریں گے، خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق ہوں گے اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی، نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں ہے۔''

۴:...مصائب و آلام اور تکالیف و آزمائشیں زیادہ تر ان لوگوں کو آتی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبوبیت کے اعتبار سے بہت ہی قریبی تعلق ہوتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

''عن مصعب بن سعد عن ابیه قال: قلت: یا رسول اللہ! ایّ الناس اشدّ بلاءً؟ قال: الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل، فیبتلي الرجل علی حسب دینه، فان کان في دینه صلبًا، اشتدّ بلائه، وان کان في دینه رقة ابتلي علی حسب دینه، فما یبرح البلاء بالعبد حتی یترکه یمشي علی الارض ما علیه خطیئة.'' (ترمذی ج:۲ ص:۶۵)

ترجمہ:...''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیاء علیہم

السلام کی، پھر جو ان سے قریب تر ہو، پھر جو ان سے قریب تر ہو، آدمی کو اس کے دِین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، پس اگر وہ اپنے دِین میں پختہ ہو تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے، اگر اس کے دِین میں کمزوری ہو تو اسے اس کے دِین کی بقدر آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پس آزمائش بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کو ایسا کر چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔“

۵:... قرینِ قیاس بھی یہی ہے کہ دُنیا میں مسلمانوں کو آزمائشیں آئیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”الدُّنیا سجن المؤمن وجنة الکافر“ (دُنیا مؤمن کے لئے قیدخانہ ہے، اور کافر کے لئے جنت ہے)، اس لئے دُنیا میں ایک مؤمن کو آفات و مصائب کا سامنا عموماً زیادہ ہی کرنا پڑتا ہے، اس کے برعکس کافر کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت دی جاتی ہے، چونکہ دُنیا اہلِ ایمان کے لئے قیدخانہ ہے اور قیدخانہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں آدمی ہر حال میں تکلیف و اذیت میں رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں کا دُنیوی زندگی میں مصائب و آلام سے دوچار ہونا کوئی انوکھی بات نہیں۔

۶:... اللہ تعالیٰ دُنیا میں مسلمانوں کو تکالیف و مصائب سے دوچار کرکے اس کا سارا بدلہ دُنیا کے بجائے آخرت میں دینا چاہتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

”یود أهل العافیة یوم القیٰمة حین یعطی أهل البلاء الثواب لو ان جلودهم کانت قرضت في الدنیا بالمقاریض.“ (ترمذی)

ترجمہ:... ”قیامت کے دن جب اہلِ مصائب کو بدلہ عطا کیا جائے گا تو اہلِ عافیت (جو اِن مصیبتوں سے محفوظ

رہے) یہ آرزو کریں گے کہ کاش! دُنیا میں ان کے چمڑے قینچیوں سے کاٹ دیئے جاتے۔“

۷:... اس وضاحت کے بعد کہ طالبان اور مسلمانوں کی وقتی پسپائی کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں ہے، بلکہ اس سے قبل مسلمان اس سے کہیں زیادہ مصائب و مشکلات کا سامنا کرتے رہے ہیں، حتیٰ کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل بھی کیا جاتا رہا ہے، لیکن جس طرح حضرات انبیاء کو قتل کرنے والے باطل پر تھے اور وہ حق کی آواز کو نہیں دبا سکے، بلکہ انجامِ کار حق کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی، اور باطل نیست و نابود ہوگیا، ٹھیک اسی طرح آج بھی مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے والے اسلام اور مسلمانوں کی آواز کو خاموش کرنے کے بجائے، بہت جلد اللہ کے غضب و قہر کے مستحق بن کر نشانِ عبرت بن جائیں گے، اور بالآخر فتح اِن شاء اللہ حق کی ہوگی۔

لیکن عام ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ آخر طالبان نے کابل اور اپنے زیر اقتدار علاقے کیوں چھوڑے؟ اس کا صحیح جواب اور ٹھیک ٹھیک حکمتِ عملی تو وہی بیان کرسکتے ہیں جو بالفعل میدانِ جنگ میں اُترچکے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں ...واللہ اعلم... اس کی درج ذیل حکمتیں ہیں:

الف:...جیسا کہ اخبارات کی رپورٹوں سے واضح ہے کہ طالبان نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی آگ و بارود کی تباہ کن بمباری کی بارش کے سامنے پورے ۳۸ دن تک بھرپور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ امریکی صدر نے اپنی مسلح افواج کے سربراہ کے مشورہ سے اپنی خفت مٹانے کے لئے طالبان کے اگلے مورچوں اور شہری آبادیوں پر ایٹم بم گرانے کی منظوری دے دی تو طالبان کی قیادت نے مسلمانوں اور خصوصاً شہری آبادیوں کو بچانے کے مفادِ عامہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ حکمتِ عملی اختیار کی۔

ب:... گزشتہ چھ سال سے طالبان حکومت نے افغانستان میں اسلامی عدل و انصاف اور قرآن وسنت کے زرّین اُصولوں کی روشنی میں جس بے مثال امن و امان کا معاشرہ قائم کیا تھا، اس سے ان کا ذاتی اور قومی کردار واضح ہوکر پوری دُنیا کے سامنے آگیا تھا، انہوں نے چاہا کہ ذرا شمالی اتحاد کا کردار بھی لوگوں کے سامنے آئے اور دُنیا بھر کے انصاف پسند حلقے آزادی سے یہ فیصلہ کرسکیں کہ قوم و ملک کے حق میں کون مفید ہے؟ اور کون ضرر رساں؟ چنانچہ شمالی اتحاد کے خون آشام مظالم اور انسانیت سوز کردار کو دیکھ کر اب ہر منصف انسان ان پر دوحرف بھیجنے لگا ہے۔

ج:...اب تک شمالی اتحاد صرف طالبان کے مقابلے میں اپنی پوری قوّت صرف کر رہا تھا، طالبان نے چاہا کہ کچھ علاقے اس کے قبضے میں آجائیں تو اس کی قوّت کچھ بکھر کر رہ جائے گی، اقتدار، اور مفادات کے ان بھوکے بھیڑیوں کی آپس کی مفادات کی جنگ چھڑ جائے گی، تو دُشمن کی قوّت کمزور ہوجائے گی، چنانچہ اخبارات کی رپورٹوں سے واضح ہوچکا ہے کہ اب شمالی اتحاد کے کمانڈروں کے آپس کے اختلافات کھل کر سامنے آچکے ہیں، یہاں تک کہ کنڑ کے نامزد گورنر اور شمالی اتحاد کے اہم رکن محمد عطا کو قتل کردیا گیا ہے۔

د:... دُنیا بھر کے لوگوں بلکہ پاکستان کے بعض مسلمانوں کو بھی یہ غلط فہمی تھی کہ طالبان اور شمالی اتحاد کی جنگ دو مسلمان دھڑوں کی لڑائی ہے، اور خواہ مخواہ کی ضد بازی ہے، طالبان نے اس حکمتِ عملی سے واضح کردیا کہ طالبان دراصل دفاعِ اسلام و پاکستان کی جنگ لڑ رہے تھے، اور شمالی اتحاد رُوسی مفادات اور امریکی عزائم کی تکمیل کے لئے سرگرداں تھا، چنانچہ اب واضح ہوچکا ہے کہ شمالی اتحاد قوم و ملک، دِین و مذہبِ اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کی نہیں، رُوس و امریکہ کے مفادات کی جنگ لڑ رہا تھا۔

بہرحال طالبان کی جنگی حکمتِ عملی کامیابی سے ہمکنار ہوئی، اور ان کو اس

وقت یہی کرنا چاہئے تھا، مگر افسوس کہ پاکستانی قیادت کی سوچ دِفاعی اعتبار سے بالکل ناکام اورصفر بٹہ صفر ثابت ہوئی، انہوں نے جو کچھ سوچا تھا، خلافِ توقع نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا۔

طالبان اور مجاہدین افغانستان میں سے جنھوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جامِ شہادت نوش کیا، یا ابھی تک صلیبی انتقام کی بارودی آگ کا نشانہ بن رہے ہیں وہ ہر دو، ارشادِ الٰہی: ”مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ، فَمِنْهُم مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ.“ (الاحزاب:۲۳) (ایمان والوں میں کتنے ایسے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا انہوں نے جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی تو ان میں سے پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں سے جو راہ دیکھ رہا ہے) کے مطابق اپنے منشور و پروگرام میں کامیاب اور سرخرو ہوکر نکلے ہیں، چنانچہ جن کا وقتِ موعود آچکا تھا، انہوں نے مسکراتے چہرے کے ساتھ: ”فزت وربّ الکعبة!“ (ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا) کا نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے شہادت کو گلے لگالیا اور جو بچ رہیں گے اِن شاء اللہ ان کے سروں پر غازی کا تاج سجایا جائے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے امریکہ سے تعاون کرکے اپنے ہاتھوں رُوس نواز شمالی اتحاد کو افغانستان پر مسلط کرکے اپنی بیس سالہ حکمتِ عملی کا خون نہیں کیا؟

افغانستان کے مستقبل کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ شمالی اتحاد، رُوس، امریکہ دونوں کو کب تک خوش رکھ کر اپنی حکومت کو دوام بخش سکتا ہے؟ اور یہ کہ شمالی اتحاد ظلم وستم کے بل بوتے پر کب تک حکومت کرسکتا ہے؟ یہ سب سوال اب ہمارے لئے ثانویت کے درجے میں چلے گئے ہیں، اب سب سے پریشان کن صورتِ حال پاکستانی قیادت کے وہ عزائم وارادے ہیں جو انہوں نے سقوطِ کابل کے بعد بڑی بلند آہنگی سے ہانکنے شروع کردیئے ہیں، اس پر ملک بھر کی دِینی قیادت کو مل بیٹھ کر سنجیدگی سے غور کرنا

چاہیئے کہ اگر امریکی مفادات کے پاکستانی محافظوں نے دُنیا میں واحد اسلامی حکومت کو خاک وخون میں ملانے میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ اور خفت و ذِلت محسوس نہیں کی، تو ان سے کیا بعید ہے کہ وہ امریکی ایما پر اسلام، اسلامی شعائر اور خود پاکستان کو بھی قربان کردیں...؟ چنانچہ سقوطِ کابل کے بعد ہمارے فوجی سربراہوں کے لب ولہجہ میں یک لخت تبدیلی آگئی ہے، اوران کی مذہب دُشمنی کھل کر سامنے آگئی ہے، انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے علمائے کرام، اَربابِ دِین اور مدارسِ دِینیہ کے بارے میں اپنے قلبی احساسات اور بغض وعداوت کو اُگلنا شروع کردیا ہے، کچھ بعید نہیں کہ وہ پاکستان میں بھی ترکی طرز پر بے دِینی کا انقلاب لانے کی کوشش کریں، اور پاکستان سے اس کے قیام کے مقاصد کے خلاف، اسلام اور اسلامی اقدار کا جنازہ نکال باہر کریں۔ غالباً فوجی حکمرانوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ اب پاکستان میں اسلام پسند افراد کا صفایا ہوگیا ہے، اوران میں سے اکثر افغانستان کی سرزمین پر جامِ شہادت نوش کرچکے ہیں، اور کچھ شمالی اتحاد کی قید میں ہیں، جب ہی تو وہ اس کے لئے آمادہ نہیں کہ پاکستانی مجاہدین کو پاکستان واپس آنے کی اجازت دی جائے یا ان کو چھڑانے کی بات کی جائے، مگر یہ ان کی بھول ہے، کیونکہ پاکستانی مسلمان چاہے کتنا ہی دِین سے دُور نظر آتے ہوں، مگر وہ اپنے اکابر کی قربانیوں سے غداری نہیں کرسکتے، چنانچہ پاکستان کی ۵۳ سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی کسی طالع آزمانے پاکستان کو اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھانے اور اسے لادِینیت کی غار میں دھکیلنے کی کوشش کی، تو مسلمانانِ پاکستان نے اسے بیک بینی ودوگوش کرسیٔ اقتدار سے الگ کردیا، اس لئے جناب پرویز مشرف صاحب کو اپنے پیش رُووٴں کے انجام سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

بہرحال پاکستان بھر کے علماء، صلحاء، دانشوروں اور دِین دار سیاست دانوں کو اس نکتے پر غور کرنا چاہیئے کہ جو شخص اپنے ملک کی عدلیہ کے فیصلے اور وقار کے خلاف ہیروئن کے اسمگلر کی سزا کو صرف ایک دن بعد محض اس لئے ختم کرسکتا ہے کہ وہ امریکی

مفادات اور اُسامہ بن لادن کے نیٹ ورک کو توڑنے میں مدد دے گا، تو اس سے کیا بعید ہے کہ وہ امریکہ بہادر کے ایما پر کیا کچھ نہیں کر گزرے گا...؟

اسی طرح جناب مشرف صاحب کا یہ کہنا کہ آئندہ انتخابات میں مذہبی جماعتیں نہیں جیت سکیں گی، اور میں خود ملک کا سربراہ رہوں گا، کن عزائم کی غمازی کرتا ہے...؟ ایسے ہی ان کا یہ کہنا کہ مدارس کو ہم قانون کے دائرے میں لاکر ان سے انتہا پسندی کے عنصر کو ختم کردیں گے۔ اسی طرح حکومت کا یہ ارشاد کہ: آئندہ کے لئے ملک بھر کے مدارس کے حسابات فوج چیک کرے گی، مدارس دُشمن پالیسی کی نشاندہی نہیں کرتا...؟ کیا ملک بھر میں دُوسرے تمام اداروں کے حسابات بھی فوج چیک کرے گی؟ اگر نہیں! تو کیوں...؟ کیا فوج کے علاوہ ملک میں دُوسرا کوئی ادارہ دیانت دار نہیں رہا؟ اگر ہے تو پھر فوج کے مدارس کے حسابات کے چیک کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مدارس کو کھڈے لائن لگانے کے لئے فوج کی خدمات حاصل کی جائیں گی...؟

بہرحال اب اربابِ دِین اور اصحابِ عقل و دانش کو اسلام، اسلامی اقدار اور اپنے اکابر کی قربانیوں کی لاج رکھتے ہوئے برسرِاقتدار لادِین طبقے کی قوم و وطن اور اسلام دُشمن سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنا ہوگی۔

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی شوال ۱۴۲۲ھ مطابق جنوری ۲۰۰۲ء)

صلیبی جنگ کے خطرات
اور
عالمِ اسلام کی بے حسی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ سال گیارہ ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے عنوان سے ملتِ کفر اور امریکہ نے مسلمانوں کے خلاف جو ڈرامہ رچایا تھا، اسے ایک سال پورا ہو چکا ہے، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود آج تک کسی مسلمان کو اس واقعے کا مجرم قرار نہیں دیا جاسکا، مگر چونکہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو تختۂ مشق بنانا تھا، اس لئے اس کی آڑ میں مسلمانوں پر ظلم و تشدّد کی جو بھٹی گرم کی گئی تھی، اس کی آگ کے شعلے ابھی تک بلند ہو رہے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر مسلمانوں کے خلاف جس ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا ہے، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ایک سال قبل افغانستان کے نہتے، مظلوم اور مفلوک الحال مسلمانوں کے قتلِ عام کے لئے جو جہنم دہکایا گیا تھا، اس کی تپش سے مسلمانوں کے قلب و جگر جل کر کوئلہ ہو چکے ہیں، مگر داعیانِ کفر کے جذبۂ انتقام کی آگ تاحال ٹھنڈی نہیں ہوئی، افغانستان سے شروع ہونے والی یہ آگ پھیلتے پھیلتے اب پوری دُنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، چنانچہ آج اسلامی دُنیا کا کوئی ملک، شہر، علاقہ، بستی، گھر اور فرد

اس کے شعلوں سے محفوظ نہیں۔

افسوس کہ افغانستان کے مسلمانوں پر آگ و بارُود کی بارش آج بھی ٹھیک اسی طرح جاری ہے، جس طرح ایک سال پیشتر تھی، چنانچہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو جہاں کسی حریت پسند مسلمان کی موجودگی کا ذرا سا شبہ ہوجائے، وہاں ٹنوں من بارُود برسایا جاتا ہے اور بستیوں کی بستیاں آنِ واحد میں صفحۂ ہستی سے مٹادی جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں آج پورے افغانستان میں جگہ جگہ بے گور و کفن لاشے، اجتماعی قبریں، اُجڑے شہر اور بستیاں، نوحہ کناں مسجدیں اور آگ و بارُود کی بدبو سے اَٹی ہوئی غاریں، وادیاں، پہاڑ اور تباہ حال شہروں کے علاوہ کچھ دِکھائی نہیں دیتا، وہاں کسی مسلمان کی جان، مال، عزّت و آبرو بلکہ ایمان تک محفوظ نہیں۔ اطلاعات کے مطابق اب تو وہاں ...نعوذ باللہ... مساجد کو اصطبل خانوں میں تبدیل کرنے اور قرآنِ مقدس کی کھلے عام توہین کے واقعات سننے میں آرہے ہیں، فالی اللہ المشتکٰی!

مسلمانانِ افغانستان کا قصور شاید یہی ہے کہ وہ عیسائی اور یہودی کیوں نہیں بن گئے؟ انہوں نے اسلام کا دَم کیوں بھرا ہے؟ اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے ہیں؟ ان کا دِین و مذہب اور اسلام سے رابطہ کیوں استوار ہے، اور وہ قرآن وسنت کو ذریعۂ نجات کیوں گردانتے ہیں...؟

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نظر میں ہر مسلمان مجرم ہے، وہ جب اور جہاں چاہیں کسی مسلمان کو ''القاعدہ'' کے نام سے گرفتار کرلیں، ان سے کوئی بازپُرس کرنے والا نہیں ہے، کسی کو حق نہیں کہ ان سے یہ پوچھ سکے کہ ان کا کیا قصور ہے؟ دُنیا میں ''القاعدہ'' کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں! انہیں بس اس سے مطلب ہے کہ کسی مسلمان کو استبدادی شکنجے میں جکڑنے کے لئے ''القاعدہ'' کے عنوان سے بہتر دُوسرا کوئی ہتھیار نہیں۔

آج پوری دُنیا میں ''مسلمان'' اور ''اسلام'' کو گالی کا درجہ دے دیا گیا ہے،

ملتِ کفر کے نزدیک صرف مسلمان ہونا ہی سب سے بڑا جرم ہے، مسلمان خواہ کسی بھی خطے اور زبان کا ہو، چاہے امریکہ کا ہو یا برطانیہ اور فرانس کا، اس کا تعلق ہندوستان سے ہو یا افغانستان سے، وہ عربی ہو یا عجمی، ایرانی ہو یا افریقی، ہندی ہو یا یونانی، غرضیکہ وہ کہیں کا ہو، مجرم ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر مسلمان مجرم ہے، اور ان کا ہر مجرم مجرموں کے کٹہرے میں لاکھڑا کرنے کے قابل ہے، اور ان کے کسی مجرم کے لئے کوئی حقوق نہیں، ان کے نزدیک مسلمانوں کو جانوروں کی طرح مادرزاد ننگا کرکے آہنی پنجروں میں بند کرنا اور انسانی آبادی سے دُور اور بہت دُور کیوبا ایسے جزیرے میں پابندِ سلاسل کرنا ہی عدل و انصاف ہے، ان کے ہاں جانوروں حتیٰ کہ کتوں، بلیوں اور درندوں کے بھی حقوق ہیں، مگر ان نام نہاد انسانی حقوق کے علم برداروں کے نزدیک مسلمان کسی رواداری اور حقوق کا مستحق نہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مسلمانوں کو انسان اور اولادِ آدم ہی نہ سمجھتے ہوں، لیکن یہ تو ان کا اپنا عقیدہ اور نظریہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو آدم کے بجائے بندر کی اولاد سمجھتے ہیں، عین ممکن ہے کہ مسلمانوں سے عداوت کی وجہ بھی یہی ہو کہ وہ اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سمجھتے اور مانتے ہیں، ظاہر ہے بندر کی اولاد، اولادِ آدم سے کیونکر خیرخواہی اور رواداری کی پاس دار ہوسکتی ہے؟

بہرحال اس بے سروپا خودساختہ حادثے کو بنیاد بناکر مسلمانوں کے خلاف عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہے، آج پوری دُنیا میں مسلمان مظلومیت و مقہوریت کی زندگی بسر کررہے ہیں، اس میں جہاں غیروں کی عداوت کا دخل ہے، وہاں اپنوں کی بے حسی، بزدلی، بے غیرتی اور مفاد پرستی کا بھی دخل ہے، اگر مسلمانوں میں ذرّہ بھر جرأت و ہمت ہوتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اغیار کے ہاتھوں کھلونا بنتے اور اپنے اندرونی معاملات میں ان کو دخیل کرتے اور ان کے جاسوسوں کا کردار ادا کرتے۔ افسوس! کہ ہم نے اپنا سب کچھ اسلام دُشمنوں کے حوالے کردیا، ہماری ایجنسیاں،

ہمارے خزانے سے تنخواہ وصول کرکے ان کے ملازم کا رُوپ دھارے ہوئے ہیں، ہم اپنے ملک کے مسلمان شہریوں، جوانوں، بوڑھوں حتیٰ کہ خواتین کو بلاتحقیق گرفتار کرکے ان کے حوالے کرتے ہیں، اپنے تئیں ان سے وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں، لیکن دراصل ہم اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو مجرم باور کرانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں، اور بین الاقوامی طور پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے اس پروپیگنڈے کو سچ ثابت کر رہے ہیں کہ: ''پاکستانی اور مسلمان دہشت گرد ہیں''۔ چنانچہ گزشتہ دنوں گیارہ ستمبر کی ''سالگرہ'' مناتے ہوئے کراچی کی ایک عمارت پر دھاوا بول کر مسلمانوں کا قتل اور پردہ نشین خواتین کی گرفتاری اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دُوسری طرف پڑوسی ملک بھارت میں متعدّد تشدّد پسند جماعتیں ہیں، جو آئے دن سینکڑوں، بلکہ ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کرتی ہیں، مگر ہندوستان نے آج تک ان میں سے کسی کو دہشت گرد اور تشدّد پسند تسلیم نہیں کیا، اور نہ ہی ان میں سے کسی کو کالعدم قرار دیا، اسی طرح کشمیر میں گزشتہ ۵۵ سال سے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں، مگر کسی کی مجال نہیں کہ ہندوستانی بھیڑیوں کو تشدّد پسند کہہ سکے۔

ایسے ہی فلسطین کے مسلمانوں پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوچکا ہے کہ ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، ان کے گھروں، بلکہ پوری پوری آبادیوں، شہروں حتیٰ کہ دارالحکومت کو بلڈوز کیا جارہا ہے، مگر اسرائیلی درندوں کو کوئی دہشت گرد کہنے اور ماننے کے لئے تیار نہیں، بلکہ ان کو اس ظلم و تشدّد سے روکنے کی بجائے ان کی پشت پناہی کی جارہی ہے، اس لئے کہ وہ یہودی ہیں، اور وہ کسی پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی قوّتِ بازو اور خودداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے نزدیک ہر مسلمان دہشت گرد ہے، سعودی عرب، عراق، ایران، لیبیا، سوڈان اور پاکستان جیسے مسلمان ممالک میں سے کچھ تو خود دہشت گرد ہیں، اور کچھ دہشت گردوں کے پشت پناہ ہیں،

اور ان کے خلاف کسی بھی وقت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ لیبیا کے کرنل معمر قذافی سے ...سو اختلاف کیوں نہ سہی ...مگر انہوں نے موجودہ دور میں عالمِ اسلام کے خلاف بین الاقوامی برادری کی بدترین پالیسیوں، انتقامی کاروائیوں اور مسلمانوں کی مظلومیت سے متأثر ہوکر جو کچھ کہا ہے، وہ ہمارے دِل کی آواز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے لیبیا کے انقلاب کی ۳۳ویں سالگرہ کے موقع پر ایک طویل خطبہ دیا، جو طرابلس سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ''الدعوۃ الاسلامیۃ'' کی ۲۶رجمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ کی اشاعت میں نہایت تفصیل سے پورے صفحے پر شائع ہوا ہے، جس کا خلاصہ روزنامہ ''اسلام'' میں این این آئی کے حوالے سے شائع ہوا ہے، اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''طرابلس (این این آئی) لیبیا کے سربراہ اور ورلڈ اسلامک پیپلز لیڈرشب کے قائد کرنل معمر قذافی نے کہا کہ اس وقت عالمِ اسلام کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کردیا گیا ہے، اگر اس صورتِ حال کو برقرار رکھا گیا تو ممکن ہے کہ پوری دُنیا تباہ ہوجائے اور اس کے ساتھ امریکہ، یورپ، عرب دُنیا اور اسلامی ممالک کو بھی تباہی کا سامنا کرنا پڑے، ممکن ہے کہ کئی ملین اُسامہ بن لادن پیدا ہوجائیں، اس صورتِ حال کے پیدا ہونے سے قبل ضروری ہے کہ عملی مکالمے کے ذریعے عالمی امن کو تباہی سے بچالیا جائے ..... انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اب مسلمان دُنیائے اسلام میں بیداری کی تحریک شروع کریں ..... انہوں نے کہا کہ عالمِ اسلام کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کردیا گیا ہے، اس وقت عرب اور اسلامی ممالک کو یکساں طور پر الزامات اور خوف و ہراس کا سامنا ہے، چنانچہ امریکہ،

افغانستان، فلسطین اور دُنیا بھر میں عرب شہریوں کو دہشت گرد قرار دے رہا ہے، ہر مسلمان کو دہشت گردی کے الزام کا سامنا ہے، یہاں تک کہا جارہا ہے کہ تم عرب ہو، لہٰذا تم دہشت گرد ہو اور تمہیں قتل کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے زیادہ عرصے تک اس صورتِ حال کو برداشت کرنا ممکن نہیں، ہمیں اس صورتِ حال کا سامنا کرنا اور ملزموں کے کٹہرے سے باہر نکلنا ہے۔ کرنل قذافی نے کہا کہ ان حالات میں اگر عراق کے خلاف حملہ کیا گیا تو تمام عالمِ اسلام نشانہ بن جائے گا، پھر یہ مسئلہ صرف اُسامہ بن لادن، طالبان، القاعدہ یا دہشت گردی کا مسئلہ نہیں رہے گا، بلکہ اسلامی ممالک کو یکے بعد دیگرے نئے سرے سے نوآبادی بنانے کا مسئلہ بن جائے گا ..... اس کے تہذیب و تمدن، تجارت، سیاحت، صنعت اور عالمی استحکام پر خطرناک نتائج مرتب ہوں گے، اگر معاملات ہاتھ سے نکل گئے تو مسلمان اپنے دفاع کے لئے بم دھماکوں پر مجبور ہوں گے ..... انہوں نے کہا کہ اس صورتِ حال میں ضروری ہے کہ عالمِ اسلام کو بیدار کیا جائے اور سرکردہ مسلم قائدین اور شخصیات ان سے رابطہ کریں اور خبردار کریں کہ ہمارے لئے ملزموں کے کٹہرے میں زندگی بسر کرنا ممکن نہیں اور نہ خوف و ہراس کے زیرِ سایہ جینا ممکن ہے، اس وقت ہر مسلمان کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے، اسے گرفتار کیا جارہا ہے، اس کے فنڈز منجمد کردیئے جاتے ہیں، انہوں نے کہا کہ مسلمان ڈرپوک نہیں، یہ خود امریکہ بھی اچھی طرح جانتا ہے، انہوں نے کہا اگر عربوں اور مسلمانوں کے خلاف ان لوگوں نے اشتعال انگیز کاروائیاں جاری رکھیں، تو پھر

وہ بھی جان لیں کہ مسلمان طاقت ور شیر ہیں، وہ جنت پر ایمان رکھتے ہیں اور شوقِ شہادت سے سرشار ہیں، اس صورتِ حال میں ان قوّتوں کے حصے میں ندامت ہی آئے گی۔ کرنل قذافی نے کہا کہ ہمیں اس بار مسیحی سامراج کا سامنا ہے، فلسطین سے لے کر افغانستان تک اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے درمیان مقابلہ جاری ہے، اگر بن لادن نے کوئی کام کیا ہو تو یہ الگ چیز ہے، ابھی تک کوئی دلیل سامنے نہیں آئی کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ اس پر بات ہوسکتی ہے، ہم مسلمانوں نے نیویارک کو تباہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا، اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ تباہی کس نے کی، اور اس کے اسباب اور مقاصد کیا تھے؟ کرنل قذافی نے کہا کہ مسلمان اپنے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کریں گے۔" (روزنامہ "اسلام" کراچی ۲۷؍ستمبر۲۰۰۲ء)

الغرض مسلمانوں کو اس صورتِ حال سے نکلنے کی تدبیر کرنی چاہئے، اور اپنی خودداری کا مظاہرہ کرنا چاہئے، ورنہ زیادہ دیر تک اس صورتِ حال میں رہنا کسی طور پر بھی ممکن نہیں۔

ہماری اسی بے حسی کا نتیجہ ہے کہ اب افغانستان کے بعد امریکہ بہادر عراق کی تباہی کی طرف متوجہ ہے، اور پوری شد و مد کے ساتھ وہ اس عزم و ارادے کا اعلان کر رہا ہے کہ عراق کے خلاف کاروائی کی جائے، بلکہ اس نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کرتے ہوئے عراق پر بمباری کا سلسلہ شروع کردیا ہے، ادھر تیسری طرف اس نے ایران کی سرحدوں پر اپنی افواج کا اجتماع شروع کردیا ہے، جبکہ سعودی عرب کے خلاف امریکی کھلے عام کہہ چکے ہیں کہ وہ امریکہ کا بدترین دُشمن ہے، ایسے ہی امریکہ سوڈان کے خلاف یہ عندیہ دے چکا ہے کہ وہاں القاعدہ کے دہشت گردوں کے قلع قمع

کے لئے کاروائی کی شدید ضرورت ہے، اسی طرح یمن میں بھی مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں شروع ہوچکی ہیں، رہا پاکستان...! اسے تو وہ اپنی کالونی سمجھتا ہے، جہاں اس کی مرضی کے خلاف کوئی پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔

اس لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر مسلمان اب بھی بیدار نہ ہوئے تو انہیں پھر کب ہوش آئے گا؟ اگر انہوں نے اب بھی اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ نہ کیا تو پھر وہ کس وقت کے انتظار میں ہیں...؟

مسلمان حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ ملتِ کفر کی کاسہ لیسی چھوڑ کر حریت و آزادی اور ہمت و جرأت کا مظاہرہ کریں، اگر وہ مسلمانوں کی جان و مال، عزّت و آبرو اور ایمان و عقیدے کی حفاظت نہیں کرسکتے، تو انہیں مسلمانوں پر اقتدار کا کوئی حق نہیں۔ خدارا! اربابِ اقتدار، خصوصاً مسلم حکمرانوں کو اس صورتِ حال کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے اس کا تدارک اور اپنی غلط پالیسیوں پر نظرِ ثانی کرنا چاہئے۔ اس وقت عالمِ اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، اور مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی مزاحمت کا سامنا ہے، اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو مسلمانوں کی بقاء شدید خطرے میں پڑ جائے گی، ولا فعل اللہ ذٰلک!

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے جنگی جنون اور مسلمانوں کے خلاف ان کی چڑھائی کے درپردہ مقاصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان ریاستوں، خصوصاً سعودی عرب، عراق، مصر اور سوڈان کو تقسیم کے ذریعہ کمزور یا ختم کردیا جائے، اور ان کی جگہ نئی عیسائی حکومتیں قائم کی جائیں، اور اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا فیصلہ کن وار کرکے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے، چنانچہ اس سلسلے میں روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور ۱۲؍ستمبر ۲۰۰۲ء کی چشم کشا رپورٹ ملاحظہ ہو:

''صدر بش اور اس کے رفقاء بنیاد پرست عیسائی ہیں، یہی وجہ ہے کہ افغان جنگ کے آغاز پر صدر بش کے منہ سے

بے اختیار Crusade (صلیبی جنگ) کا لفظ نکل گیا تھا .....
بائبل کے مطابق دُنیا کی آخری جنگ Armageddon (خیر و شر کے درمیان) ہوگی۔ امریکی تاریخ اندیش لوگوں نے اسی وقت یہ بات بھانپ لی تھی کہ بظاہر دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ درحقیقت اسلام کے خلاف صلیبی جنگ ہے، جو مغرب کے بنیاد پرست عیسائیوں کے مطابق دُنیا کی آخری جنگ پر اختتام پذیر ہوگی۔

مغربی پریس کی مختلف رپورٹوں سے اشارہ ملتا ہے کہ عراق کی جنگ آغاز ہے اُس منصوبے کا جس کے تحت مشرقِ وسطیٰ کا نیا نقشہ بنایا جائے گا اور وہاں چار نئی عیسائی اور تین نئی مسلمان ریاستیں بنائی جائیں گی۔ عیسائی ریاستیں جنوبی سوڈان، شمالی مصر (قبطی ریاست) اور جنوبی لبنان پر مشتمل ہوں گی، تین نئی مسلمان ریاستوں میں عراق میں شمالی علاقے پر مشتمل کرد ریاست، جنوبی عراق کی شیعہ ریاست اور سعودی عرب کے مشرقی حصے کی نئی ریاست شامل ہوگی .....اس کے علاوہ تیل کے ذخائر پر کنٹرول اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ بھی اس نئی صلیبی جنگ کا مقصد ہے ..... یہ سب مقاصد بنیاد پرستوں کے نزدیک ''آسمانی پیش گوئی'' کی تکمیل کے بنیادی ہدف ہیں۔''

تاریخی اعتبار سے یہود و نصاریٰ ایک دُوسرے کے جانی دُشمن تھے، مگر اب ایک عرصے سے وہ ایک دُوسرے کے حلیف اور پشت پناہ نظر آتے ہیں، اس نقطۂ اتحاد کا واحد مقصد بھی متفقہ دُشمن اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہے، چنانچہ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کی اسی رپورٹ میں اس راز سے بھی پردہ اُٹھایا گیا ہے:

''سائرس اسکوفیلڈ (۱۸۴۳ء - ۱۹۲۱ء) نامی ایک شخص

نے بائبل لکھی، جو سب سے پہلے ۱۹۰۹ء میں چھپی، اس بائبل
نے بنیاد پرستی کو جنم دیا، اسی بائبل نے یہ عقیدہ دیا کہ اسرائیل کا
قیام لازمی ہے، جب تک عیسائی یہود کی حمایت نہیں کریں گے
حضرت مسیحؑ کی آمد نہیں ہوگی ..... حضرت مسیحؑ کی آمد کے لئے
ضروری ہے کہ قبۂ صخریٰ اور مسجدِ اقصیٰ گرائی جائے ۱۹۸۱ء
میں ریگن نے عیسائی پادریوں سے ملاقات میں کہا تھا کہ سلطنتِ
رُوما کی تجدید ہوگی (اس سے اس کی مراد یورپ کا اتحاد ہے)،
اس طرح کے عقائد و خیالات نے عیسائیوں میں بنیاد پرستی کو
فروغ دیا اور آج امریکہ میں ان کی تعداد ۵ سے ۷ کروڑ کے
درمیان ہے۔ اس وقت امریکہ میں ۹۰ ٹی وی چینل، درجنوں
ریڈیو اسٹیشن بنیاد پرست پادریوں کی تقریریں نشر کرتے ہیں .....
چنانچہ ۱۹۸۲ء میں موجودہ اسرائیلی وزیراعظم جنرل شیرون نے
لبنان پر حملہ کرکے ۲ لاکھ مسلمان شہید کئے تھے، تو امریکہ کا بنیاد
پرست پادری پیٹ رابرٹسن جیپ میں سوار اس حملے میں شریک
تھا، امریکی شہری یہودیوں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔‘‘

لہٰذا آئندہ مسلمانوں کے خلاف برپا کی جانے والی جنگ، صلیبی جنگ ہوگی، اور پورا عالمِ اسلام اس کی زد میں آئے گا، اس سے پہلے کہ مسلمانوں کو اس صلیبی جنگ میں جھونکا جائے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے دفاع کی منصوبہ بندی کرلیں، اور آپس کے اختلافات بھلاکر کوئی متفقہ لائحہ عمل تجویز کریں۔

(ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی شعبان ۱۴۲۳ھ مطابق نومبر ۲۰۰۲ء)

متحدہ مجلسِ عمل
آزمائش کے دوراہے پر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

آج سے تین سال قبل ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء کے غروبِ آفتاب کے ساتھ میاں نواز شریف کی حکومت کا سورج غروب ہوا تو جناب جنرل پرویز مشرف صاحب نے مسندِ اقتدار سنبھال لی، ابتدائی طور پر نواز حکومت کی بے اعتدالیوں اور ظلم و زیادتیوں سے تنگ پاکستانی عوام نے جشن منائے، اور پرویز مشرف صاحب کو اندھیرے میں روشنی کی کرن اور نجات دہندہ تصوّر کیا، مگر افسوس! کہ مشرف صاحب مسندِ اقتدار سے ہم آغوش ہوتے ہی سب کچھ بھول گئے، اور اپنے پیش رُوؤں کی ڈگر پر چل نکلے، بلکہ صحیح معنی میں انہوں نے اپنی بعض پالیسیوں کے اعتبار سے اپنے تمام پیش رُوؤں کو مات کردیا۔

فوجی انقلاب کے نتیجے میں پرویز مشرف صاحب نے جس کرسی کو سنبھالا، وہ انہیں اس قدر اچھی لگی کہ ان کو اقتدار میں رہنے کے لئے عدالت کا سہارا لینا پڑا، چنانچہ عدالت نے انہیں تین سال تک برسرِ اقتدار رہنے کا جواز مہیا فرمایا تو وہ پورے تین سال تک بلاشرکتِ غیرے ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے پاکستان اور مسلمانانِ پاکستان کے مقدر کے سیاہ و سفید کے مالک رہے، مزید ''ریفرنڈم'' کے ذریعہ انہوں نے تادیر صدر رہنے کے لئے باقاعدہ عوام سے منظوری بھی لے لی۔

ان تین سالوں میں عالمِ اسلام، مسلمانوں، پاکستان کے دِینی حلقوں اور دِین دار طبقے پر کیا بیتی؟ دُنیا بھر کے مسلمانوں پر کیا قیامت ٹوٹی؟ طالبان کی اسلامی حکومت کو برباد کرنے کے لئے کیا کیا ظلم ڈھائے گئے؟ امریکہ کو پاکستان میں کس طرح دخیل کیا گیا؟ اور اس میں پاکستان کے اربابِ اقتدار کا کیا کردار رہا...؟ اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، بہرحال مقامِ شکر ہے کہ مشرف صاحب نے تین سال بعد انتخابات کا وعدہ پورا کرتے ہوئے انتخابات کی تاریخ کا اعلان تو کر دیا، مگر ان کی طبیعت، مزاج اور ان کے تین سالہ ریکارڈ سے کسی طرح یقین نہیں تھا کہ انتخابات مقرّرہ تاریخ پر ہو جائیں گے۔

مزید انہوں نے انتخابات میں حصہ لینے والوں کے لئے جس قسم کی شرائط، پابندیاں اور ضابطۂ اخلاق طے کیا، اس سے یہ شک یقین میں تبدیل ہونے لگا کہ انتخابات کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

لیکن بالآخر موصوف نے جب کچھ لوگوں کو منظر سے ہٹانے اور من پسند لوگوں کو آگے لانے کے پورے اسباب و وسائل اختیار کر لئے تو خواہی نہ خواہی اس کڑوی گولی کے نگلنے کا فیصلہ کر ہی لیا، خدا بھلا کرے دِینی جماعتوں کے اربابِ حل و عقد کا کہ اس نازک گھڑی اور مشکل صورتِ حال میں انہوں نے قوم و ملک کو اس گردابِ بلا سے نکالنے کے لئے باہمی تعاون کا ہاتھ بڑھایا اور دِینی قوّتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے، بلاشبہ اگر دِینی قوّتیں اس وقت بیدار مغزی اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ نہ کرتیں، تو اس کا شدید اندیشہ تھا کہ پاکستان سے اسلام، اسلامی اقدار اور اہلِ دِین کا نام و نشان مٹا دیا جاتا۔

ہمارے خیال میں دِینی قوّتوں کے اتحاد کا فیصلہ بالکل صحیح، بروقت، ملک و قوم کے حق میں مفید اور ملکی استحکام کے لئے از حد ضروری تھا۔

خدانخواستہ اگر اس موقع پر دِینی قوّتیں حسبِ سابق انتشار کا شکار رہتیں، تو

ظاہر ہے کہ اسلامی مزاج کے حامل افراد اور دِین دار طبقے کے ووٹ جماعتی وابستگیوں کے اعتبار سے تقسیم ہوجاتے، جس کا پورا پورا فائدہ لادِین قوّتوں اور آزاد خیال طبقے کو ہوتا، اور وہ ان کی آپس کی تقسیم در تقسیم کا فائدہ اُٹھاتے اور انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوکر یہ ڈھول پیٹتے کہ ...نعوذ باللہ... پاکستانی عوام اسلام کو نہیں چاہتی، اور وہ بطور دلیل انتخابی نتائج کو پیش کرکے کہتے کہ اگر پاکستانی عوام اسلام اور اسلامی نظام کو چاہتی، تو دِینی قوّتوں کو ناکامی کیوں ہوتی؟ چنانچہ اخبارات کا ریکارڈ اس پر شاہد ہے کہ گزشتہ انتخابات میں دِینی قوّتوں کی شکست پر بیرونی دُنیا کے اخبارات نے باقاعدہ یہ پھبتی اُڑاتے ہوئے سرخی چسپاں کی تھی کہ: ''پاکستان میں اسلام ہار گیا، اور پاکستانیوں نے اسلام کو مسترد کردیا'' اس پر باقاعدہ کئی دن تک اخبارات میں تبصرے گرم رہے اور مضامین و مقالات لکھ کر مسلمانوں کے قلب وجگر پاش پاش کئے جاتے رہے۔

حسبِ سابق اس بار بھی دِین بیزار طبقے کو پوری اُمید تھی کہ وہ دِینی جماعتوں کے انتشار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انتخابی معرکہ جیت کر یہ صور پھونکیں گے کہ قوم نے اسلام اور اسلام پسند قوّتوں کو مسترد کردیا ہے، چنانچہ انتخابی میدان میں اُترنے والے دِین دار اُمیدواروں کو خوب ڈرایا، دھمکایا گیا، ان کی راہ روکی گئی، اور ان کو خوب تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، مگر بحمداللہ! ایک طرف دِینی قوّتوں کی حکمتِ عملی کارآمد ثابت ہوئی اور دُوسری طرف مجاہدینِ افغانستان کی بے کسی، مظلومیت اور شہیدوں کا خون رنگ لایا، تو صورتِ حال یکسر تبدیل ہوگئی، اسی طرح جب قوم نے اس تین سالہ گھٹن کی فضاء سے نکل کر ضمیر کا فیصلہ سنایا، تو خوف و دہشت کی تاریکی چھٹ گئی، اور دِینی قوّتوں کی بھرپور کامیابی سپیدۂ صبح کی طرح نکھر کر سامنے آگئی، ظلم و تشدّد اور خوف و دہشت کی تاریکی میں پروان چڑھنے والوں کے اوسان خطا ہوگئے، ان کی آنکھیں چندھیا گئیں، دِل و دِماغ ماؤف ہوگئے اور ان کے خواب چکناچور

ہوگئے، چنانچہ تاحال وہ یہ یقین کرنے پر آمادہ نہیں کہ دِینی جماعتوں کو اس قدر بھاری کامیابی بھی ہوسکتی ہے...؟

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے، اور حقیقت سے آنکھیں بند کرنا کسی عقل مند کا کام نہیں، اربابِ اقتدار کی طرح دُوسری جماعتوں کو بھی اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اپنی شکست کو تسلیم کرلینا چاہئے، بلکہ اہالیانِ پاکستان کے ضمیر کی آواز، دِینی جذبہ اور ان کی اسلام پسندی کے فیصلے کو ٹھکرا کر ان کی توہین نہیں کرنا چاہئے۔

یہ خیال بھی اپنی جگہ وزن رکھتا ہے کہ دِینی جماعتوں کی کامیابی میں افغانستان کی شکست و ریخت، طالبان کی مظلومیت، مسلمانوں پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مظالم، خطے میں اس کی موجودگی اور پرویز مشرف کی امریکہ نواز پالیسیوں کا بھی بڑا دخل ہے، اور مسلمانوں کی سوچ وفکر کی تبدیلی اسی کا رَدِّعمل ہے، تاہم اس کا اصلی اور حقیقی سبب تو وہی ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، کیونکہ ہمارے خیال میں دِینی جماعتوں کا ووٹ بینک کبھی بھی کم نہیں ہوا، البتہ ہماری غلط حکمتِ عملی کے سبب اس کا تناسب کم محسوس ہوتا تھا، جس کی وجہ سے ہم دِین بیزار قوّتوں کی کامیابی سے کسی قدر احساسِ کمتری کا شکار بھی ہوگئے تھے، لیکن اب جب صحیح حکمتِ عملی اپنائی گئی، اُوپر سے یہ دُوسرے عوامل بھی شامل ہوگئے تو نتائج یکسر بدل گئے۔

غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ دِینی قوّتوں کو چاروں صوبوں میں اس کثرت سے ووٹ ملے ہیں کہ مخالف انگشت بدنداں ہوکر رہ گئے ہیں، خصوصاً سرحد اور بلوچستان میں تو وہ ایک بڑی قوّت بن کر اُبھری ہیں۔

متحدہ مجلسِ عمل کی شاندار کامیابی سے ان کی آزمائشوں کا ایک مرحلہ تو بخیر و خوبی مکمل ہوگیا، مگر صحیح معنی میں اس کے حقیقی امتحان اور آزمائش کا دور اَب شروع ہوگا، اس لئے اب متحدہ مجلسِ عمل کے کارپردازوں کو پہلے سے کہیں زیادہ چوکس و چوکنا رہ کر نہایت بیدار مغزی سے اس کا ثبوت دینا ہوگا کہ قوم نے ان پر جس بھرپور اعتماد کا

اظہار کیا ہے، واقعتاً وہ اس کے اہل ہیں۔

اس وقت رُوس، امریکہ، برطانیہ اور پوری دُنیا کے اسلام دُشمن عناصر، لابیاں، قوّتیں، اندرونی و بیرونی دُشمن اور ان کے دِل و دِماغ اس اُدھیڑ بُن، منصوبہ بندی اور سازشوں میں مصروف ہیں کہ کسی طرح متحدہ مجلسِ عمل ناکام ہوجائے اور اس سے قوم کا اعتماد اُٹھ جائے۔

ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ متحدہ مجلسِ عمل کے شرکاء سمجھ دار، زیرک، منجھے ہوئے سیاست دان، تجربہ کار راہ نما اور اپنے اپنے مکتبِ فکر کے قابلِ اعتماد بزرگ ہیں، لیکن "الدین النصیحة" کے تحت ہم اس نازک صورتِ حال اور آزمائش کی گھڑی میں چند معروضات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے کہ متحدہ مجلسِ عمل کی کامیابی سے دِین بیزار حلقوں کے پیٹ میں جس قسم کا مروڑ اُٹھ رہا ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، وہ متحدہ مجلسِ عمل کی اس کامیابی کو کسی صورت ٹھنڈے پیٹوں ہضم کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ وہ متحدہ مجلسِ عمل کو چاروں شانے چت کرنے، انہیں ناکام بنانے اور ان کا راستہ روکنے کی کس کس طرح کوششیں کریں گے؟ اس کے سدِ باب کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اور کس حزم و احتیاط کی ضرورت ہے؟ ہمارے خیال میں ان تمام اُمور کی نشاندہی ازحد ضروری ہے، (قطع نظر اس کے کہ ہماری رائے صحیح ہو اور اس سے اتفاق بھی کیا جائے) متحدہ مجلسِ عمل کی درج ذیل خطوط پر راہ روکنے کی کوشش کی جائے گی:

۱:... مخالفین کی پہلی کوشش ہوگی کہ متحدہ مجلسِ عمل کا موجودہ اتحاد کسی طرح ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوجائے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ متحدہ مجلسِ عمل کی موجودہ کامیابی اسی اتحاد کی برکت کا نتیجہ ہے، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انتشار و افتراق سے ان کی فتح، شکست میں تبدیل ہوجائے گی، چنانچہ ماضی کی ۱۹۷۷ء کی نظامِ مصطفیٰ تحریک کی کامیابی کے بعد شکست اسی باہمی انتشار کا نتیجہ تھی، اس لئے مخالفین متحدہ مجلسِ عمل کے

شرکاء میں ایک دُوسرے کے خلاف غلط فہمیاں، بدگمانیاں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

۲:... وہ غیرمحسوس طور پر متحدہ مجلسِ عمل کے قومی وصوبائی اسمبلی کے کامیاب ارکان پر بھی محنت کریں گے کہ وہ اپنے پارٹی لیڈروں سے بدظن ہوکر ان پر عدمِ اعتماد کا اظہار کردیں۔

۳:... وہ عہدوں اور مناصب کی تقسیم کے وقت بھی بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی سعی کریں گے، خصوصاً جن ارکان کو کوئی عہدہ یا منصب نہ مل سکا، وہ ان کو خیرخواہی اور ہمدردی کے انداز سے آمادۂ بغاوت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے، اس لئے متحدہ مجلسِ عمل کے ذمہ داران سے درخواست ہے کہ وہ اپنے کامیاب ارکان کی پیشگی ذہن سازی کریں، اور انہیں باور کرائیں کہ اقتدار کی کرسی ہماری منزل نہیں۔

۴:... ان کی کوشش ہوگی کہ متحدہ مجلسِ عمل نے اپنے انتخابی منشور میں جو جو اعلان کئے ہیں، ان پر عمل درآمد نہ ہونے پائے تاآنکہ عوام ان سے بدظن ہوجائے۔

۵:... ان کی کوشش ہوگی کہ متحدہ مجلسِ عمل کو اقتدار کی کرسی پر بٹھاکر اسے بے دست و پا اور مفلوج کردیا جائے اور یہ ڈھنڈورا پیٹا جائے کہ دِینی قوّتیں برسرِ اقتدار آنے کے باوجود اپنے پروگرام میں مخلص نہیں تھیں۔

۶:... جن جن حلقوں سے متحدہ مجلسِ عمل کے ارکان کامیاب ہوئے ہیں، ان حلقوں کے ترقیاتی منصوبے معرضِ التواء میں ڈال کر عوام کو ان کے خلاف سڑکوں پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔

۷:... ان کو سابقہ خارجہ پالیسی برقرار رکھنے، خصوصاً پڑوسی ملک افغانستان کی موجودہ حکومت اور طالبان کے بارے میں مشرف حکومت کی پالیسیوں کو برقرار رکھنے اور خطے میں امریکہ کی موجودگی پر رضامندی کے لئے پورا پورا دباؤ ڈالنے کی کوشش کی

جائے گی۔

۸:... نفاذِ اسلام کی راہ میں قدم قدم پر رُکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی، اور انہیں وقتی مصلحتوں میں اُلجھانے کی کوشش کی جائے گی۔

۹:... اسی طرح پڑوسی ملک بھارت کی جانب سے سرحدوں کی مخدوش صورتِ حال کو ہوّا بنا کر پیش کیا جائے گا، اور کشمیر پالیسی سے دستبرداری کا مشورہ بھی دیا جائے گا۔

۱۰:... ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کو، سودی نظام کے تسلسل کے ساتھ مشروط کرکے اسے برقرار رکھنے پر بھی زور دیا جاسکتا ہے۔

۱۱:... متحدہ مجلسِ عمل کو حکومت سازی کے لئے جناب پرویز مشرف کی صدارت کی کڑوی گولی نگلنے پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔

خدانخواستہ اگر متحدہ مجلسِ عمل نے ان میں سے کسی ایک معاملے میں بھی کمزوری دِکھائی تو اسلام دُشمن قوّتیں اپنے ناپاک منصوبوں میں کامیاب ہوجائیں گی۔

اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام ممکنہ خطرات و خدشات کو سامنے رکھ کر کوئی قدم اُٹھایا جائے۔

قطع نظر اس کے کہ متحدہ مجلسِ عمل حکومت سازی میں شریک ہو یا نہ ہو، اس کے تمام ارکان کو چاہئے کہ وہ بلاتفریق ہر شہری کی خدمت اور ملک و قوم کی عزّت و ناموس کے تحفظ کو اپنا شعار بنائیں، ملک سے بے دِینی، فحاشی، عریانی کی لعنت کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کریں، حتی المقدور اسلامی اقدار کی سربلندی اور نفاذِ اسلام کی جدوجہد جاری رکھیں، وعدۂ الٰہی: "اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ" کے تحت اِن شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی اور کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

پاکستان میں آئندہ کس کی حکومت بنتی ہے؟ اور اقتدار کا ہما کس کے سر پر بیٹھتا ہے؟ اس سلسلے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا، بظاہر پی پی پی اور پاکستان مسلم

لیگ (قائداعظم) کی سب سے زیادہ نشستیں ہیں، اور غالب گمان بھی یہی ہے کہ ان دو میں سے کوئی ایک اپنے اتحادیوں کی مدد سے حکومت بنائے گی۔ پی پی براہ راست خود کئی بار برسرِ اقتدار رہ چکی ہے، جبکہ پاکستان مسلم لیگ (قائداعظم) کے اکثر حضرات بھی انفرادی طور پر اس گنگا سے اشنان کر چکے ہیں، بہرحال جو بھی حکومت بنائے، ان سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنے پیش رُووٴں کے انجام سے سبق حاصل کریں، اور آئندہ ان پالیسیوں کو نہ دہرائیں جن کی بدولت خدانخواستہ پاکستانی عوام ان پر دو حرف بھیج کر ان سے جان چھڑانے کی کوشش کریں، خصوصاً پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو کھودنے کی ناپاک کوشش کرنے والوں کی راہ روکیں، اور ایسے افراد یا جماعت کو پاکستان کے مقدّر سے کھیلنے کی اجازت نہ دیں جو قوم و ملک کا غدار ہو۔ اسی طرح اب جبکہ قوم نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا ہے تو انتقام کی سیاست چھوڑ کر صدقِ دل سے بلاامتیاز تمام شہریوں کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ظلم و تشدّد سے اقتدار کو طول نہیں دیا جاسکتا، جبکہ عدل و انصاف، مروّت اور دِل داری سے دِلوں کو جیتا اور ان پر حکومت کی جاسکتی ہے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۲ء)

مذہبی قوّتوں کو بدنام کرنے کی سازش!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

الیکشن ۲۰۰۲ء میں پہلی بار دِینی جماعتوں کے اتحاد ''متحدہ مجلسِ عمل'' کی ملک بھر سے کامیابی، خصوصاً بلوچستان اور سرحد سے بالترتیب سادہ اور واضح اکثریت حاصل کرنے، ملک بھر کی دُوسری بڑی سیاسی جماعتوں میں سے کسی کو دوتہائی نشستیں حاصل نہ کرنے کے بعد اس کے امکانات ہوگئے تھے کہ اِن شاء اللہ اب ملکی امن و امان کی گاڑی صحیح سمت پر چل پڑے گی، اور آئندہ کسی بے گناہ کی جان و مال اور عزّت و آبرو سے نہیں کھیلا جائے گا، یہاں امریکی مفادات کے بجائے پاکستان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے گا، ہماری قسمت کے فیصلے وائٹ ہاؤس کے بجائے پاکستان اسمبلی میں کیے جائیں گے، امریکی خفیہ ایجنسی ایف بی آئی کے بجائے پاکستانی پولیس اور خفیہ ایجنسیاں ہی ملکی مفادات کا تحفظ کریں گی، یہاں سے خوف و ہراس اور تشدّد و دہشت گردی کا صفایا کردیا جائے گا، اب یہاں ''القاعدہ'' کے نام سے شریف شہریوں پر چڑھائی نہیں کی جائے گی، چادر و چاردیواری کا تحفظ کیا جائے گا، آزادیٔ ضمیر اور اظہارِ رائے کا پاس کیا جائے گا، کسی دِین دار کو جہادِ افغانستان سے تعلق کی بنا پر گرفتار نہیں کیا جائے گا، اور امریکہ بہادر سے یہ کہہ کر معذرت کرلی جائے گی کہ پاکستانی عوام مذہب و ملت سے والہانہ تعلق کی بنا پر دِینی قوّتوں کو ووٹ دے کر آپ کے

خلاف فیصلہ دے چکی ہے، اس لئے آپ ہمارے ہوائی اَڈّے اور پاکستانی سرزمین خالی کردیں۔ اسی طرح اس بات کی قوی توقع تھی کہ ملک بھر میں امریکی مفادات کی محافظ ایجنسیوں اور مراکز سے بھی یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے گی کہ لاجسٹک سپورٹ کے سلسلے میں فراہم کی گئی سہولتوں کو ہم مزید جاری نہیں رکھ سکتے، کہ ہماری عوام مزید اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بلکہ بعض دانشوروں کا یہ تجزیہ تھا کہ جناب پرویز مشرف صاحب متحدہ مجلسِ عمل کو حکومت سازی کی دعوت دے کر بڑی آسانی سے امریکہ بہادر کی قید سے رہائی حاصل کرلیں گے۔

مگر حالات و واقعات نے جس طرح پلٹا کھایا اور حکومت سازی میں باوردی صدر نے جس طرح کا کردار ادا کیا ہے، اس سے تقریباً یقین ہوچکا ہے کہ جناب پرویز مشرف صاحب برضا و رغبت پاکستان کو امریکی مفادات کی قربان گاہ پر ڈھیر کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے مرحلے میں ہارس ٹریڈنگ کی ممنوعہ پالیسی میں نرمی کی گئی، ارکانِ اسمبلی کو اپنی پارٹی بدلنے کی اجازت دی گئی، ''ناپسندیدہ'' پارٹیوں کے ارکان کو ''پسندیدہ'' جماعت میں غیراعلانیہ شمولیت کی ترغیب دی گئی، سیاسی رشوت کے طور پر ان کو وزارتیں دی گئیں، متحدہ مجلسِ عمل کی حکومت سازی کی راہ روکی گئی، بعض جگہوں پر بڑی جماعتوں کو دیوار سے لگانے کی پالیسی اپنائی گئی، اور کہیں ایسے افراد کو اعلیٰ سرکاری مناصب کے لئے دعوت دی گئی جن پر دسیوں مقدمات تھے اور وہ نیب کو مطلوب تھے۔

سب سے بڑھ کر جس کا افسوس ہوا، وہ یہ کہ نئی حکومت بننے کے بعد غیرمحسوس انداز سے اہلِ دِین اور دِین دار قیادت کو بدنام کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے مصنوعی دہشت گردی کے واقعات کے عمل کو تیز تر کردیا گیا، چنانچہ ہفتۂ رفتہ کے اخبارات اُٹھاکر دیکھئے تو دہشت گردی کی تمام وارداتوں میں سے کسی کے بارے

میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا کہ یہ کس نے کی ہے؟ مگر اس میں کام آنے والوں کو مذہبی جماعتوں کے کارکن باور کراکر بزورِ قوّت انہیں مذہبی قوّتوں کے کھاتے میں ڈال دیا گیا، مثلاً:

الف:... کراچی کیمیکل گودام کے ہولناک دھماکے میں جاں بحق ہونے والے پانچ افراد کو ایک کالعدم مذہبی جماعت کے کارکن بتلایا گیا ہے، جبکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟

ب:... اسی طرح ملیر پل کو بموں سے اُڑانے کے نام نہاد منصوبے کے سلسلے میں گرفتار چار افراد کو بھی ایک کالعدم مذہبی جماعت کے کارکن باور کرایا گیا ہے۔

ج:... ایسے ہی شیرشاہ میں ہونے والے دھماکے کو بھی مذہبی دہشت گردی کا شاخسانہ قرار دیا گیا ہے۔

دُوسری جانب ایسے دِین دار، باشرع اور شریف شہریوں کو جو اپنے مظلوم اور مفلوک الحال بھائیوں کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہیں ''القاعدہ'' سے تعلق کی بنا پر بلاثبوت گرفتار کرنے کی شرمناک کاروائیوں میں تاحال کوئی کمی نہیں آئی۔

گزشتہ دنوں ڈاکٹر عامر عزیز جیسے اچھی شہرت کے نیک خصلت انسان کی ایف بی آئی اور پاکستانی ایجنسیوں کے ہاتھوں گرفتاری، تشدّد، توہین و تذلیل اور ذہنی اذیت کا معاملہ کسی سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ ملک بھر کی دِینی قیادت، ڈاکٹروں کے احتجاج اور عدالت کی مداخلت سے بڑی مشکل سے ان کی بے گناہی اور رہائی عمل میں آئی۔

یہ معاملہ ابھی تازہ ہی تھا کہ ایف بی آئی، جناب ڈاکٹر احمد جاوید خواجہ ایسے ضعیف العمر انسان کو اس الزام میں رات کی تاریکی میں ان کے گھر سے نہایت توہین آمیز انداز میں ان کے بیٹوں، خاندان کے متعدّد افراد اور مہمانوں سمیت اُٹھا کر لے گئی، جن کا تاحال کوئی پتہ نہیں کہ وہ کس حال میں اور کہاں ہیں؟ جس پر تاحال پورا

ملک سراپا احتجاج ہے۔

ایسے ہی ملک کے نام وَر مذہبی راہ نما، سنجیدہ صحافی اور مشہور دانشور مولانا مسعود اظہر ایک سال سے بلا کسی جرم کے پابندِ سلاسل ہیں، حالانکہ عدالت ان کو بے گناہ قرار دے کر ان کی رہائی کا حکم دے چکی ہے، مگر تا حال حکومت ان کو چھوڑنے پر شاید اس لئے آمادہ نہیں کہ امریکہ بہادر یا اس کا حلیف اور ہمارا اَزلی دُشمن بھارت ناراض ہوجائے گا۔

ان حالات و واقعات کے تناظر میں جہاں ایک طرف ایسے افراد کو، جن پر سوِل اور فوجی حکومت کے دور میں ملکی خزانے لوٹنے، لوگوں کی جان و مال سے کھیلنے اور قتل و غارت گری کے متعدّد مقدمات قائم ہیں، باعزّت بَری کرکے اقتدار کی کرسی پر بٹھانے کی سعی، دُوسری طرف ایسے لوگوں کو جو دیانت و امانت اور شرافت کی علامت ہیں، ان پر کسی قسم کا کوئی مقدمہ نہیں ہے، ان کو بدنام کرنا، ان کو ناکردہ گناہوں سے متّہم کرنا اور ان پر بے جا مقدمات قائم کرکے پابندِ سلاسل کرنا، کیا اس بات کی عکاسی نہیں کرتا کہ حکومت جان بوجھ کر دِینی قیادت کو بدنام کرنے اور انہیں نیچا دِکھانے کی ناپاک کوششوں میں مصروف ہے...؟

جبکہ آزاد ذرائع اور دِینی حلقوں میں یہ احساس بڑی شدّت سے زور پکڑ رہا ہے کہ موجودہ دھماکے اور پُرتشدّد کارروائیاں پاکستان میں موجود امریکی ایجنسیوں اور ان کے آلۂ کار اربابِ اقتدار کی کارستانیاں ہیں، جن کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اس سے ایک طرف مذہبی قوّتوں کو بدنام کیا جائے اور میڈیا میں یہ تأثر دیا جائے کہ مذہبی قوّتیں ملک دُشمن ہیں، جبکہ دُوسری طرف اس کے ذریعہ مصنوعی پولیس مقابلوں کی طرح ایسے مذہبی کارکنوں کو جو غیراعلانیہ طور پر پہلے سے پولیس کی تحویل میں تھے، ٹھکانے لگانے کا کام کیا جائے۔

ہم اربابِ اقتدار سے گزارش کرنا چاہیں گے کہ ان کو اس رَوِش سے باز

آجانا چاہیئے، ورنہ نہ صرف یہ کہ ان کو یہ طرزِ عمل مہنگا پڑے گا، بلکہ انہیں مکافاتِ عمل کے لئے تیار رہنا چاہیئے، اس لئے کہ بارگاہِ الٰہی میں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ ملک وقوم اور خود ان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ امریکی مفادات کے بجائے ملکی اور قومی مفادات کو ترجیح دیں اور اس بات کا کھوج لگائیں کہ اس صورتِ حال کے پسِ پردہ کون سی قوّتیں ہیں؟ اور کون سے عناصر ہیں جو پوری اسلامی برادری اور پاکستان کی نیک نامی کو داؤ پر لگانے پر تلے ہوئے ہیں؟ ہمارے خیال میں موجودہ صورتِ حال بھی امریکہ کی پیدا کردہ ہے، کیونکہ مری، پنڈی اور ٹیکسلا کے اسکول اور چرچ پر حملہ آوروں کے بارے میں عینی شاہدوں کی یہ شہادت ریکارڈ پر آچکی ہے کہ حملہ آور پاکستانی نہیں، سفید رنگ کے غیرملکی لوگ تھے، اس طرح یقین کی حد تک یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ ان پُرتشدّد کارروائیوں کا مقصد بھی صرف اور صرف یہ ہے کہ ملک کو افراتفری سے دوچار کرکے امریکی ایجنسیوں کے طویل قیام کا جواز مہیا کیا جائے۔

دُوسری طرف مسلمانوں سے درخواست ہے کہ موجودہ صورتِ حال ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے، ہمیں فوراً بارگاہِ الٰہی میں رُجوع کرنا چاہیئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیئے، کیونکہ "أعمالکم عمالکم" کے مصداق ہمارے بُرے اعمال ہی ہم پر ان حکمرانوں کے تسلط کا سبب ہیں، لہٰذا پہلی فرصت میں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس لئے تمام مسلمان سورۂ یٰسین کا وِرد کریں، اور قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں، اور بارگاہِ الٰہی میں درخواست کریں کہ یا اللہ! ہمارے گناہوں کی سزا پوری قوم کو نہ دیجئے اور ہمیں معاف فرمادیجئے، آمین!

(ماہنامہ "بینات" کراچی ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق فروری ۲۰۰۳ء)

عراق کے خلاف امریکی جارحیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اگر ایمان وعمل کا نور اور مواخذۂ آخرت کا احساس نہ ہو تو قوّت و طاقت کی فراوانی، مال و دولت کی کثرت، اسباب و وسائل کی بہتات اور حکومت و اقتدار کی وسعت سے نہ صرف اربابِ اقتدار بلکہ عام انسانوں کا بھی دِماغ خراب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ انہیں آسمان و زمین میں اپنے علاوہ کوئی دُوسرا انسان دِکھائی دیتا ہے، اور نہ انہیں اچھے اور بُرے کی تمیز رہتی ہے، بلکہ انہیں اپنے پرائے کا امتیاز بھی نہیں رہتا۔ ظلم وتشدّد، بہیمیت وشیطنت، قتل و غارت اور فساد فی الارض ان کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے، وہ چند روزہ زندگی کی عارضی قوّت و طاقت اور حکومت و اقتدار کے نشے میں مدہوش ہوکر اس بھوکے بھیڑیئے کا رُوپ دھار لیتے ہیں جو بکریوں کے ریوڑ میں پہنچ جائے۔

چنانچہ تاریخِ عالم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رُبوبیت و وحدانیت کا انکار اور ذاتِ الٰہی سے بغاوت کا نعرہ بھی ہمیشہ انہوں نے لگایا جن کے پاس اسباب و وسائل کی بہتات اور فراوانی تھی، ایسے ہی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے خونِ ناحق سے ہاتھ رنگنے والے بدباطن بھی وہی تھے جن کے پاس کسی خطے کا اقتدار یا حکومت تھی، یا پھر ان کے پاس اس دُنیائے دنی کے چند سکّے تھے، جیسا

کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَاِذَآ اَرَدْنَـآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا.''

(بنی اسرائیل:۱۶)

ترجمہ:... ''اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو، حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو، پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں، تب ثابت ہوگئی ان پر بات، پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اُٹھا کر۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

صرف یہی نہیں بلکہ تاریخِ اُمم اُٹھا کر دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مقابلے میں آنے والے آزر، فرعون، ہامان، قارون اور شداد وغیرہ بھی وہی لوگ تھے جو یا تو اپنے وقت کے برسرِ اقتدار تھے یا مال و دولت سے سرشار، ایسے ہی سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار بھی انہیں لوگوں نے کیا جو مال و زَر یا حکومت و اقتدار کے نشے میں مدہوش تھے۔

گویا حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کا معاملہ ہو، یا مقدس رسولوں کے قتلِ ناحق کا گھناؤنا جرم، کعبۃ اللہ کو ڈھانے کا ناپاک منصوبہ ہو یا اسلام اور مسلمانوں کی راہ روکنے کی ناپاک سازش، حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کے اسباب ہوں یا حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مشن پر قدغن، اور سیّد الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاقی دِین کو مٹانے کی جسارت، سب میں یہی قدر مشترک تھی کہ اس کے محرک یا تو مال و اسباب سے مالا مال تھے، یا پھر قوّتِ اقتدار کے نشے میں مدہوش۔

چنانچہ انہوں نے ان مادّی اسباب و وسائل کو ہی سب کچھ سمجھ کر ''أنا و لا غیری!'' کا نعرہ لگایا اور اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے نکل کھڑے ہوئے،

افسوس! کہ ان کو اپنی قوّت و طاقت تو نظر آئی، مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قوّتِ قاہرہ کی طرف توجہ نہ کی، جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے صفحۂ ہستی سے مٹادیئے گئے۔

قوّت و طاقت اور حکومت و اقتدار کے اس عدمِ توازن نے دورِ حاضر کے سورما امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو بھی کچھ اسی صورتِ حال سے دوچار کر رکھا ہے کہ انہیں دُنیا کے کسی خطے میں بسنے والا کوئی مسلمان برداشت نہیں، انہیں ہر مسلمان قابلِ گردن زدنی نظر آتا ہے، ان کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی مسلمان سر اُٹھا کر کیوں چلتا ہے؟

بدقسمتی سے مسلمانوں کے ہاتھوں رُوس کی شکست سے امریکہ بہادر کو اپنی غیر معمولی قوّت و طاقت اور پوری دُنیا پر اپنے اقتدار کا احساس ہونے لگا ہے، شاید اسے یہ بھول گیا ہے کہ جو قوّت رُوس کو شکست سے دوچار کرسکتی ہے وہ امریکہ کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹاسکتی ہے۔ مگر افسوس! کہ مسلمانوں کی بزدلی، بے ہمتی اور بے حمیّتی نے امریکہ کو اس کے عزائم کی تکمیل میں بھرپور مدد اور تعاون کا یقین دلادیا، جس کی وجہ سے اس نے پہلے پہل افغانستان پر ہاتھ صاف کیا اور اب وہ پوری دُنیا کی مخالفت کے باوجود عراق پر چڑھائی کا تہیہ کرچکا ہے۔ اسے بھارت کی درندگی، اسرائیل کی سفاکی اور کوریا کے مہلک ہتھیار نظر نہیں آتے، وہ دُنیائے کفر کی بربریت اور جبر و تشدّد سے آنکھیں بند کئے، اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا بگل بجا رہا ہے۔

اس کا کفر و عناد اور بغض و عداوت چھپائے نہیں چھپ رہا، اس کے اتحادیوں میں سے جرمنی، فرانس اور رُوس اسے اس حملے سے باز رکھنے کی کوششوں میں ہیں مگر وہ باؤلے کتے کی طرح مسلمانوں کو کاٹ کھانے کے لئے بے تاب ہے۔

اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل اس کے گھر کی لونڈی کا کردار ادا کررہی ہیں، اور اس کی حسبِ منشا مسلمانوں، خصوصاً عراق کے خلاف جارحیت اور حملے کے لئے قراردادوں پر قراردادیں پاس کرکے اُسے جواز مہیا کررہی ہیں۔

دُوسری طرف دُنیا کے نقشے پر موجود چھپّن اسلامی ممالک میں سے اکثر اس

کی ہم نوائی کا دَم بھر رہے ہیں، غالباً مسلمانوں کی اسی کمزوری، بزدلی اور بے غیرتی کی بنا پر وہ مزید شیر ہو رہا ہے، اس موقع پر چند ایک اسلامی ممالک کا طرزِ عمل نہایت قابلِ تقلید ہے، خاص طور پر ملائیشیا کے وزیر اعظم اور غیروابستہ تحریک کے آئندہ چیئرمین ڈاکٹر مہاتیر محمد کا یہ بیان اُمتِ مسلمہ کے جذبات کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتے ہوئے نہایت جرأت و بہادری کا آئینہ دار ہے کہ:

''عراق پر حملہ عالمِ اسلام کے خلاف جنگ سمجھا جائے گا، مغرب دُنیا کو فتح کرنے کے لئے دہشت گردی کو استعمال کر رہا ہے، مغربی طاقتیں اگر عراق میں کامیاب ہوگئیں تو اس کے بعد ایران اور شمالی کوریا کی باری آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ غیروابستہ تحریک کے رکن ممالک اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے دُنیا پر بعض ممالک کے غلبے کی خواہش کے خلاف دِفاع کے لئے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں۔ انہوں نے کہا کہ عراق پر حملے کا تعلق وسیع تباہی کے ہتھیاروں سے نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو امریکہ، عراق کی بجائے شمالی کوریا پر زیادہ توجہ دیتا، جس نے ان ہتھیاروں کی موجودگی کا اعتراف بھی کرلیا ہے۔ لیکن مغرب اس کے بارے میں نرم رویہ اختیار کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شمالی کوریا کے بارے میں مغرب کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہے اور عراقی بحران کا نشانہ بھی صدام حسین نہیں، اسلام ہے۔ مہاتیر محمد نے اقوامِ متحدہ کے مالیاتی اداروں پر بھی تنقید کی کہ وہ چند طاقتور ممالک کے ہاتھوں آلہ کار بنے ہوئے ہیں ......''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۲ر فروری ۲۰۰۳ء)

اسی طرح زمبابوے کے صدر موگابے اور کیوبا کے صدر فیڈرل کاسترو کا وہ بیان بھی حقیقت پر مبنی ہے جو انہوں نے غیروابستہ تحریک کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا، چنانچہ انہوں نے کہا:

''بش اور بلیئر جیسے توسیع پسند، دُنیا میں نیا سامراجی نظام لانا چاہتے ہیں۔ کیوبا کے افسانوی شہرت کے صدر فیڈرل کاسترو نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امیر ممالک کا ذہنی طور پر مریضانہ طرزِ عمل دُنیا کو خاکستر بنادے گا۔ تفصیلات کے مطابق انہوں نے کہا کہ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ نوعِ بشر امیر ممالک کے احمقانہ طرزِ عمل سے اپنی معدومیت کے خطرے کا شکار ہوگئی ہے۔ موگابے نے اس موقع پر اپنی تقریر میں کہا کہ امریکا واحد سپر پاور ہونے کے نشے میں مخمور ہوکر اور برطانیہ ایک نیا جنم لینے والی نوآبادیاتی قوّت کی صورت میں دیگر مغربی ممالک سے مل کر شکار کی تلاش میں ایسے غضبناک کتوں کی صورت اختیار کر گئے ہیں جو مزید خون کی بو اور بالخصوص تیسری دُنیا کا خون پینے کے لئے بوسونگھتے پھر رہے ہیں۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۶رفروری ۲۰۰۳ء)

امریکہ کے اس اسلام دُشمن اور انسانیت کش کردار کی دُنیا بھر میں مذمت کی جارہی ہے، حتیٰ کہ خود امریکہ، برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا اور جرمنی کے لاکھوں افراد نے اس امریکی جارحیت کے خلاف مظاہرے کئے، قراردادیں منظور کرائیں، بلکہ اس وقت پوری دُنیا میں امریکہ کی اس جارحیت و تشدّد سے نفرت کا اظہار کیا جارہا ہے، لیکن وہ اپنی قوّت و طاقت کے زعم میں پاگل ہوکر درندگی اور بربریت پر تلا ہوا ہے، یہاں تک کہ سلامتی کونسل کو دھمکی دیتا ہے کہ:

''اگر اس نے عراق کے خلاف حملہ کرنے کی منظوری نہ دی تو اس کی افادیت ختم ہوجائے گی۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۲رفروری ۲۰۰۳ء)

اسی طرح وہ ببانگِ دہل اعلان کرتا ہے کہ:

''عراق سے نمٹنے کا وقت آگیا ہے، ویٹو کے باوجود حملہ کریں گے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۲رفروری ۲۰۰۳ء)

دُوسری طرف دُنیائے مغرب میں سے صرف برطانیہ، امریکی عزائم کی تکمیل اور مسلمانوں کی نسل کشی میں اس کا ہم نوا ہے، ورنہ پوری دُنیا، چاہے دِکھاوے کے طور پر ہی سہی، اس امریکی پروگرام کی مخالف ہے۔

لیکن اس صورتِ حال کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں سے اکثر امریکہ کی ہم نوائی کرتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ خصوصاً عرب امارات، کویت اور پاکستان کا کردار نہایت ہی مشکوک ہے، اسی طرح ترکی اور سعودی عرب بھی پاکستان کی طرح گوں مگوں کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں، ہمارے خیال میں اگر تمام اسلامی ممالک ملائیشیا کے وزیرِاعظم مہاتیر محمد کی طرح یک زبان ہوکر امریکہ کی مخالفت میں سینہ سپر ہوجاتے تو ممکن نہیں کہ امریکہ اس قدر جرأت کا مظاہرہ کرتا۔

مغربی دُنیا کی اسلام دُشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، اس لئے اگر وہ مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے پر کمربستہ ہوجائیں یا ان کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنائیں تو اس پر کوئی تعجب نہیں، افسوس اس پر ہے کہ آخر مسلمانوں کا ضمیر اس قدر کیوں مردہ ہوچکا ہے کہ وہ ظلم کو ظلم کہنے کی جرأت سے محروم ہوگئے ہیں...؟

اس وقت مسلم ممالک اپنے اپنے علاقائی مسائل و مفادات میں گھر کر ایسے تشتّت و انتشار کا شکار ہیں کہ ایک دُوسرے کی مدد کرنے سے قاصر ہیں، جبکہ دُنیائے

کفر اپنے تئیں اس قدر منظّم و مربوط ہے کہ دُنیا کے کسی کونے میں کسی کافر کو کانٹا چبھے تو وہ سراپا احتجاج ہوجاتے ہیں، اس کے برخلاف مسلمان اپنے اپنے حصار میں محصور ہیں، عرب اپنی عرب لیگ سے باہر نکلنے کو تیار نہیں، ایشیا کی مسلم ریاستیں سارک کے بندھن میں بندھی ہوئی ہیں، جبکہ افریقہ اور وسط ایشیا کے ممالک کے اپنے اپنے تحفظات ہیں۔

اگر مسلم دُنیا بھی مغرب کی اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل کی طرح اپنے اتحاد و یکجہتی کی کوئی تنظیم بناکر مسلمانوں کے مفادات کے لئے کام کرتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ آج امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی دستِ نگر ہوتی۔ ہمارے خیال میں اب بھی وقت نہیں گیا، مسلم ممالک کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں اور دُنیائے کفر کے چنگل سے نکل کر آزادی کا سانس لینا چاہئے۔

بحمداللہ! مسلمان ممالک میں کسی چیز کی کمی نہیں، قدرتی وسائل کا معاملہ ہو یا معدنیات کا، تیل کا میدان ہو یا زرعی اراضی کا، آبی ذخائر ہوں یا سمندری وسائل، غرض مسلمان ممالک ہر اعتبار سے خودکفیل ہیں۔

اب تو بحمداللہ مسلمان جوہری توانائی میں بھی کسی سے پیچھے نہیں، ہاں! البتہ مسلمانوں میں اگر کچھ کمی ہے تو اتحاد و یکجہتی کی، ان میں اگر فقدان ہے تو رابطے کا، اس وقت پوری دُنیا میں مسلمان، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی کرنسی ''ڈالر'' اور ''یورو'' پر انحصار کر رہا ہے، حالانکہ مسلمانوں کے پاس دُنیا کی سب سے بڑی کرنسی ''کویتی دینار'' کی صورت میں موجود ہے، اس لئے اگر مسلمان یہ طے کرلیں کہ آج کے بعد ہم پہلے مسلمان ہیں بعد میں کچھ اور تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے اس اتحاد کا دُنیائے کفر پر اثر نہ ہو، اسی طرح اپنے معدنی ذخائر کے اخراج اور درآمد و برآمد کے معاملے میں کسی کو دخیل بنانے کے بجائے وہ خود اس کی نگرانی کریں، خصوصاً تیل کی دولت پر صحیح کنٹرول حاصل کرنے پر وہ پوری دُنیا کو بے دست و پا کرسکتے ہیں، مگر:

بسا آرزو کہ خاک شدہ!

بعض اطلاعات کے مطابق امریکہ کی نائب وزیر خارجہ کرسٹینا روکا پاکستان پہنچ چکی ہے اور اس نے پاکستان کے اربابِ اقتدار کو سلامتی کونسل میں عراق کے خلاف ووٹ دینے پر آمادہ کرلیا ہے اور پاکستان کے بڑوں نے طے کرلیا ہے کہ امریکہ کی مخالفت مول نہ لی جائے، اگر یہ بات سچ ہے تو بلاشبہ پاکستان جس طرح افغان قضیہ میں امریکہ کی مدد کرکے اُمتِ مسلمہ کی نظروں سے گر چکا ہے، اب یہ دُوسرا موقع ہوگا کہ پاکستان، مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی حمایت کرکے عراقی مسلمانوں کے قتلِ عام کا بھی ذمہ دار ٹھہرے گا۔

پھر وہ دن بھی دُور نہیں کہ جس طرح عراق کے خلاف ووٹ دے کر پاکستان عراقی مسلمانوں کے قتلِ عام کے جواز پر صاد کر رہا ہے، خدانخواستہ اس کی بربادی اور تباہی پر بھی کوئی آنسو بہانے والا نہ ہوگا، ولا فعل اللہ!

ہماری اخلاقی پستی اور گراوٹ کا یہ حال ہوچکا ہے کہ اربابِ اقتدار کو اپنی غلط حکمتِ عملی اور پالیسیوں پر نہ صرف یہ کہ کوئی افسوس، ندامت اور شرمندگی نہیں، بلکہ وہ نہایت بے باکی، ڈھٹائی سے قومی اور ملّی غیرت و ناموس اور ملکی وقار کو امریکہ بہادر کے قدموں پر نچھاور کرنے اور اس نیلامی کے عوض ملنے والی رقم کو نہایت فخر سے بیان کرتے ہیں، چنانچہ وزارت خزانہ کے اُمور کے مشیر جناب شوکت عزیز صاحب اپنے اس ''کارنامہ'' کو بیان کرتے ہوئے، فرماتے ہیں:

''افغان جنگ میں فرنٹ لائن پر ہونے کی وجہ سے پاکستان کو ۸۹ کروڑ ڈالر کی براہ راست امداد ملی ہے۔'' انا للہ وانا الیہ راجعون!

اس سے مزید ہماری ملّی غیرت کا جنازہ کیا نکلے گا کہ اب ہماری بے غیرتی اور ضمیرفروشی کے چرچے اور قومی غیرت کی نیلامی کے تذکرے عام ہو رہے ہیں، اور

مغربی دُنیا کا میڈیا ہمارے اربابِ اقتدار کی ضمیرفروشی کے تبصرے کچھ اس طرح کرنے لگے ہیں کہ:

''مغربی سفارت کاروں نے کہا ہے کہ عراقی بحران کے بارے میں پاکستان کا رویہ مصلحت آمیز ہے، اور وہ جلد ہی امریکی حمایت کے لئے پیکیج ڈیل پر آمادگی ظاہر کردے گا۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی یکم مارچ ۲۰۰۳ء)

اس تکلیف دہ صورت حال اور ضمیرفروشی پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

بہرحال عرب لیگ کی جانب سے جاری کردہ حالیہ بیان نہایت خوش آئند اور قابلِ تقلید ہے، جس میں ۲۲ عرب ممالک کے سربراہوں اور نمائندوں نے متفقہ بیان جاری کیا کہ:

''شرم الشیخ میں عرب لیگ کے راہ نماؤں کی سربراہی کانفرنس اس اعلامیہ کے ساتھ ختم ہوگئی، جس میں عراق پر حملے کے منصوبے کو قطعی طور پر مسترد کردیا گیا ہے، اور کہا ہے کہ کوئی بھی عرب ملک عراق پر کسی حملے میں حصہ نہیں لے گا.....''

(روزنامہ ''اسلام'' کراچی ۲؍مارچ ۲۰۰۳ء)

اے کاش پوری دُنیا کے دُوسرے مسلمان ممالک بھی اسی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کریں...!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی محرم ۱۴۲۴ھ مطابق اپریل ۲۰۰۳ء)

امریکی ہدف صدام نہیں، اسلام ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''بینات'' شعبان ۱۴۲۳ھ کے شمارے میں راقم الحروف نے ''صلیبی جنگ کے خطرات اور عالمِ اسلام کے بے حسی'' کے عنوان سے جن ممکنہ خطرات اور اندیشوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور ان کے سدِ باب کے لئے جو گزارشات پیش کی تھیں، ممکن ہے کچھ حضرات نے انہیں قابلِ غور وفکر نہ سمجھا ہو، مگر موجودہ بین الاقوامی حالات کے تناظر میں ان پر غور کیا جائے تو وہ اندیشے کچھ غلط نہیں تھے، اس لئے کہ اس میں استعمار کے جس بھیانک پروگرام کی نشاندہی کی گئی تھی، افسوس کہ اس تحریر کی اشاعت کے ٹھیک چار ماہ کچھ دن بعد اس پر عمل درآمد شروع ہوچکا اور دُنیا کی واحد سپر طاقت امریکہ نے افغانستان کے بعد نہتے اور مفلوک الحال عراقی شہریوں پر بارُودی آگ کی بارش کرکے صلیبی جنگ کا آغاز کردیا۔

اسی طرح محرم ۱۴۲۴ھ میں ''عراق کے خلاف امریکی جارحیت'' کے نام سے جو کچھ عرض کیا گیا تھا، وہ بھی ٹھیک پندرہ دن بعد حقیقتِ واقعہ بن کر سامنے آگئی، چنانچہ بین الاقوامی دہشت گرد امریکہ ایک مسلمان ملک پر بلاجواز حملہ کرکے انسانی تاریخ کی بدترین سفاکی کا آغاز کرچکا ہے۔

آج سے پانچ ماہ قبل ہم نے روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۲ء

کے حوالے سے ’’بینات‘‘ شعبان میں لکھا تھا کہ:

’’عراق کی جنگ آغاز ہے اُس منصوبے کا جس کے تحت مشرقِ وسطیٰ کا نیا نقشہ بنایا جائے گا اور وہاں چار نئی عیسائی اور تین نئی مسلمان ریاستیں بنائی جائیں گی۔ عیسائی ریاستیں جنوبی سوڈان، شمالی مصر (قبطی ریاست) اور جنوبی لبنان پر مشتمل ہوں گی، تین نئی مسلمان ریاستوں میں عراق میں شمالی علاقے پر مشتمل کرد ریاست، جنوبی عراق کی شیعہ ریاست اور سعودی عرب کے مشرقی حصے کی نئی ریاست شامل ہوگی۔ اس کے علاوہ تیل کے ذخائر پر کنٹرول اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ بھی اس نئی صلیبی جنگ کا مقصد ہے ....‘‘ (ص:۸)

اس اندیشے کو امریکی منصوبہ سازوں کے خفیہ پروگراموں اور بیانات کے تناظر میں دیکھا جائے تو پوری صورتِ حال کھل کر سامنے آجاتی ہے، مثلاً عراق پر مجوزہ قبضے کی صورت میں وہاں کس کا اقتدار ہوگا؟ اقوامِ متحدہ کا یا براہِ راست امریکہ کا؟ معاصر اخبارات میں ہے:

’’امریکی محکمۂ دِفاع میں تیار کئے جانے والے منصوبے کے مطابق جنرل ٹومی فرینکس عراق میں صدام حسین کے بعد فوج وسِول اُمور کے کمانڈر ہوں گے، وہ عراق پر حملے کی قیادت کریں گے اور جلد از جلد کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، جبکہ جے گارنر سِول ایڈمنسٹریٹر اور جنرل جون ملٹری کمانڈر ہوں گے۔ جنرل جون جو ایک لبنانی منحرف ہیں اور عربی بولتے ہیں، وہ عراق میں امریکہ کے اعلیٰ ترین فوجی افسر ہوں گے، اور جنرل ٹومی فرینکس کو جواب دہ ہوں گے۔ شہری اُمور کے مجوّزہ منتظم جے گارنر ایک ریٹائرڈ امریکی

فوجی افسر ہیں، سوِل ایڈمنسٹریشن کی سربراہی انہیں سونپی جائے گی، وہ بھی جنرل ٹومی کو جواب دہ ہوں گے۔ رون ایڈم ان کے نائب ہوں گے، ان افراد کی مشاورت کے لئے ایک کونسل قائم کی جائے گی، یہ کونسل عراق کی تعمیرِ نو کے بارے میں مشورے دے گی، تعمیر کے لئے رابطے کا فریضہ لیوس لک انجام دیں گے، عراق کے انفرااسٹرکچر کی تعمیرِ نو ان کی ذمہ داری ہوگی، سوِل ایڈمنسٹریشن میں کوآرڈی نیٹر کے فرائض مائیکل جوبس انجام دیں گے، یہ انصاف سے تعلیم تک تمام معاملات نمٹائیں گے، ہیومنٹرین کوآرڈی نیٹر کا منصب جارج ایف وارڈ سنبھالیں گے، اور ایمرجنسی ریلیف اور مہاجرین کی واپسی ان کی ذمہ داری ہوگی۔ منصوبے کے مطابق عراق کے تین ریجنل ایڈمنسٹریٹر ہوں گے، یہ ریجن شمالی، جنوبی اور وسطی کہلائیں گے، بروس مور اور ایف جے والٹر شمالی وجنوبی ریجن کے گورنر ایڈمنسٹریٹر ہوں گے، جبکہ بابرابودیں بغداد سمیت وسطی علاقے کے گورنر ایڈمنسٹریٹر ہوں گے۔"

(روزنامہ "اُمت" کراچی ۲۰/مارچ ۲۰۰۳ء)

اس خبر کے چند روز بعد جب برطانیہ نے یہ رائے دی کہ مجوّزہ سقوطِ بغداد کے بعد وہاں اقوامِ متحدہ کی حکومت ہونی چاہئے تو امریکی وزیرِ خارجہ نے اپنے طے شدہ منصوبے کا دِفاع کرتے ہوئے پُرزور انداز میں کہا کہ:

"صدام کے بعد عراق میں اقوامِ متحدہ کی حکومت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ وہاں جنرل ٹومی فرینکس کا فوجی اقتدار ہوگا....." (روزنامہ "جنگ" کراچی ۲۸/مارچ ۲۰۰۳ء)

اسی طرح پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے خاتمے سے متعلق امریکی عزائم کی

نشاندہی اور موجودہ صلیبی جنگ کے مؤخر الذکر منصوبے کی تکمیل سے متعلق روزنامہ ''جنگ'' کراچی کی درج ذیل خبر ملاحظہ ہو:

''امریکہ نے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز (کے آر ایل) پر دو سال کے لئے تجارتی پابندیاں عائد کردی ہیں، جبکہ حکومتِ پاکستان نے اس فیصلے کو غیرمنصفانہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی میزائل سازی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، پاکستان پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس نے شمالی کوریا سے میزائل حاصل کیئے ہیں۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۳۰/مارچ ۲۰۰۳ء)

اس خبر کی اشاعت کے دو دن بعد امریکی سفارت خانے کے ترجمان نے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز پر پابندی کے وجوہ واسباب بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''امریکہ نے پاکستان پر الزام لگایا ہے کہ وہ شمالی کوریا کے ایٹمی پروگرام میں تعاون کر رہا ہے، بش انتظامیہ کے ایک سینئر افسر کا کہنا ہے کہ شمالی کوریا کی ایک کمپنی سے خان ریسرچ لیبارٹریز (کے آر ایل) نے نوڈونگ میزائل حاصل کیئے، جنھیں سی-۱۳۰ طیاروں کے ذریعے پاکستان لایا گیا، امریکی سفارت خانے کے ترجمان نے کہا ہے کہ یورینیم افزودہ کرنے والے کہوٹہ پلانٹ سے کسی ملک، شخص یا ادارے کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار بنانے کے لئے مدد فراہم کی جارہی ہے۔ یہ بات پیر کے روز جاری ایک بیان میں کہی گئی ہے۔ یہ الزام واشنگٹن کی طرف سے پاکستان کی اے کیو خان ریسرچ لیبارٹریز پر پابندیوں کے اعلان میں لگایا گیا ہے، اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے نے کہا کہ پاکستانی ایٹمی پلانٹ پر یہ پابندیاں اس لئے لگائی گئی ہیں کہ

اے کیو خان لیبارٹریز سے ایک بیرون ملک کسی شخص یا ایسے ادارے کو مواد فراہم کیا جارہا ہے جو اس کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار بنانے اور میزائل بنانے کی صلاحیت حاصل کرکے خطرناک ہتھیاروں کے پھیلاؤ کا خطرہ بن سکتا ہے ..... تاہم اس سلسلے میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ بیرونی ملک، شخص یا ادارہ کون سا ہے؟......"

(روزنامہ "جنگ" کراچی یکم اپریل ۲۰۰۳ء)

ان اخباری اطلاعات و بیانات سے پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کے بارے میں امریکی عزائم اور مقاصد کی نشاندہی ہوتی ہے، اسی طرح یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ پہلے افغانستان اور اب عراق کے معاملے میں تمام اسلامی ممالک نے جس بے حسی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے، یہ اسی کی نحوست ہے کہ اب امریکہ باری باری ہر ایک کو ہڑپ کرجانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ایک سال قبل ہم نے افغان عوام کے قتلِ عام پر صاد کیا اور امریکہ کو اپنی پوری پوری حمایت کا یقین دِلایا، اب اس سال اس نے عراقی مسلمانوں کے خلاف جنگ کا بگل بجادیا، افسوس! کہ ہمیں اس پر کوئی دُکھ، درد، اضطراب اور بے چینی نہ ہوئی، تو تیسرے نمبر پر اس نے پاکستان کو اپنے نشانے پر رکھتے ہوئے اپنی توپوں کا رُخ پاکستان کی طرف پھیر دیا اور یہ کہہ کر ہمارے ایٹمی پروگرام پر پابندی لگادی کہ: "تم بیرونی اداروں، ملکوں اور اشخاص کو تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری میں مدد دے رہے ہو، کیوں نہ تمہارے خلاف کاروائی کی جائے؟" کیا فرماتے ہیں اربابِ اقتدار بیچ اس مسئلے کے کہ اب وہ امریکہ کے سامنے اپنی بے گناہی کیونکر ثابت کرسکیں گے...؟ پھر اگر اس نے ہمارے اسی "جرم" کو بنیاد بناکر ہم پر چڑھائی کردی، تو ہمارے حق میں بھی کہیں اور کسی جانب سے کوئی آواز اُٹھے گی...؟

دراصل پنٹا گون، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان ملک، جو دُنیائے عیسائیت و یہودیت کے لئے کبھی خطرہ بن سکتا ہے، یا وہاں اسلام کی ترویج و تنفیذ ہوسکتی ہے، اس کو حیلے بہانے سے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے یا پھر وہاں ایسی حکومت قائم کی جائے جو اس کے مفادات کی محافظ ہو۔ اس لئے ہر ذی شعور انسان یہ سمجھنے میں کوئی دِقت محسوس نہیں کرتا کہ امریکہ، صدام کو سبق سکھانے یا عراقی مسلمانوں کو صدام کی آمریت سے نجات دِلانے کے لئے نہیں آیا، بلکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے، انہیں کمزور کرنے، پوری دُنیا پر صلیب کی بالادستی قائم کرنے اور گریٹر اسرائیل کے منصوبے کی تکمیل کے لئے میدان میں اُترا ہے۔

جس طرح وہ افغانستان میں اُسامہ کے نام پر اسلامی حکومت اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے آیا تھا، ٹھیک اسی طرح اب اس نے عراق میں صدام کو سامنے رکھ کر آگ و بارُود کا وحشیانہ کھیل شروع کردیا ہے۔

بالفرض اگر اس کا ہدف صدام ہی تھا تو صدام کو عراقی اقتدار سے ہٹانے اور الگ کرنے کے لئے جنگ سے ہٹ کر بہت سے پُرامن طریقے اور راستے موجود تھے، مثلاً: پہلے صدام کو مجرم گردانا جاتا، اسے انصاف کی بین الاقوامی عدالت میں طلب کیا جاتا، اس کے جرم کو آشکارا کیا جاتا، اس کی مجرمانہ حرکتوں کو مشتہر کرکے اس کے خلاف بین الاقوامی رائے عامہ ہموار کی جاتی، سلامتی کونسل سے مدد لی جاتی، اسی طرح مسلمانوں کو بیچ میں ڈال کر اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا تھا، ہاں! اگر اس سب کے باوجود بھی وہ قابو میں نہ آتا اور صدام کے جرم اس قابل تھے کہ اسے مزہ چکھایا جائے تو اس کی ذات کی حد تک اس کو نقصان پہنچایا جاتا، اس پر حملے کئے جاتے تو شاید اس کا جواز تھا، لیکن ان تمام صورتوں سے ہٹ کر عراق پر چڑھ دوڑنا، وہاں کے معصوم بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور عام شہریوں پر کارپٹ بمباری کرنا،

کلسٹر بم گرانا، شہری آبادیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کرنا، خوراک کے ذخیروں کو تباہ کرنا اور باہر سے خوراک کی رسد پر پابندی لگانا، ہسپتالوں کو نشانہ بنانا، بازاروں اور پبلک مقامات پر بارُود برسانا، میزائل داغنا، اور عام نہتے شہریوں کو گرفتار کر کے ان کو ظلم و تشدّد کا نشانہ بنانا، انہیں جنگی قیدی بنا کر ان کی مشکیں کسنا، انہیں اُلٹا لٹا کر ان کے منہ پر تھیلے چڑھانا اور کیوبا منتقل کرنا، کہاں کی اُصول پسندی اور کہاں کی انسانیت ہے؟ کیا یہ سب کچھ اس کا واضح ثبوت نہیں کہ امریکہ کا نشانہ صدام نہیں، اسلام اور مسلمان ہیں، اور اس جنگ کا مقصد دہشت گردی کا خاتمہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی نسل کشی اور ان کے وسائل پر قبضہ کرنا ہے۔ افسوس! کہ اُمتِ مسلمہ اور اسلامی ممالک کی بے حسی اور بے غیرتی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ان کے ایک بھائی پر، چاہے وہ نالائق ہی سہی، دُشمن حملہ آور ہوتا ہے، اس کی مظلومیت کی آہ و فغاں آسمان کے فرشتوں کو بے قرار کر دیتی ہے، وہاں کی عفت مآب بہنوں اور بیٹیوں کی عزّت تار تار ہوتی ہے، معصوم کلیاں آن کی آن میں مسل دی جاتی ہیں، وہاں بازاروں، گلیوں اور ہسپتالوں میں جوانوں کے بے گور و کفن لاشے پڑے ہیں، مگر ہمیں ظلم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی، حد تو یہ ہے کہ ہمارے اربابِ اقتدار بھی اپنے اندر ظلم کو ظلم کہنے کی جرأت نہیں پاتے اور تمنا کرتے ہیں کہ: ''کاش ہم سلامتی کونسل کے رکن نہ ہوتے کہ ہمیں جارح اور ظالم کو ظالم نہ کہنا پڑتا!'' جب بزدلی اور بے حسی اس قدر بڑھ جائے کہ ظالم کا راستہ روکنے والا کوئی نہ ہو تو اس کی مرضی جو چاہے کرتا پھرے، کل افغانستان اس کے نشانے پر تھا، آج عراق ہے، تو اگلے مرحلے پر خدانخواستہ پاکستان یا کوئی اور ہوگا، اور ہم اسی طرح ذِلت کی موت مرتے رہیں گے، حالانکہ ذِلت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے، کیونکہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

عراق کے خلاف امریکی چڑھائی کسی اُصول و قانون کی رُو سے دُرست نہیں، دراصل امریکہ اپنی قوّت و طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، باوجودیکہ اس کے اتحادیوں میں سے رُوس، جرمنی اور فرانس کے علاوہ پوری بین الاقوامی برادری نے اس کو اس تشدّد و بربریت سے باز رکھنے کی کوشش کی، خود امریکی اور برطانوی عوام کے علاوہ دُنیا بھر کی مسلم و غیرمسلم عوام نے اس کے اس اقدام کے خلاف احتجاج کیا، بچوں، بوڑھوں، خواتین اور عام شہریوں نے پوری دُنیا میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں جلوس نکال کر اس پر دوحرف بھیجے، وائٹ ہاؤس اور برطانوی دارالعوام کا گھیراؤ کیا گیا، اس کی دہشت گردی، سفاکی، خون آشامی اور عراقی مسلمانوں کے قتلِ عام پر غم و غصّے کا اظہار کیا گیا، مگر وہ اپنے ان ناپاک عزائم سے دستبردار نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ اگر شیطان بش عیسائیت پرستی، صلیب کی بالادستی اور یہودی مفادات کے تحفظ میں اس قدر مضبوط و متشدّد ہے تو مسلمان اپنے دِین و مذہب میں اس قدر کیوں کمزور ہیں کہ وہ ہر معاملے میں اس کی ہاں میں ہاں ملارہے ہیں...؟ ہمارے خیال میں یہی وہ کمزوری ہے جس کی بنا پر مسلمان باوجود کثرت کے ذِلت کا شکار ہیں، اور عالمی استعمار کی نظروں میں ان کی حیثیت سمندر کے جھاگ سے کچھ زیادہ نہیں ہے، دُشمن کے دِل سے ان کا خوف نکل گیا ہے، ان کے خلاف دُشمن کی جارحیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے، مگر مسلمان حکمران بھیگی بلی بن کر مسلمانوں کے قتلِ عام پر خاموش ہیں، بلکہ اس میں برابر کے شریک ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر مسلمانوں کی اس بدعملی، بدکرداری اور کمزوری کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

”یوشک الأمم أن تداعٰی علیکم کما تداعی

الأكلة الٰى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذٍ؟ قال: بل أنتم يومئذٍ كثير ولٰكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعنّ الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفنّ الله فى قلوبكم الوهن، فقال قائل: يا رسول الله! ما الوهن؟ قال: حب الدنيا وكراهية الموت!"

(ابوداؤد ص:۵۹۰)

ترجمہ:... "حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آیا چاہتا ہے جب تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے (مل کر سازشیں کریں گی اور) ایک دُوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے والے (لذیذ) کھانے کی طرف ایک دُوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کے دِل سے تمہارا رُعب و دبدبہ نکال دیں گے اور تمہارے دِلوں میں "بزدلی" ڈال دیں گے۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت!"

بلاشبہ یہ اسی بزدلی کی نحوست ہے کہ آج ہم باوجود کثرت کے ہر جگہ مار کھا رہے ہیں، اور کافر قوموں کے ہاں ہماری حیثیت نوالۂ تَر سے زیادہ کچھ نہیں رہی۔

گزشتہ بارہ روز سے دجالِ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے نہتے اور مفلوک الحال عراقی شہریوں کو بین الاقوامی دہشت گردی کا نشانہ بنایا جارہا ہے، چنانچہ روزانہ سینکڑوں میزائل اور بم شہری آبادیوں پر برسا کر مسلمانوں کو خاک و خون

میں تڑپایا جارہا ہے۔

سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ امریکی دہشت گردی کا نشانہ بننے والے زیادہ تر معصوم بچے، بوڑھے، پردہ نشین خواتین اور ہسپتالوں میں زیرِ علاج مریض ہیں، اخبارات اور میڈیا کے مطابق امریکی بربریت کے نتیجے میں سینکڑوں انسانوں خصوصاً خواتین اور معصوم بچوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں، کسی ہسپتال کا کوئی بستر، راہداری اور فرش ایسا نہیں، جہاں کسی زخمی اور شہید کی لاش موجود نہ ہو، اخبارات میں عراقی مظلوموں، زخمیوں، شہیدوں اور بے سہارا یتیم بچوں کی دِل دہلا دینے والی تصاویر دیکھ کر کوئی پتھر سے پتھر دِل انسان بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا، مگر انسانی حقوق کی دہائی دینے والے ان درندوں پر ذرّہ بھر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

دُوسری طرف عراقی عوام پر ۱۹۹۱ء سے اقتصادی پابندیاں عائد ہیں، جس کی وجہ سے علاج معالجے کی مشکلات کے علاوہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے، ...خصوصاً جنگی حالت میں... دو وقت کی روٹی سے بھی انہیں محروم کردیا گیا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ عراقی صدر صدام حسین کا اس سے پہلے کیا کردار رہا ہے، لیکن موجودہ حالات میں ہمارے خیال میں اسے صلیبی جنگ کا سامنا ہے، کیونکہ ایک طرف صلیب کے پجاری ہیں، تو دُوسری طرف وہ ایک اکیلا اسلام کا نام لیوا ہے، اس لئے کہ اس وقت صدام بحیثیت ایک فرد کے امریکہ کے نشانے پر نہیں ہے بلکہ پوری عراقی قوم اس کی صلیبی آگ کے دہانے پر ہے، جو لوگ اس جنگ کو صدام کے خلاف امریکی چڑھائی سمجھتے ہیں، ہمارے خیال میں وہ بین الاقوامی حالات سے لاعلم ہیں، اس لئے ہمارے خیال میں عراقی عوام اور حکومت دِفاعِ اسلام کی جنگ لڑ رہی ہے، اگر سچ پوچھئے تو عراقی قوم اسلام اور مسلمانوں کو درپیش خطرات کے سامنے بند باندھنے میں مصروف ہے، کیونکہ آج تک دجالِ

امریکہ یہی سمجھتا رہا کہ اس کا دِفاع ناقابلِ تسخیر اور اس کی فوج ناقابلِ شکست ہے، لیکن مقامِ شکر ہے کہ اسے کوئی تو ایسا مردِ آہن ٹکرایا جس نے اس کے غرور کو خاک میں ملانے کی کوشش کی۔ جنگوں میں فتح وشکست ہر دو کا احتمال ہوتا ہے، پھر ظاہری اسباب کی دُنیا میں عراق کی دِفاعی حیثیت امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں کے مقابلے میں صفر ہے، مگر عراقی فوج اور عوام قابلِ صد تبریک ہیں کہ انہوں نے اسباب و وسائل اور اسلحے کی کمی کے باوجود امریکی افواج کے عزائم پست کردیئے، اسی طرح فضائیہ نہ ہونے کے باوجود عراق نے متعدّد امریکی جنگی طیارے اور ہیلی کاپٹر مارگرائے، متعدّد امریکی فوجی گرفتار کرلئے اور سینکڑوں اتحادیوں کو واصلِ جہنم کرکے عراق میں موجود تیل کے ذخائر پر امریکی قبضے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا۔

ہمارے خیال میں اب بھی وقت ہے کہ اسلامی ممالک کے اربابِ اقتدار عراقی عوام اور فوج کے لائقِ فخر کردار کی تقلید کرتے ہوئے امریکہ کی کاسہ لیسی چھوڑ کر ہمت و جرأت کا مظاہرہ کریں اور اس دِفاعِ اسلام کی جنگ میں عراق کا ساتھ دیں۔

ہماری رائے میں اگر چھپن اسلامی ممالک امریکہ بہادر سے بغاوت کرلیں تو اِن شاء اللہ وہ پیشاب کی جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا اور آئندہ وہ کسی اسلامی ملک پر چڑھائی اور جارحیت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

اگر مسلمانوں نے ہمت و جرأت کا مظاہرہ نہ کیا تو بلاشبہ عراق تو اپنے تکوینی انجام کو پہنچ جائے گا، لیکن امریکی دہشت گردی اور دست برد سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا، آج عراق کی تو کل اس کی باری ہوگی۔

اے اللہ! جس طرح آپ نے آج تک کمزور مسلمانوں کی ہر میدان میں مدد اور نصرت فرمائی ہے، اسی طرح آج بھی اپنے نام لیوا بے یار و مددگار عراقی مسلمانوں کی مدد فرما اور جس طرح آپ نے ہمیشہ سے کفار و مشرکین کے دِلوں میں

مسلمانوں کا رُعب بٹھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، اسی طرح آج بھی اپنے نام لیوا ضعیف و ناتواں اور اسباب و وسائل سے عاری مسلمانوں کی مدد و نصرت فرما اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مکر کو ان پر لوٹا دے اور ان کے ہتھیاروں کو خود ان کے خلاف چلا دے، آمین!

اس وقت تمام مسلمانوں خصوصاً علماء، ائمہ و خطباء کی خدمت میں درخواست ہے کہ اپنی عام دُعاؤں کے علاوہ خصوصاً نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کا اہتمام کریں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی صفر ۱۴۲۴ھ مطابق مئی ۲۰۰۳ء)

سانحہ سقوطِ بغداد اور اشکہائے غم!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

بلاشبہ بیس دن کی شدید بمباری کے بعد عراقی سرزمین اور عراقی قوم مفتوح اور امریکہ اور اس کے اتحادی فاتح قرار دے دیئے گئے، بغداد میں ایک بار پھر تاتاری اور نازی مظالم کی تاریخ دہرائی گئی، صدام کے نام پر بغداد کو تاراج، عراقی مسلمانوں کے سینے چھلنی اور اُمتِ مسلمہ کے کلیجے زخمی کئے گئے، اس صورتِ حال سے جہاں عراقی مسلمان نڈھال ہیں، وہاں پوری اسلامی برادری نہایت کرب واَلم کا شکار ہے۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی اس درندگی، بربریت، دہشت گردی و سفاکی کی جتنا بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔

عراق کی سرزمین پر امریکہ اور اس کے اتحادی فاتح بن کر داخل ہوئے ہیں، ظاہر ہے فاتح، مفتوح قوموں کے ساتھ جس قسم کا سلوک کریں ان کا ہاتھ کوئی نہیں روک سکتا، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

"قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً أَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا أَعِزَّةَ أَھْلِھَآ أَذِلَّةً، وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ." (النمل:۳۴)

ترجمہ:... "(ملکۂ سبا) کہنے لگی: بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کردیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں

کے سرداروں کو بے عزّت اور ایسا ہی کچھ کریں گے۔‘‘

ٹھیک اسی طرح اب عراقی عوام اور مسلمانوں کے ساتھ توہین و تذلیل اور ظلم و زیادتی کا ہر معاملہ روا رکھا جارہا ہے، اخبارات اور میڈیا کے وہ دِل دہلا دینے والے مناظر کسی سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ آئے دن کے اخبارات میں کہیں امریکی درندے عراقی مسلمانوں کی گردنوں پر پاؤں رکھے انہیں روند رہے ہیں، کہیں انہیں اوندھے منہ زمین پر پٹخ کر ان کی مشکیں کستے نظر آتے ہیں، کہیں قطار میں بٹھا کر ان کی جامہ تلاشی لی جارہی ہے، کہیں ان کی عفت مآب بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں سے ناروا سلوک اور کہیں کسی گاڑی پر فائرنگ کر کے معصوم بچوں اور خواتین کو خون میں نہلایا جارہا ہے، مگر بایں ہمہ ان کے سامنے کسی کو صدائے احتجاج بلند کرنے کا کوئی حق نہیں، اس لئے کہ یہ سب کچھ ان کا فاتحانہ استحقاق ہے...!

یقیناً امریکہ اور اس کے اتحادی درندے، معصوم عراقی مسلمانوں، جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور خواتین کو خاک و خون میں تڑپتا، چیختا، چِلّا تا، روتا، بلبلاتا، سسکتا اور آہیں بھرتا دیکھ کر خوش ہوں گے اور مسلمانوں کے قتلِ عام پر ان کے بغض و عناد کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہوگی، لیکن شاید انہیں اس کا اندازہ نہیں کہ انہوں نے اپنے اس بدترین اور بھیانک کردار سے عراقی مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے سینوں میں انتقام کی آگ کو ہوا دے دی ہے، آج نہیں تو کل اِن شاء اللہ ان کو اس تشدّد و بربریت اور ظلم و تعدی کا بدلہ چکانا ہوگا۔

افغانستان کے بعد اب عراقی مسلمانوں پر قیامت گزر گئی، مگر اے کاش! کہ بے ضمیر مسلم حکمرانوں کے خوابیدہ دِل ابھی تک بیدار نہیں ہوئے، اور انہوں نے اس سے ذرّہ بھر کوئی سبق حاصل نہیں کیا، بلکہ صحیح معنی میں وہ اس خونچکاں صورتِ حال سے ٹس سے مس نہیں ہوئے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں اس خوابِ غفلت سے صبحِ قیامت یا صورِ اسرافیل ہی بیدار کرسکے گا۔

بظاہر دیکھا جائے تو عراق پر اب امریکی اقتدار قائم ہوچکا ہے، جے گارنر وہاں کے حکمران کی حیثیت سے اخبارات و میڈیا کے سامنے عراقی پولیس اور اتحادی افواج کے جھرمٹ میں اجلاسوں کی صدارت کرتے دِکھائی دے رہے ہیں، اور بین الاقوامی طور پر یہ تأثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ عراق میں کچھ زیادہ جانی مالی نقصان نہیں ہوا، اور جو ہوا ہے اس کا بہت جلد عراق کی تعمیرِ نو کی صورت میں ازالہ ہوجائے گا۔ ممکن ہے دُنیا بھر کے مسلمان بھی اسی پروپیگنڈے سے متأثر ہوکر اپنے دِل کو تسلی دیتے ہوں، لیکن ہمارے خیال میں امریکی بمباری کے نتیجے میں افغانستان اور عراق میں جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے، عموماً جنگوں میں جانی نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جو افغانی اور عراقی مسلمان لقمۂ اجل بن گئے ہیں، وہ بہت خوش نصیب تھے، وہ جان کی بازی ہار کر بھی فتح مند ہوگئے، اس لئے کہ وہ ایک جست میں زندگی کی سرحد پار کرکے دُوسرے جہان میں پہنچ گئے، انہیں اب مزید کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں دی جاسکتی اور نہ انہیں مزید کسی قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بنایا جاسکتا ہے۔

اس کے برعکس افغانستان اور عراق میں ہزاروں نہیں لاکھوں زندہ بچ جانے والے کم نصیب ایسے ہوں گے جو زندگی کے باوجود موت کو ترجیح دیتے ہوں گے، اس لئے کہ ان حالات میں زندہ رہ جانے والوں کے لئے مشکلات ہی مشکلات اور مصائب ہی مصائب ہیں، جس کا اندازہ درج ذیل تفصیلات سے لگایا جاسکتا ہے:

۱:... یقیناً بے شمار مسلمان ایسے ہوں گے جن کے خاندان، جائیداد اور اموال تباہ کردیئے گئے اور وہ اکیلے تنِ تنہا عیسائی درندوں کے رحم و کرم اور ان کے ظلم وستم کے نشانے پر ہیں۔

۲:... زندہ بچ جانے والوں پر حالتِ جنگ میں کیا کچھ قیامت نہیں گزری ہوگی؟ اور نہیں معلوم کہ آئندہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوگا؟

۳:...زندہ بچ جانے والے ہر روز سو بار جیتے اور سو بار مرتے ہوں گے، اس لئے کہ اب وہ بے دست و پا ہیں، نہ آزادی سے زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ مر سکتے ہیں۔

۴:... مانا کہ زندہ بچ جانے والوں میں بہت سے صحیح سالم ہوں گے، مگر نہیں معلوم کہ ان کے عزیزوں اور پیاروں میں کتنے موت کے گھاٹ اُتر چکے؟ اور کتنوں کے لاشے کندھوں پر اُٹھا اُٹھا کر انہوں نے دفن کئے ہوں گے؟

۵:...زندہ بچ جانے والوں میں سے کتنے ایسے ہوں گے جن کو عزیزوں کی کربناک آہیں اور سسکیاں بے قرار و بے تاب کرتی ہوں گی؟

۶:...نہیں معلوم زندہ بچ جانے والے ان بدنصیبوں کے سامنے کتنی عفت مآب ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور عزیز رشتہ دار خواتین کی عصمت تار تار کی گئی ہوگی؟

۷:... کتنے ایسے ہوں گے جن کے عزیزوں کو جنگی قیدی بنا کر کیوبا لے جایا گیا ہوگا؟ اور ان کا صدمہ ان کو صبح شام گھائل کرتا ہوگا۔

۸:... اسی طرح زخمی حالت میں زندہ بچ جانے والوں کی زندگی بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہوگی، نہ صرف یہ کہ انہیں علاج و معالجے کی سہولت میسر نہیں، بلکہ انہیں پیٹ کا جہنم بھرنے اور جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔

۹:... اسی طرح زخمیوں میں بہت سے ایسے ہوں گے جو اپنے قیمتی اعضاء سے محروم محض ایک زندہ لاش ہیں۔

چنانچہ اخبارات و میڈیا کی اطلاعات کے مطابق ہزاروں زخمی اور اعضاء سے محروم افغانی اور عراقی مرد و خواتین اور بچے ہسپتالوں میں طبّی امداد کے منتظر ہیں، بالفرض اگر ایسے لوگ صحت یاب ہو بھی جائیں تو وہ اپنے آپ کو دھرتی پر بوجھ سمجھیں گے۔

۱۰:... امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی بے رحم اور ظالمانہ بمباری کے نتیجے میں افغانی اور عراقی سرزمین میں مہلک تابکاری اثرات کیا کچھ گل نہیں کھلائیں گے؟

نامعلوم تابکاری سے کتنے موذی اور مہلک امراض پھیلیں گے؟

اخباری اطلاعات کے مطابق عراقی مسلمان ابھی تک ۱۹۹۱ء کی جنگ کی تابکاری کی دَلدل سے نہیں نکل پائے تھے کہ اب وہ مزید اس نئی تابکاری کا شکار ہوگئے ہیں۔

بین الاقوامی میڈیا کے مطابق ۱۹۹۱ء کی امریکی بمباری کی تابکاری کے اثرات کی وجہ سے عراق میں پھیلنے والے دُوسرے موذی امراض کے علاوہ صرف کینسر میں ۴۸ سے ۵۰ فیصد تک ریکارڈ اضافہ ہوچکا ہے۔

۱۱:... موجودہ عراقی عوام جو براہِ راست ان بیماریوں کا نشانہ بنے اور تابکاری اثرات سے متأثر ہوئے، ان کی آئندہ نسلوں پر اس کے کیا کچھ اثرات مرتب ہوں گے؟ چنانچہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی تاریخ گواہ ہے کہ امریکی درندگی سے زندہ بچ جانے والوں کی نسلوں کی نسلیں غیرمتوازن، اپاہج اور معذور پیدا ہو رہی ہیں، اور اب تک وہاں کی صورتِ حال قابو میں نہیں۔

۱۲:... عراق میں زندہ اور صحیح سلامت بچ جانے والوں کو اس گھمبیر صورتِ حال کا بھی سامنا کرنا ہوگا کہ ان پر روزگار کے دروازے بند کردیئے جائیں گے، ظاہر ہے جے گارنر، مسلمانوں کے بجائے عیسائیوں اور یہودیوں کو ہر جگہ ترجیح دے گا، اور مسلمانوں کو کمزور سے کمزورتر کیا جائے گا۔

۱۳:... عراقی مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ مفتوح اور غلام قوم کا سا سلوک روا رکھا جائے گا۔

۱۴:... جو عراقی، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی ہاں میں ہاں ملائیں گے ان کے ایمان وعقیدہ کی، اور جو اُن سے بغاوت کریں گے اِن کی جان کی خیر نہیں ہوگی۔

۱۵:.. امریکہ اور اس کے اتحادی عراقی سرمایہ اور تیل پر قابض ہوجائیں گے اور عراقی مسلمانوں کو غربت کی انتہائی لکیر سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

یہ ہے وہ تباہی جس کا اس جنگ کے بعد افغانی اور عراقی عوام کو ہر حال میں سامنا کرنا ہے، ظاہر ہے دُنیائے کفر کو افغانی اور عراقی مسلمانوں سے کیا دِلچسپی ہے؟ انہیں تو صرف مسلمانوں کی نسل کشی اور ان کے وسائل پر قبضہ کرنا ہے، اور بس!

اسی طرح مسلم دُنیا بھی دو چار بیان دے کر خاموش ہوجائے گی، آئندہ جو کچھ ہوگا اس کا سامنا افغان اور عراق میں زندہ بچ جانے والے بدنصیبوں کو ہی کرنا ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس گھمبیر صورتِ حال کا جائزہ لے کر اس کا تدارک کریں، اور آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں، ورنہ کل افغانستان، آج عراق اور آئندہ کسی اور کی باری ہوگی، اس وقت اسلامی بلاک اور مسلمان ممالک کے اتحاد کی شدید ترین ضرورت ہے، اس کا تدارک نہ کیا گیا تو یکے بعد دیگرے مسلمان ذِلت کا شکار ہوتے جائیں گے، اور خدا نہ کرے ایسا دن آجائے کہ دُنیا سے ان کا نام و نشان مٹادیا جائے۔

خلافتِ ترکیہ کے زوال کے وقت بھی مسلمان حکمرانوں کی بے حسی کا یہی حال تھا، اس وقت بھی ہمارے اکابر نے مسلمان ممالک کو اس طرف توجہ دِلائی تھی، مگر افسوس کہ کسی نے کان نہ دھرا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے ۱۳۳۹ھ مطابق فروری ۱۹۲۱ء میں اپنے سیوہارہ کے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا:

> ''دُوسرا اَمرِ شرعی جس کی طرف میں آپ کو توجہ دِلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے جملہ اہلِ توحید میں ایسا رشتہ قائم کردیا ہے جو کہ تمام مصنوعی علائق سے بالاتر اور جملہ طرقِ تحالف میں قوی تر ہے، اگر نصِ قرآنی: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اِخُوَۃٌ" تمام رُوئے زمین کے مسلمان بغیر امتیاز کالے اور گورے اور ایشیائی، افریقی، یوروپین، امریکی وغیرہ کے بھائی بھائی ہیں، تو حسبِ تصریح احادیثِ صحیحہ: "المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه" (ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو دُشمن کے پنجے میں چھوڑے)۔ اور:

"ما من امرء مسلم یخذل امرءً مسلما فی موضع ینتهک فیه حرمته وینتقص فیه من عرصه الا خذله اللّٰہ تعالٰی فی موطن یحب فیه نصرتهٗ وما من امرء مسلم ینصر مسلما فی موضع ینتقص فیه من عرضه وینتهک فیه من حرمته الا نصره اللّٰہ فی موطن یحب فیه نصرته." (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:... "جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد نہ کرے، جہاں اس کی بے عزّتی کی جاتی ہو اور آبرو پامال ہوتی ہو، تو خدا اس کی ایسی جگہ مدد نہ کرے گا جہاں پر وہ خدا کی مدد چاہتا ہے، اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے گا جہاں پر اس کی بے عزّتی کی جاتی ہو اور بے آبروئی ہوتی ہو تو خدا اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جہاں پر وہ خدا کی مدد چاہتا ہے۔

اور: "المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا" (رواہ الشیخان) (ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کے لئے بنے ہوئے گھر کی طرح ایک دُوسرے کی تقویت کرتا ہے)۔

ایک مسلمان کا دُوسرے کی حسبِ لیاقت اعانت اور مدد کرنا فرض اور اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا حرام ہوگا، اور جبکہ تمام عالمِ اسلامی مثل ایک جسم کے ہے، اگر ایک عضو میں ذرا

بھی تکلیف ہوجاتی ہے تو تمام اعضاء میں بے قراری اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے اور تمام وجوہِ راحات یک قلم متروک ہوجاتی ہیں: ''**ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادعهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى**'' (رواه الشيخان) تو کسی طرح مقتضائے دیانت و شریعت نہ ہوگا کہ عالمِ اسلامی کے کسی گوشے کے باشندوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں، ان کے جان و مال، عزّت و آبرو برباد کئے جاتے ہوں، اور دُوسری جانب کے مسلمان کان میں تیل ڈال کر میٹھی نیند سوتے رہیں، اور مقدرت و استطاعت کے موافق بھی حرکت کرنے سے غفلت شعاری اختیار کریں، نہ وہ عند اللہ وعند الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سبکدوش ہوسکتے ہیں، اور نہ وہ عامہ خلائق اور قومی اور مذہبی مجالس میں منہ دِکھانے کی قابلیت رکھ سکتے ہیں، البتہ اگر انہوں نے اپنی طاقت اور قوّت کے مطابق جان توڑ کوشش کی تو خواہ اس کا کوئی نتیجہ نکلے یا نہ نکلے، معذوریت کے قابل ہوسکیں گے، اسی وجہ سے فقہاء تصریح فرما رہے ہیں کہ:

''**وفرض عين ان هجم العدو، أى علىٰ من يقرب من العدو، فان عجزوا أو تكاسلوا فعلى من يليهم حتى يفترض علىٰ هٰذا التدريج علىٰ كل المسلمين شرقًا وغربًا.**'' (درمختار وشامی ملخصاً ج:۴ ص:۱۲۳،۱۲۴) (حسبِ استطاعت ہر ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوجاتا ہے، اگر کافروں نے مسلمانوں پر چڑھائی کی ہو، یعنی ان مسلمانوں پر جو اس جگہ کے اردگرد بستے ہوں، اور اگر وہ قدرت مقابلے کی نہ رکھتے

ہوں یا انہوں نے کاہلی کی تو ان کے قرب و نواح کے بسنے والوں پر فرض ہوگا، اسی طرح آہستہ آہستہ مشرق اور مغرب کے تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہوجائے گا)۔

"**وفی البزازیة مسلمة سبیت بالمشرق وجب علیٰ أهل المغرب متخلصها من الأسر ... الخ.**"(شامیہ)

اگر کوئی عورت مشرق میں اسیر کی جائے، تو اہلِ مغرب پر واجب ہے کہ اس کو قید سے چھڑائیں۔"

(خطباتِ صدارت ص:۴۶ تا ۴۸)

بہرحال مسلمانوں کو ردائے غفلت اُتار کر اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس وقت مسلمانوں اور اسلام کی بقاء کا مرحلہ درپیش ہے، پوری ملتِ کفر، اسلام اور مسلمانوں کی نسل کشی کرنے کے درپے ہے، ظاہر ہے افغانستان کی تباہی اور عراق کے اُجڑنے کے بعد اب کسی دُوسرے ملک کی طرف رُخ کیا جائے گا، اس سے قبل کہ کسی دُوسرے اسلامی ملک پر دھاوا بولا جائے اس کا تدارک کرلیا جائے۔

دُنیا بھر میں عراق پر امریکی جارحیت کے خلاف ہونے والے احتجاجی مظاہروں سے عام مسلمان حتیٰ کہ بعض پڑھے لکھے سیاسی راہ نما بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ افغانستان اور عراق پر امریکی جارحیت، صلیبی جنگ اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کا نتیجہ نہیں، بلکہ امریکہ کے توسیع پسندانہ عزائم کا شاخسانہ ہے، بی بی سی اُردو نیوز کی ویب سائٹ سے مأخوذ ذیل کی خبر سے اس کی حقیقت کسی قدر عیاں ہوتی ہے کہ امریکی صدر یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہے...؟ ایک طرف بش کی صلیب پرستی اور دُوسری طرف مسلمانوں کی مذہب سے لاتعلقی! اس پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ

بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ!

بی بی سی اُردو نیوز ویب سائٹ سے مأخوذ خبر کا متن ملاحظہ ہو:

''امریکی صدر جارج بش نے پہلی بار چالیس سال کی عمر میں خدا سے رُجوع کیا تاکہ انہیں کثرتِ شراب نوشی کی لت سے چھٹکارا مل جائے۔ اس وقت سے لے کر اب تک وہ اپنے عقیدے پر قائم ہے اور اسی کے بل پر وہ امریکی ایوانِ صدر وائٹ ہاؤس تک پہنچے ہیں، تاہم گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے پہلے وہ اپنے مذہبی عقائد خود تک محدود رکھنے کے قائل تھے۔

لیکن جس روز ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگون پر خودکش حملے ہوئے، مذہب کی جانب ان کا رویہ بدل گیا۔ ان کے قریبی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ اس کے بعد انہیں ایک مقصدِ حیات مل گیا۔

انہیں اس بات کا پختہ یقین ہوگیا کہ خدا ان سے بدی کی قوّتوں کا جنگ کے ذریعہ خاتمہ کروانا چاہتا ہے، تب سے بیس بال کے اس کھلاڑی کے عزمِ مصمم میں کوئی لرزش نہیں آئی۔

گزشتہ سال بش نے ویسٹ پائنٹ کے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ سے اپنے خطاب میں کہا تھا: ہمیں خیر و شر کا معرکہ درپیش ہے، اور امریکہ شر کو مٹا کر ہی دَم لے گا، گویا انہوں نے امریکہ کو خیر کی قوّتوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

اس سال انہوں نے اسٹیٹ آف دی یونین سے خطاب میں کہا: ''نیکی اور امریکیوں کی مثالیت پسندی میں زبردست طاقت ہے، جس سے معجزے ظہور میں آسکتے ہیں، خدا

امریکہ کے ساتھ ہے۔“

یہ بات کئی مذہبی پیشواؤں کے حلق سے نہیں اُترتی، ایک مذہبی پیشوا کا کہنا ہے: ایسا نہیں کہ ہم سب یا ہماری تمام خارجہ پالیسیاں غلطی سے پاک ہوں۔ ایک مذہبی پیشوا ریورنڈ لیس کا کہنا تھا کہ: اس رویے نے ان لوگوں کے کام کو مشکل تر بنادیا ہے، لہٰذا اب وہ اپنے اندر جھانکنے کی زحمت نہیں کرتے، کیونکہ ان کے صدر نے ان سے کہا ہے کہ وہ راہِ راست پر ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ امریکہ میں رُوحانی بالیدگی کے لئے ایک موقع موجود ہے جسے ضائع کیا جارہا ہے۔

دُوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امریکہ میں تمام بڑے گرجوں نے، جن میں صدر بش کا یونائیٹڈ میتھوڈسٹ بھی شامل ہے، عراق پر حملے کی مخالفت کی ہے۔

بش پہلے صدر نہیں، جنھوں نے جنگ کے زمانے میں خدا سے رُجوع کیا ہے.....

صدر بش اپنے اس عقیدے میں تنہا نہیں، ہر تین امریکیوں میں سے ایک اس عقیدے کا قائل ہے کہ حضرت عیسیٰ کا ظہور مشرقِ وسطیٰ میں مسیحی دُشمن قوّتوں کے خلاف ایک عظیم جنگ کے بعد ہوگا۔

کیا امریکی صدر کا یہ خیال ہے کہ وہ اس عمل میں کوئی اہم کردار ادا کرنے والے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ ایک خطرناک بات ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُنسٹھ فیصد امریکی اس بات کے قائل ہیں کہ اِنجیلِ مقدس میں جو کچھ

لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا، اگر ایسا ہو جاتا ہے تو لاکھوں امریکی کہیں گے کہ یہ سب آسمانی ہے۔''

اسی طرح روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۳/اپریل ۲۰۰۳ء کے سنڈے میگزین کے صفحہ:۲ پر جناب شاہد حسین بخاری نے فنانشل ٹائمز کے واشنگٹن بیورو کے سربراہ جیمز ہارڈنگ کی رپورٹ کی تلخیص و ترجمہ کیا ہے، جس کے ابتدائیے کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''امریکا کے تمام صدور نے اپنے مذہبی عقائد کے اظہار میں امریکہ کی کثیر المذہبی حیثیت کو ملحوظ رکھا، مگر موجودہ صدر جارج ڈبلیو بش کے کٹر مسیحی عقائد اور تمام فیصلوں پر مسیحی عقیدے کی گہری چھاپ نے امریکا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

''فنانشل ٹائمز'' کے واشنگٹن بیورو کے سربراہ جیمز ہارڈنگ کے انکشافات اور تجزیے پر مبنی گزشتہ دنوں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں ناقدین کے اس خدشے کی نشاندہی کی گئی ہے کہ تھامس جیفرسن نے کلیسا اور مملکت کے درمیان جو دیوار تعمیر کی تھی وہ بش جونیئر کے دور میں گر رہی ہے، کیونکہ خود وائٹ ہاؤس اور امریکی محکمۂ انصاف گرجا گھر کے منظر پیش کرنے لگے ہیں اور بعض مسیحی رہنماؤں کے نزدیک بش مسیحیت کے چوتھے احیاء کی علامت ہیں۔ راسخ العقیدہ عیسائیوں میں بش کی مقبولیت بڑھنے کے باعث باقاعدہ حکمتِ عملی کے تحت ۲۰۰۴ء کے الیکشن کے لئے کٹر عیسائیوں کو سرگرم کیا جا رہا ہے۔ وائٹ ہاؤس کے عملے پر بائبل کے درس میں شرکت لازمی قرار دے دی گئی ہے، اور بش اپنے دن کا آغاز دو زانو بیٹھ کر عبادت کر کے

کرتے ہیں۔

نئی انتظامیہ کے ابتدائی احکامات میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو عقائد کی بنیاد پر جنگ کی جاسکتی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق عراق کے خلاف فوجیں بھیجنے کے پسِ منظر میں بش کا مذہبی عقیدہ کارفرما ہے اور رمسفیلڈ نے تو مذہبی رہنماؤں سے اس جنگ کو ''حق کی جنگ'' قرار دِلوانے کی بھی کوشش کی تھی۔ اسلامی ملکوں کا سیاسی نظام بدلنے کی ذمہ داری بھی امریکا نے اَزخود قبول کی ہے۔ دُنیا کے بارے میں بش کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خدا اور شیطان کی فرماں روائی ماننے والی مملکتوں کے درمیان جنگ جاری ہے، جس میں ہمارا ساتھ دینے والے خداپرست اور ساتھ نہ دینے والے بدی کے پیروکار ہیں۔''

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ مطابق جون ۲۰۰۳ء)

بین الاقوامی حالات اور ہماری ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اس وقت پوری دُنیا میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہے، مسلمان اور اسلام کو ...نعوذ باللہ... گالی کا درجہ دینے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملتِ کفر کے نزدیک مسلمان ہونا ہی سب سے بڑا ''جرم'' ہے، اس لئے مغرب کے ہاں اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی اس کا حریف اور مدِمقابل ہے، جس طرح مغرب اور یہود و نصاریٰ کے لئے اسلام ناقابلِ برداشت ہے، ٹھیک اسی طرح ان کے ہاں مسلمان بھی ناقابلِ برداشت اور قابلِ گردن زدنی ہے۔

مسلمان خواہ کسی بھی خطے، علاقے اور زبان کا ہو، ناقابلِ برداشت ہے ...چاہے وہ امریکہ کا ہو یا برطانیہ کا، فرانس کا ہو یا جرمنی کا، ناروے کا ہو یا اٹلی کا، اس کا تعلق ہندوستان سے ہو یا افغانستان سے، وہ عربی ہو یا عجمی، ایرانی ہو یا عراقی، یورپی ہو یا افریقی، ہندی ہو یا یونانی، غرض کہیں کا ہو... وہ مجرم، دہشت گرد، باعثِ نفرت اور قابلِ گردن زدنی ہے ...اس لئے کہ ... وہ کفر کا باغی ہے، اور باغی کی سزا موت ہے۔

انسانی حقوق کے دعویدار ممالک اور ''حقوق، حقوق'' کی مالا جپنے والی دُنیا بھر کی اسلام دُشمن تنظیموں کے ہاں جانوروں، پرندوں، کتوں، بلیوں حتیٰ کہ جنگلی

درندوں اور خنزیروں تک کے بھی حقوق ہیں، لیکن افسوس! کہ کسی مسلمان کے ان کے ہاں کوئی حقوق نہیں۔

دُنیائے کفر کے نزدیک مسلمانوں کو جانوروں کی طرح مادرزاد ننگا کرکے آہنی پنجروں میں بند کرنا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کے سامنے ان کی عفت مآب بہنوں، بیٹیوں، بیویوں اور ماؤں کے ساتھ حیاسوز سلوک کرنا اور ان کی عزّت و عصمت تارتار کرنا اور مرد و زَن کے عریاں جسم کے نازک حصوں کو سگریٹ سے داغنا اور الیکٹرک شاک لگانا نہ صرف جائز ہے بلکہ عینِ انصاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ہر مسلمان ''مجرم'' ہے اور ان کا ہر ''مجرم'' مجرموں کے کٹہرے میں لاکھڑا کرنے کے قابل ہے، اور وہ کسی رو رعایت کا مستحق نہیں۔

بالفرض اگر مغرب کو اس کا شبہ بھی ہوجائے کہ فلاں خطے اور ملک کا فلاں فرد، افراد یا مسلمان، چشمِ بد دُور! ہمارے جبر و تشدد کے نظام کے خلاف ہیں، یا یہود و نصاریٰ کے مفادات کے خلاف لب کشائی ایسے ''جرم'' کے مرتکب ہیں، یا کم از کم ہماری انسانیت کش پالیسیوں سے متفق نہیں، تو وہ نہ صرف اُنہیں اپنے استبدادی شکنجے میں جکڑ کر نشانِ عبرت بنانے کو پہنچ جاتا ہے، بلکہ وہ اس پورے ملک اور خطے پر آگ و آہن کی بارش کرکے اسے کھنڈرات میں تبدیل کردیتا ہے۔

الجزائر، بوسنیا، چیچنیا، لبنان (بیروت)، فلسطین، افغانستان اور اب عراق کی بربادی اور مسلم اُمہ کا قتلِ عام اس درندگی کی کھلی مثالیں ہیں۔

دُور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے گرد و پیش کا ہی جائزہ لے کر دیکھئے تو قدم قدم پر آپ کو مغربی استعمار کے مظاہر نظر آئیں گے۔

اگر کوئی شخص دلِ دانا اور چشمِ بینا رکھتا ہے تو اُسے انسانی تاریخ کے ماضی و حال کے جھروکوں سے روزِ روشن کی طرح کھلی آنکھوں نظر آئے گا کہ اس مقتل گاہ میں کتنے بےقصور اپنی جان، مال، عزّت، آبرو حتیٰ کہ اپنے وجود کا نذرانہ پیش کرچکے ہیں،

کتنی آزاد اسلامی ریاستیں اور مسلمان ممالک ایسے تھے جو محض اس لئے صفحۂ ہستی سے مٹادیئے گئے کہ وہ مغرب کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے تھے، یا ان کے پروگرام سے متفق نہیں تھے، وہ ظلم کو ظلم کہتے اور ناجائز کو ناجائز باور کراتے تھے۔

کوئی بتلائے! کہ اسپین، اُندلس، غرناطہ، سمرقند، بخارا وغیرہ کا کیا قصور تھا؟ کہ ان سے اسلام اور اسلامی آثار کھرچ کھرچ کر صاف کرنے کی کوشش کی گئی...؟ یہاں تک کہ آج ان میں سے بہت سے اسلامی ممالک اور اسلامی تعلیمات کے مراکز کے نام تک سے ہماری نئی نسل اور مسلم برادری ناآشنا ہے۔

خیر یہ تو قصۂ پارینہ ہو چکا، اور اب اس پر کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں رہا، لیکن کیا فلسطین، کشمیر، افغانستان، عراق، بوسنیا، چیچنیا اور لبنان میں بہنے والا گرم اور تازہ لہو بھی کسی کو دِکھائی نہیں دیتا...؟

کیا کبھی کسی نے غور کیا کہ آخر ہر جگہ مسلمان ہی کے گلے پر چھری کیوں پھرتی ہے؟ ہر گولی کا نشانہ اسلام کا شیدائی ہی کیوں بنتا ہے؟ کیا ان اندھی گولیوں کو مغرب کی ''برکت'' سے دیکھنے والی آنکھیں میسر آگئی ہیں؟ اگر نہیں، تو اس دُنیا میں بسنے والے کروڑوں یہودی، عیسائی، پارسی، ہندو اور لامذہب ان سے کیسے محفوظ ہیں...؟ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کو چن چن کر ختم کرنے کے پروگرام پر عمل درآمد ہو رہا ہے اور ان کی عددی کثرت کو قلت میں بدلنے کے ناپاک منصوبہ اور بھیانک پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعی کی جارہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دُنیا بھر میں مسلمان مظلوم و مقہور اور زخموں سے چور چور ہے، ان کی صدائے مظلومیت سے زمین و آسمان میں کہرام ہے، مگر انسانیت نمادرندے اس سے ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔

غیروں سے کیا شکایت! نام نہاد ''اپنے'' بھی منقارِ زیر پر ہیں، بلکہ چشمِ بد دُور! وہ خود ان کی ہاں میں ہاں ملانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، جبکہ بہت سے محروم

القسمت تو اپنی بے حسی، بزدلی، بے غیرتی اور مفاد پرستی کے پیشِ نظر بین الاقوامی استعمار اور مغربی طاقتوں کے زَرخرید غلام کا کردار ادا کر رہے ہیں، چنانچہ وہ اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں اسلامی حریتِ فکر اور آزادیٔ ضمیر کے علَم برداروں کو چن چن کر ختم کر رہے ہیں یا پھر ان کو پکڑ پکڑ کر اغیار کے حوالے کر رہے ہیں، دُوسرے لفظوں میں وہ استعماری پروگرام کو ترویج دینے، اسلامی اقدار کی راہ روکنے، مسلمانوں کو ذلیل و رُسوا اور کفار کو خوش کرنے کو کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں۔

اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ صورتِ حال کا ذمہ دار جہاں مغربی استعمار ہے، وہاں اس بدترین توسیع پسندانہ پروگرام کی ترویج میں میر جعفر و صادق جیسے ضمیر فروشوں کی کاوشیں بھی شامل ہیں۔

اس وقت دُنیا بھر کے مسلمان کفار کے لئے تر نوالہ ہیں، اور وہ اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، بلکہ اس کو ہڑپ کرنے کے لئے ایک دُوسرے کو دعوت دے رہے ہیں، بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال پر صد فی صد صادق آتا ہے کہ:

"عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یُوْشَکُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعَی الْاَکِلَۃُ اِلٰی قَصْعَتِہَا. فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّۃٍ نَّحْنُ یَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ! وَلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ، وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰہُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمُ الْمَھَابَۃَ مِنْکُمْ، وَلَیَقْذِفَنَّ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمُ الْوَھْنَ! فَقَالَ قَائِلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَمَا الْوَھْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ!" (ابوداوٗد ص:۵۹۰)

ترجمہ:......"حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ: رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے جبکہ تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے (مل کر سازشیں کریں گی اور) ایک دُوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانا کھانے والے (لذیذ) کھانے کی طرف ایک دُوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کے دِل سے تمہارا رُعب اور دَبدَبہ نکال دیں گے اور تمہارے دِلوں میں ''بزدلی'' ڈال دیں گے! کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت!''

مسلمانوں کی موجودہ بے بسی، مغلوبیت، مظلومیت اور مقہوریت کی صورتِ حال میں جہاں مغرب کے جبر وتشدد، قتل و غارت، دہشت گردی، اسلام دُشمنی اور مسلم کش پالیسی کا دخل ہے، وہاں مسلمان حکمرانوں کی بے حسی، بے غیرتی، بے حمیّتی، راحت طلبی، خودغرضی، مفاد پرستی، وہن و بزدلی اور عقیدۂ آخرت پر ایمان و یقین کی کمی کے علاوہ مسلمانوں کی بدعملی، فسق و فجور، عریانی و فحاشی، راگ راگنی، گانے باجے کی ترویج، مغربی تہذیب وتمدن میں اغیار کی نقالی، رہن سہن، لباس، پوشاک غرض ہر چیز میں اُستاذِ مغرب سے ہدایات لینے اور قدم بقدم اس کی اِتباع کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔

جہاں تک اسباب و وسائل اور مسلمانوں کی تعداد کا تعلق ہے، مسلمانوں کو بحمداللہ کسی احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے، خیر سے اس وقت مسلمان ممالک کی تعداد چھپن (۵۶) سے زائد ہے، اسی طرح وہ افرادی قوّت کے اعتبار سے بھی ڈیڑھ اَرب کے لگ بھگ ہیں۔

معدنی ذخائر، تیل، گیس، سونا، چاندی، لوہا، تانبہ اور کوئلہ وغیرہ کے علاوہ کپاس، گنا اور اناج کے اعتبار سے مسلمان کسی کے محتاج نہیں، حتیٰ کہ بعض شعبوں میں مسلمان دُنیا بھر میں ممتاز نظر آتے ہیں، پھر جغرافیائی محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی سوائے چند ایک کے قریب قریب تمام مسلمان ممالک کو گرم سمندر میسر ہے، جبکہ نہری اور آب پاشی کا مؤثر نظام بھی مسلمان ممالک کے پاس ہے، ایسے ہی تمام بنیادی ضرورتوں کے علاوہ مالی وسائل، اقتصادی ذرائع، معدنی ذخائر و درآمد و برآمد، نقل و حمل اور طلب و رَسد کے اسباب و ذرائع سے بھی مسلمان ممالک مالامال ہیں۔

ہمارے خیال میں مسلمانوں کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اگر کچھ کمی ہے تو ہمت و جرأت، فہم و فراست، اتحاد و اتفاق، ایثار و قربانی، جہد و مجاہدہ، خلوص و اِخلاص، بے نفسی و بے غرضی، سیاسی حکمت و بصیرت، عقل و تدبر، غور و فکر، شعور و آگہی، معاملہ فہمی اور دوست و دُشمن کے امتیاز کی کمی ہے۔

اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ صورتِ حال کا ذمہ دار کوئی خاص طبقہ، ملک و قوم نہیں، بلکہ ہم سب ہی اس کے ذمہ دار ہیں، جس طرح حکمران اس کے ذمہ دار ہیں، ایسے ہی علماء اور عوام بھی اس کے ذمہ دار ہیں، لہٰذا ان ہر سہ طبقات کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس گھمبیر فضا اور جاں گُسل مرحلے سے نکلنے میں ایک دُوسرے کی مدد کرنا چاہئے، اگر خدانخواستہ ہم اس کی ذمہ داری کا ایک دُوسرے پر اِلزام دھرتے رہے اور اس کے لئے کوئی مؤثر حکمتِ عملی طے نہ کی، تو نہ صرف یہ کہ اس کا فائدہ دُشمن کو ہوگا، بلکہ ہمیں دُنیا کے نقشے سے حرفِ غلط کی طرح مٹادیا جائے گا۔

حکام کی ذمہ داری:

چونکہ حکمران اور اربابِ اقتدار، عوام اور قوم کے لئے نمونۂ عمل ہوتے ہیں،

ان کے قول وفعل، طرزِ عمل اور دِین و مذہب پر عوام اپنے دِین و مذہب کی بنیادیں قائم کرتی ہیں، کیونکہ ''الناس علی دین ملوکھم'' (لوگ اپنے حکمرانوں کے دین و مذہب پر ہوتے ہیں) ایک مُسلّمہ حقیقت ہے۔

اس لئے موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر مسلم حکمرانوں کو درج ذیل نکات کوملحوظِ خاطر رکھنا اوراس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ:

۱:... مسلمان حکمرانوں کوارشادِ الٰہی:

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ.'' (الانفال:۶۰)

ترجمہ:... ''اور تیار کرو اُن کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکو قوّت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اُس سے دھاک پڑے اللہ کے دُشمنوں پر اور تمہارے دُشمنوں پر۔''

کو سامنے رکھتے ہوئے کفار سے مقابلے کی ہر ممکن تیاری کرنا چاہئے اور ہر طرح کے چھوٹے، بڑے ہتھیار اور اسلحہ بنانے، ان کو جمع کرنے اور چلانے میں مہارت حاصل کرنا چاہئے، اگر مسلمانوں نے اس قرآنی ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا تو اہلِ کفر اِن کو تر نوالہ نہیں سمجھیں گے۔

۲:... مسلمان ممالک کے سربراہان کو دوست و دُشمن کی پہچان کرنا چاہئے اور کفار کو اَپنا رازدار یا دِلی دوست نہیں بنانا چاہئے، اس لئے کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ.....''

(آل عمران:۲۸)

ترجمہ:... ''نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ

سے کوئی تعلق۔‘‘

گویا جو قوم و ملک اور مسلم سربراہ کفار سے دِلی دوستی رکھے گا وہ اللہ کی مدد سے محروم رہے گا۔

۳:... کفار سے مسلمانوں کو قطعاً خیرخواہی و نفع کی توقع نہیں رکھنا چاہئے، بلاشبہ کفار کبھی بھی مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہوسکتے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

’’یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَـاْلُوْنَـكُمْ خَبَـالًا وَّدُّوْا مَـا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ، قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیَاتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ.‘‘ (آل عمران: ۱۱۸)

ترجمہ:...’’اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، نکلی پڑتی ہے دُشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم نے بتادیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے۔‘‘

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اس سے دھوکا لگا ہے کہ فلاں، فلاں مغربی ملک اس کا ’’حلیف‘‘ ہے اور وہ اس کی مدد کرے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر ایسا کوئی مرحلہ آیا ان کے نام نہاد ’’دوست ملکوں‘‘ نے ان کی مدد کے بجائے خود ان کی جڑیں کاٹی ہیں۔

۴:... مسلمان ممالک کو آپس میں اتحاد و اتفاق، خلوص و اِخلاص اور محبت و اعتماد کی فضا قائم کرنا چاہئے، مفاد پرستی، خودغرضی، قومی، وطنی اور لسانی عصبیت کو قریب نہیں آنے دینا چاہئے، بلکہ مسلمانوں کا تشخص صرف اور صرف اسلام ہونا چاہئے، اگر اس اتحاد و یگانگت کو اپنایا گیا تو مسلم اُمہ کا پوری دُنیا پر رُعب اور شوکت

ہوگی، نہیں تو مسلمانوں کی ہوا اُکھڑ جائے گی، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: ''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ!'' (اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی)۔

۵:...مسلمانوں کو سستی، کاہلی، بزدلی، بے دینی اور ڈر و خوف کے بجائے قوّت و ہمت، جرأت و شجاعت اور ایمان و ایقان کا مظاہرہ کرنا چاہئے، اگر مسلمانوں نے ڈر، خوف، سستی، کاہلی کو پاس نہ آنے دیا اور ایمان و ایقان کا مظاہرہ کیا تو فتح و کامرانی اور عظمت و سربلندی ان کے قدم چومے گی، ملاحظہ ہو اِرشادِ الٰہی ہے:

''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.'' (آل عمران:۱۳۹)

ترجمہ:...''اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

۶:...مسلمان حکمرانوں کو مغرب کو راضی کرنے اور اپنے آپ سے ''انتہاپسندی'' کا لیبل ہٹانے کے لئے کچھ زیادہ مصالحت پسند اور ''لبرل'' بننے کی کوشش وحماقت نہیں کرنا چاہئے، بلاشبہ موجودہ دور میں مسلمان حکمرانوں کی بے وقعتی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے دِین و مذہب اور ملک و ملت سے محض اس وجہ سے رشتہ محدود کرلیا ہے کہ کہیں اُنہیں ''رجعت پسند'' یا ''انتہاپسند'' نہ کہا جانے لگے، قرآنِ کریم نے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دُور کرتے ہوئے واضح انداز میں فرمایا:

''وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ.....'' (البقرۃ:۱۲۰)

ترجمہ:...''اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دِین کا۔''

غرض کوئی یہ چاہے کہ وہ مسلمان بھی رہے اور ملتِ کفر اس سے راضی بھی

رہے، ایں خیال است ومحال است وجنوں! دراصل ملتِ کفر کو لفظ ''مسلمان'' سے ہی چڑ اور بغض و عناد ہے، ورنہ دیکھا جائے تو کوسوو، بوسنیا وغیرہ کے مسلمان کون سے انتہاپسند تھے...؟ وہ بیچارے تو اَرکانِ اسلام سے بھی مشکل سے واقف تھے، ان کی شکل و شباہت، وضع قطع، لباس و پوشاک بھی مغرب جیسی تھی، ہاں! البتہ چونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور اسلام سے اپنی نسبت و رِشتہ گانٹھتے تھے، اس لئے انہیں تہہ تیغ کردیا گیا۔

۷:... مسلمان حکمرانوں کو مسلم اُمہ کے مفادات کے لئے بیداری کا ثبوت دینا چاہئے، انہیں اس کے لئے ایک موٴثر و فعال تنظیم بنانی چاہئے جو ہر وقت دُنیا بھر کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے کمربستہ نظر آئے، اور کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرسکے، ہر فورم اور میدان میں ان کا مقابلہ کرے، دلائل و براہین اور مشاہدات و واقعات کی روشنی میں اپنا موقف ثابت کرے اور ملتِ کفر کی زیادتیوں کو بین الاقوامی میڈیا کے سامنے لائے اور دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کرکے دکھائے۔

بلاشبہ کفر ہماری نمازوں، روزوں، زکوٰتوں، فطروں، رفاہِ عام کے کاموں، حج و عمروں سے خائف نہیں، اس کو اگر کچھ خوف و خطرہ ہے تو مسلمان کی بیداری اور جذبہٴ جہاد سے ہے، اسی لئے وہ مسلمان حکمرانوں کے ذریعہ جہاد کے لفظ کو نصاب سے نکلوانے میں مصروف ہے۔

۸:... اسی طرح انہیں مسلم ممالک کی تجارتی کرنسی بھی وضع کرنا چاہئے، تاکہ دُنیا بھر کی تجارت اور لین دین کے کھربوں ڈالر کا کمیشن بذریعہ ''ڈالر'' مغرب کے خزانہ میں جانے کے بجائے مسلمانوں کے پاس ہی رہے۔

۹:... کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے یا ملتِ کفر کی ہاں میں ہاں ملانے سے بزدل مسلمانوں کی جان بخشی نہیں ہوگی، تاتاری فتنہ کے دور میں بزدل اور نام

نہاد مسلمان اس تجربہ سے گزر چکے ہیں، چنانچہ ایک تاتاری کسی بزدل مسلمان کو پکڑتا اور کہتا: ''یہیں کھڑا رہ! میں گھر سے تلوار لاتا ہوں اور تجھے قتل کرتا ہوں'' تاتاری گھر جاتا، تلوار لاتا اور آکر اس کو قتل کردیتا، مگر وہ نام نہاد مسلمان، مزاحمت کرنے یا بھاگ جانے کی کوشش صرف اس لئے نہ کرتا کہ شاید اس کو میری یہ ''اطاعت شعاری'' پسند آجائے اور وہ میری جان بخشی کردے۔

اس کے علاوہ موجودہ دور میں جن مسلمان ممالک نے مغربی مفادات کے تحفظ اور ان کے پروگرام کی ترویج کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں یا ان کی آواز پر لبیک کہا ہے، ان کا حشر بھی ہر ایک کے سامنے ہے کہ سب کچھ قربان کرنے کے باوجود بھی مغرب کی ناراضگی کی تلوار اب تک ان کے سروں پر لٹکی ہوئی ہے۔

۱۰:... اپنے معاشی وسائل، معدنی ذخائر اور مال و دولت پر کنٹرول حاصل کرنے اور اسراف وتبذیر سے احتراز کی ازحد کوشش کی جائے۔

افسوس! ایک طرف مغرب اپنے تمام وسائل اور خزانے کا اکثر حصہ بلکہ اپنے چرچ تک فروخت کرکے مسلمانوں کے دِین و ایمان برباد کرنے اور ان کی نسلوں کو کافر بنانے کے لئے این جی اوز کے نام سے غریب مسلمان ملکوں میں اسکول و کالج اور ہسپتالوں کے نام سے جال پھیلا رہا ہے، جبکہ دُوسری طرف مسلمان ممالک کے خوشحال افراد اور شہزادے اپنی بے پناہ دولت کو عیش وطرب اور ناچ گانے کی محفلوں، اسٹیج ڈراموں کے فن کاروں اور گلوکاروں کے قدموں میں نچھاور کر رہے ہیں، حالانکہ وہاں کی اکثر آبادی نانِ شبینہ کی محتاج ہے اور جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے میں مشکلات کا شکار ہے، چنانچہ شنید ہے کہ دُنیائے عرب کے ایک مال دار شہزادے نے لبنان میں دُنیائے عرب کی گلوکاراؤں کا اجتماع منعقد کیا، جس میں شریک ہر گلوکار و گلوکارہ کو مرسڈیز کار بطورِ تحفہ پیش فرمائی، فانا للہ و انا الیہ راجعون!

۱۱:... اسی طرح مسلمان سربراہان اور سرمایہ داروں کو مغربی بینکوں سے اپنا

سرمایہ نکال کر اپنے اپنے ملک میں رکھنا چاہیئے، تا کہ مغرب ہمارے سرمایہ کے زور پر ہم پر حکومت نہ کرنے پائے، چنانچہ ماہرینِ اقتصادیات کے مطابق اگر مغربی بینکوں سے مسلمان اپنا سرمایہ نکال لیں، تو مغرب کو اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا، اور وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہوجائے گا۔

۱۲:... ایسے ہی مسلم حکمرانوں کو اپنے اپنے ملک کے ذہین نوجوانوں، تعلیم یافتہ افراد اور ماہرینِ فن کی قدر کرنی چاہیئے اور ان کی صلاحیتوں کو اپنی قوم و ملک کی خدمت کے لئے بھاری ترغیبات اور قابلِ قدر اُجرت کے عوض حاصل کرنا چاہیئے، تا کہ وہ حصولِ روزگار کے لئے مغرب کا رُخ نہ کریں، اور ان کی صلاحیتوں کے زور پر مغرب ہم پر حکمرانی نہ کرسکے۔

۱۳:... مسلمان حکمرانوں کو خودداری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، اس لئے کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے، پھر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حاکم بنایا ہے نہ کہ محکوم! چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"..... وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتَاكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ." (المائدۃ:۲۰)

ترجمہ:..."اور کردیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہاں میں۔"

اس لئے انہیں کسی غیرمسلم سورما کی چاپلوسی کی بجائے ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس حق کو حاصل کرنا چاہیئے، اسی طرح ان کو مغرب کے ظاہری اسباب اور مادّی وسائل سے متأثر ہونے کے بجائے براہِ راست احکم الحاکمین کی ذات سے رشتہ استوار کرنا چاہیئے، بلکہ ملکۂ سبا کے جانشینوں کے چکاچوند کردینے والے ہدایا اور تحائف کے مقابلے میں اسوۂ سلیمانی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کرنا چاہیئے:

''اَتُمِدُّوْنَنِیْ بِمَالٍ فَمَا اٰتَانِیَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِّمَّا اٰتَاکُمْ، بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ. اِرْجِعْ اِلَیْھِمْ فَلَنَاْتِیَنَّھُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَھُمْ بِھَا وَلَنُخْرِجَنَّھُمْ مِّنْھَا اَذِلَّةً وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ.''

(النمل:۳۶، ۳۷)

ترجمہ:... ''کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے، سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو۔ پھر جا اُن کے پاس، اب ہم پہنچتے ہیں اُن پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہوسکے اُن سے اور نکال دیں گے اُن کو وہاں سے بے عزّت کرکر اور وہ خوار ہوں گے۔''

بلاشبہ خودداری میں ملکوں اور قوموں کی بقا کا راز ہے، چنانچہ جو ملک آج بھی اس کا مظاہرہ کر رہے ہیں، وہ دُنیا میں سربلند و سرفراز ہیں، اور ان کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، کوریا، اِنڈیا اور اِسرائیل جیسے ہنود و یہود بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں اور وہ دُنیا کی سپر طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں، ہمارے خیال میں ان کی یہی وہ خودداری ہے جس کی بدولت انہیں یہ مقام میسر آیا ہے۔

۱۴:... مسلمانوں کو ضروریاتِ زندگی میں خودانحصاری اور کفایت شعاری کے طرزِ عمل کو اپنانا چاہئے، چنانچہ ہمارے خیال میں مسلمان ممالک کو اس کا اہتمام اور کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اشیائے ضرورت میں سے چھوٹی سے بڑی ہر چیز خود تیار کریں، جن کا معیار عمدہ اور قیمت نہایت معقول ہونی چاہئے۔

اس کے علاوہ ایسی تمام مصنوعات جو ملک کے اندر تیار ہوتی ہوں، انہیں غیرمسلم ممالک سے درآمد کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے، یا کم از کم ان کی درآمد کی اتنا حوصلہ شکنی کی جائے کہ کوئی مسلمان ان کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔

مگر افسوس! کہ مسلمان ممالک کے سربراہوں اور تاجروں کو اس طرف قطعاً

کوئی توجہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک ہر چیز میں مغرب کے محتاج ہیں، چنانچہ ہماری معلومات کی حد تک کوئی مسلم ملک ایسا نہیں جو بحری اور ہوائی جہاز تو کجا، ہیوی مشینری، بسیں، ٹرک اور کاریں وغیرہ بناتا ہو!

ہماری اس بے حسی، بے تدبیری اور غیر دانشمندی کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آمدنی کا دو تہائی سے زیادہ حصہ غیر ملکی درآمدات کی مد میں غیر ملکی خزانے میں چلا جاتا ہے۔

۱۵:... مسلمان اس وقت جس ذلت و ادبار، خوف و ہراس، مظلومیت و مقہوریت سے دوچار ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ذاتی و انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی و دستوری معاملات تک ہر معاملے میں قرآن و سنت کے کامل و مکمل دستورِ حیات سے ہٹ چکے ہیں، ان کے اعمال و افعال اور ایمان وعقیدہ کی قدریں بدل چکی ہیں، ان کا اخلاق و کردار اغیار کی غلامی کی نذر ہو چکا ہے۔

اگر مسلمان آج بھی اپنے ایمان و یقین، اعمال و افعال اور اخلاق و کردار کا قبلہ دُرست کرلیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ انہیں مظلومیت، مقہوریت اور محکومیت کی بجائے حکومت و خلافت اور امن و اطمینان نصیب فرمادیں گے، چنانچہ وعدۂ الٰہی ہے:

”وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا، یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا، وَّمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ.“

(النور:۵۵)

ترجمہ:... ”وعدہ کرلیا اللہ نے اُن لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں اُنہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے

حاکم کردے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو
اور جمادے گا اُن کے لئے دِین اُن کا جو پسند کردیا اُن کے
واسطے اور دے گا اُن کو اُن کے ڈَر کے بدلے میں امن، میری
بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی
ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔''

مگر اے کاش! کہ اس وقت مسلمان ممالک کی اکثریت ارشادِ الٰہی:

''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ...اور... وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ.'' (المائدۃ: ۴۵، ۴۷)

ترجمہ:...''اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا، سو وہی لوگ ہیں ظالم .....اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اُتارا اللہ نے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔''

کے مصداق نصرت و مددِ الٰہی کے اعزاز سے محروم، خلافت و حکومت اور خودداری و خودمختاری کی سعادت سے بے بہرہ ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ وہ خوف و ہراس اور مظلومیت و مقہوریت سے دوچار ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اگر کچھ ''سرپھروں'' نے اپنے آپ کو اسلامی اُصولوں کے مطابق ڈھالنے، خدا کی زمین پر خدا کا نظام نافذ کرنے اور دُنیائے کفر اور ان کے کافرانہ نظام سے بغاوت کی کوشش کی، تو نام نہاد مسلمانوں کی اکثریت نے نہ صرف ان سے دستِ تعاون کھینچ لیا، بلکہ انہوں نے اپنی تائید و حمایت کا وزن بھی اغیار کے پلڑے میں ڈال کر ان کی جلی و خفی مخالفت کی، اور ایسے شوریدہ سروں کو دُنیائے کفر کے ظلم و استبداد اور جبر و تشدّد کے حوالہ کردیا، چنانچہ آج دُنیا میں جہاں کہیں مسلمان، کفر کے مظالم کا تختۂ مشق نظر آتے ہیں، غور کیا جائے تو اس میں یہی اسباب و عوامل کارفرما

نظر آئیں گے، ورنہ ممکن نہیں تھا کہ ڈیڑھ ارب سے زائد اور چھپن اسلامی ممالک کی مسلم برادری کو یوں گاجر مولی کی طرح کاٹا جاتا؟

افغانستان، عراق، الجزائر، کوسوو، بوسنیا، چیچنیا، لبنان، فلسطین، لیبیا اور سوڈان کا حشر سب کے سامنے ہے، اسی طرح کویت، سعودی عرب اور پاکستان کے علاوہ دُوسرے متعدّد اسلامی ممالک پر دُنیائے کفر کا غیر معمولی دباؤ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

علمائے اُمت کی ذمہ داری:

اس وقت اُمتِ مسلمہ جس کرب و ابتلا کے دور سے گزر رہی ہے اور مسلمانانِ عالم جس بے بسی، مظلومیت و مقہوریت اور جبر وتشدّد سے دوچار ہیں، انہیں اس صورتِ حال سے نکالنے کے لئے جس طرح مسلم حکمرانوں اور سربراہوں کو سر جوڑ کر بیٹھنے اور اس کا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح علمائے اُمت پر بھی لازم ہے کہ وہ ٹھنڈے دِل سے اس صورتِ حال کا جائزہ لیں اور حکمت و دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُمت کی دستگیری و راہ نمائی کا فریضہ انجام دیں۔

ہمارے خیال میں اُمت کی راہ نمائی کی سب سے زیادہ ذمہ داری علمائے اُمت پر عائد ہوتی ہے، انہیں اس پر غور و فکر کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نائبِ رسول بنایا ہے، جس طرح حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کو وقت کے طاغوت اور جبر وتشدّد سے نجات دِلانے کے لئے تشریف لاتے تھے، اسی طرح انہیں بھی نیابتِ نبوی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے موجودہ دور کے طاغوت کے پنجۂ استبداد سے اُمتِ مسلمہ کو نجات دلانے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیئے۔

انہیں سوچنا چاہیئے کہ عنداللہ یا عندالناس اگر انہیں کچھ عزّت و مقام حاصل ہے تو وہ سب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دِینِ مبین سے نسبت وتعلق کا صدقہ ہے، اسی طرح مسلمانوں میں ہماری جو کچھ عظمت و احترام اور ادب ہے، وہ سراسر اللہ

کے دِین سے وابستگی کا مرہونِ منّت ہے۔ ہمارے ملک میں یا دُنیا میں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزر رہا ہے یا گزرنے والا ہے اس میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے؟

بلاشبہ اس وقت دُنیا کی آنکھیں علماء کی طرف لگی ہوئی ہیں، علماء اس سلسلے میں جو کردار ادا کریں گے، تاریخ اُسے اپنے سفینوں اور اُمت وقوم اپنے سینوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے گی۔ یقیناً موجودہ دور علماء کے امتحان کا وقت ہے، لہٰذا علمائے اُمت کو درج ذیل خطوط پر کام کرنا چاہئے:

۱:... طبقۂ علماء کو خود اَور دُوسروں کو بھی خلوص و اِخلاص کا درس دینا چاہئے، اور دِین و ایمان اور اسلام وعقیدہ کے تحفظ کے لئے تن، من، دھن کی بازی لگادینی چاہئے، انہیں چاہئے کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہیں، کسی وقتی مصلحت اور دُنیاوی منفعت کے لئے حقائق کو تحریف کا شکار نہ ہونے دیں۔

۲:... علمائے ربانی کا فرض ہے کہ وہ سروں پر کفن باندھ کر اپنے اپنے علاقے، حلقے، شہر، صوبے، ملک اور خطے میں مسلمانوں کی معاونت و دستگیری کے لئے میدان میں آجائیں، ان کو حقائق سے آگاہ کریں، لادِین قوّتوں اور دُنیائے مغرب کے مذموم مقاصد وعزائم سے آگاہ کریں۔

نہایت ہی بے حسی اور بے غیرتی ہوگی کہ دِین، اسلام اور مسلمانوں پر نازک ترین وقت آجائے اور علمائے اُمت خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں، اور تأویلیں کرتے رہیں کہ ابھی عزیمت کا وقت نہیں، رُخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۳:... علمائے اُمت اپنے اپنے ملکوں اور اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں مسلمانوں کی ذہن سازی کریں کہ ہم دُنیاوی مفادات اور چند روزہ زندگی کی معمولی آسائشوں کے بدلے میں اپنے دِین و ایمان کا سودا نہیں کریں گے، لہٰذا اگر کبھی ہمارے خلاف معاشی ناکہ بندی ہوئی تو ہم حکومت کا ساتھ دیں گے، اسی طرح ان کو اس پر تیار کریں کہ ہم اپنے اپنے ملک کے چپے چپے کی حفاظت و صیانت میں کسی

قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، ان کو باور کرائیں کہ دُنیائے مغرب اور وقت کا طاغوت اپنے باطل نظریات اور توسیع پسندانہ مذموم عزائم و مقاصد کے لئے اپنی قوم و ملک اور فوج کو استعمال کرتا ہے، اور ان کی قوم اپنی حکومت وفوج کا ساتھ دیتی ہے، تو ہم اپنے صحیح دِین و مذہب اور نجاتِ آخرت کے لئے اپنی حکومت، فوج اور قوم و ملک کا ساتھ کیوں نہیں دیں گے؟

۴:... اسی طرح وہ قوم کو اس کی تعلیم دیں کہ داخلی اور فروعی نزاعات کو یکسر ختم کرکے متحد ہوکر مشترکہ دُشمن کے خلاف صف آراء ہوجائیں، ایسے ہی سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر بین الاقوامی درندگی کے مقابلے کے لئے تیار ہوجائیں۔

۵:... چونکہ دُشمن اپنی چالوں میں کامیاب ہونے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے، ان کی جمعیت اور اتحاد و اتفاق سے ہمیشہ خائف رہا ہے، اس لئے اس کی کوشش ہوگی کہ وہ مسلمانوں کو باہم دست و گریباں کرکے انہیں قومی، صوبائی، لسانی، عصبیت اور فرقہ بندی کے تقسیم در تقسیم مہلک مرض میں مبتلا کرکے، ان کو فنا کے گھاٹ اُتار دے، اس لئے علمائے اُمت کو اس کے سدِباب کی بطورِ خاص کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ اگر ملک وقوم اور دِین و مذہب ہی باقی نہ رہے گا تو اختلاف کس کام کا؟

۶:... اسی طرح علماء کو چاہئے کہ وہ مسلمان حکمرانوں کو نہایت خیرخواہی اور متانت وسنجیدگی سے یہ باور کرائیں کہ اگر آپ قوم و ملک اور دِین و مذہب کی حفاظت وصیانت میں مسلمانوں کی قیادت وراہ نمائی کا فریضہ انجام دیں گے تو مسلمان آپ کو یقین دِلاتے ہیں کہ ہم آپ کے غلامِ بے دام رہیں گے، ہمارا اختلاف اور جھگڑا آپ سے نہیں، بلکہ ہمارا حریف کفر و طاغوت ہے، اور کفر و طاغوت کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز پر ہم لبیک کہیں گے۔

۷:... ایسے ہی اربابِ اقتدار اور سوِل سروِس کے حکومتی عہدیداران کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے کہ آپ کو جو کچھ عزّت و وقار اور اختیار و اقتدار حاصل ہے وہ

مسلمان ملک وقوم، دِین و مذہب اور ایمان وعقیدے کی حفاظت وصیانت کی بدولت ہے، اگر خدانخواستہ اس اسلامی ملک وقوم اور دِین و مذہب کو حرفِ غلط کی طرح مٹادیا گیا یا اس پر اغیار کا تسلط ہوگیا تو آپ کی عزّت و وقار اور اقتدار و اختیار کیونکر باقی رہے گا؟ اس لئے محافظینِ اسلام کی مساعی اور کفر وطغیان کے خلاف ان کی جنگ براہِ راست نہ سہی بالواسطہ آپ کے اس منصب کے تحفظ و بقا کی جنگ ہے، لہٰذا آپ کو کھل کر مسلمانوں کے جذبات کی پذیرائی اور ان کی سرپرستی کرنا چاہئے، یوں مسلمانوں کی مساعی کو سرکاری تائید وحمایت سے مزید قوّت وتقویت حاصل ہوجائے گی۔

۸:...سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو توبہ و اِستغفار اور اِنابت و رُجوع الی اللہ کی طرف متوجہ کیا جائے اور انہیں باور کرایا جائے کہ مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا راز نصرت وحمایتِ الٰہی سے ہی ممکن ہے، ہماری موجودہ باغیانہ زندگی اور طرزِ عمل سے اللہ کی نصرت وحمایت کے بجائے قہرِ الٰہی نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔

۹:...قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا جائے اور اہلِ قلوب کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے دُعائیں کرانے کا اہتمام کیا جائے، اور رُوٹھے ہوئے رَبّ کو منانے کی ازبس کوشش وسعی کی جائے، اس کے علاوہ نمازوں، روزوں اور حج و زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے، عریانی و فحاشی کے اڈّوں، حیاسوز طرزِ عمل اور غیراسلامی تہذیبوں کو دیس نکالا دے دیا جائے، غرضیکہ اپنے تئیں کامل ومکمل طور پر قرآن وسنت کی اِتباع کی جائے، اور عدوان وسرکشی کے تمام اعمال وافعال سے اجتناب کیا جائے۔

عوام کی ذمہ داری:

اس سلسلے میں تیسری ذمہ داری عام مسلمانوں کی ہے، اگرچہ ہر ملک میں معدودے چند ملاحدہ، زنادقہ اور دِینِ اسلام سے خائف ومنحرف لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، تاہم اسلامی ممالک جن میں بھاری اکثریت حلقہ بگوشانِ اسلام کی ہے، جو

اسلام، مسلمانوں، دِین و مذہب اور اسلامی اقدار کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے، اور اسلام و ایمان سے انحراف و روگردانی کو سب سے بڑا جرم اور گناہ تصوّر کرتی ہے، ان کے ذمہ بھی اس وقت بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ہے۔

بلاشبہ حکمران اور علمائے اُمت اپنی جگہ مسئول ہوں گے اور ان سے اپنے اپنے دائرۂ کار میں کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ تم نے دِین و مذہب، ایمان و عقیدہ اور اسلامی اقدار کے تحفظ اور دفاعِ اسلام کے سلسلے میں کیا کیا فرائض انجام دیئے تھے؟ مگر اس کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں سے بھی مسئولیت ہوگی کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کردار ادا کیا تھا؟ لہٰذا اس مسئولیت سے بچنے کے لئے عوام کا فریضہ ہے کہ وہ بھی اپنے دائرۂ اختیار میں دِینِ اسلام کی حفاظت کے لئے بھرپور کردار ادا کریں، اپنی، اپنے گھر والوں، بیوی بچوں کی اسلامی اُصول و آداب کے مطابق تربیت کریں، اپنے گھروں کو اسلامی تہذیب کا گہوارہ بنائیں، دفاعِ اسلام کی اس جنگ میں اہلِ حق اور علمائے اُمت کی دعوت پر لبیک کہیں، باطل پرستوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے علمائے حق کا ہاتھ بٹائیں، ان کا ساتھ دیں۔ بلاشبہ عام مسلمانوں کی قربانیاں اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہوں گی جب وہ صحیح قیادت کے تحت کام کریں، اور صحیح قیادت علماء کی ہی ہوسکتی ہے۔

اس وقت باطل پرستوں کی کوشش اور سعی ہے کہ وہ عوام کو علماء سے بدظن کردیں، اور ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیں اور انہیں معمولی معمولی نزاعات کا شکار کرکے تشتّت وانتشار کا شکار کردیں۔

مسلمان نوجوانوں اور ماہرینِ فن کو چاہئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو اپنی قوم و ملک کی خدمت کے لئے وقف کردیں، اگر ضرورت ہو تو حصولِ تعلیم کے لئے بیرونِ ملک ضرور جائیں، مگر فراغت کے بعد مغرب کی ترغیبات کو خاطر میں نہ لائیں، بلکہ ان کا یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ روکھی سوکھی کھائیں گے مگر اپنے ملک اور قوم کی خدمت

کریں گے، چنانچہ ملائیشین نوجوانوں اور مسلم برادری کا طرزِ عمل ہمارے لئے باعثِ تقلید ہونا چاہئے کہ وہ غیرممالک کی بڑی بڑی ترغیبات کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر صرف اور صرف اپنے ملک کی خدمت کو ترجیح دیتے ہیں۔

جبکہ دُوسرے مسلم ممالک کے تعلیم یافتہ نوجوان اور ماہرینِ فن چند معمولی ٹکوں کے عوض اپنی صلاحیتیں مغرب کو فروخت کرکے براہِ راست نہ سہی، بالواسطہ مغرب کو مسلمانوں کے مقابلے میں مضبوط کرنے کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اس لئے عوام کو اس غلیظ سازش کو پاس نہیں پھٹکنے دینا چاہئے، انہیں جان، مال، بیوی، بچوں، گھربار اور کاروبار سے زیادہ دِین و دیانت اور مذہب و ملت کا تحفظ عزیز ہونا چاہئے۔

اگر عوام نے اس طرزِ عمل کو اپنالیا تو اِن شاء اللہ! باطل ان کے خلاف اپنے قدم نہیں جما سکے گا، وہ قوم کبھی ناکام نہیں ہوسکتی جس کے افراد اپنے اندر یہ جذبات رکھتے ہوں۔

اور یاد رکھئے! کسی ملک وقوم میں بیرونی سازشیں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتیں جب تک ان کو اندر سے باغی میسر نہ آجائیں، اگر آپ نے دُشمن کے مقابلے میں اس طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا تو اِن شاء اللہ! فتح و کامرانی آپ کا، اور ذِلت و شکست دُشمن کا مقدر ہوگی۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد واٰلهٖ وصحبهٖ أجمعین

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ مطابق جنوری ۲۰۰۵ء)

مغربی میڈیا کی یلغار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

ہم نے ''بینات'' کے گزشتہ شمارے میں ''بین الاقوامی حالات اور ہماری ذمہ داری'' کے عنوان سے اسلامی ممالک کے سربراہان، اربابِ اقتدار واصحابِ بست وکشاد، علمائے اُمت، اور عام مسلمانوں کی ذمہ داریوں سے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھا تھا، اور اپنی کوتاہ عقل وفہم اور ناقص وادھوری معلومات کی روشنی میں موجودہ بین الاقوامی جبر وتشدّد اور ظلم وتعدی کے تناظر میں مسلمانوں کے خلاف مغرب کی چیرہ دستیوں سے تحفظ ونجات کی تدابیر، موجودہ مشکل صورتِ حال اور گھمبیر حالات سے نبرد آزما ہونے، مسلمانوں کو ذہنی غلامی اور جبر وتشدّد کی دَلدل سے نکالنے سے متعلق چند تجاویز پیش کی تھیں۔

پیشِ نظر شذرہ بھی اسی کا تکملہ ہے، جس میں اسی سلسلے کی مزید چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں:

موجودہ دور میڈیا کا دور ہے، اور بین الاقوامی طور پر اس وقت پورے میڈیا پر مغرب اور اس کے کارندوں کا قبضہ ہے، چنانچہ اس وقت دُنیا بھر کے اخبارات، رسائل، جرائد، ریڈیو، ٹی وی، کیبل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ مغربی پروگرام کو رواج دینے کے لئے ''وقف'' ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مغرب جہاں اُمتِ مسلمہ میں

حیاسوز تہذیب وتمدن اور ایمان کش افعال و کردار کو پروان چڑھا رہا ہے، وہاں وہ پوری اُمتِ مسلمہ کو ذہنی غلامی، ڈَر، خوف، بزدلی، بے ہمتی، بے غیرتی، بے شرمی، بے ایمانی، جھوٹ فریب، لوٹ کھسوٹ، چوری ڈکیتی، مار دھاڑ کے زہریلے انجکشن دینے میں مصروف ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بلاامتیاز ہمارے جوان، بچے، بوڑھے اور مرد و زَن سب ہی مغربی میڈیا سے متأثر ہیں، اس کی ہر خبر کو ''سچا'' اور اس کے ہر پروگرام کو ''اچھا'' سمجھ کر دیکھتے، سنتے اور ان کی غلاظت زدہ تہذیب وتمدن کو اپنانے میں ''فخر'' محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اربابِ اقتداء، علماء اور عوام اس مہلک مرض کے علاج کی طرف بطور خاص توجہ دیں اور اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں اس کا سدِ باب کریں۔

اس لئے اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ ایسے پروگراموں اور فلموں کی درآمد پر پابندی لگائیں اور اپنے ماہرین کے ذریعہ ایسا انتظام کریں کہ اس قسم کے پروگرام براہِ راست نہ دیکھے جاسکیں، بلکہ انہیں سنسر کی چھلنی سے گزار کر دیکھا جائے، اگر دیکھنے اور سننے کے قابل ہوں تو نشر کئے جائیں، ورنہ ان پر پابندی عائد کردی جائے۔ اور یہ کوئی ناممکن نہیں، بلکہ بعض ممالک میں ایسی بعض فلموں اور پروگراموں پر پابندی عائد ہے، پھر اگر بین الاقوامی ہیکرز دُنیا کے کسی کونے میں بیٹھ کر امریکہ کے ایٹمی پروگرام میں جاکر اسے جام کرسکتے ہیں تو یہ کیونکر ممکن نہیں کہ ایسے حیاسوز پروگراموں کو سنسر کیا جاسکے؟ اگر اربابِ اقتدار ملک وقوم، دِین و مذہب اور اسلامی تہذیب وتمدن کو بچانا چاہتے ہیں تو انہیں یہ اقدام کرنا ہوگا۔

ایسے ہی علمائے کرام کو چاہئے کہ وہ نہایت دِل سوزی سے اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کو اس طرف متوجہ کریں اور انہیں جھنجھوڑیں کہ کیا ہماری غیرتِ ایمانی اس کی اجازت دیتی ہے کہ جو مغرب دُنیا بھر میں ہماری

ماؤں، بہنوں کی سرِ عام عصمت تار تار کر رہا ہے، ہمارے جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو تہہ تیغ کر رہا ہے، ان کے معصوم خون سے زمین رنگین کر رہا ہے، اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی املاک پر زبردستی قبضہ کر رہا ہے، ہمارے دِین و مذہب کو مٹانے کے درپے ہے، ہماری مسجدوں کو اصطبل خانوں میں تبدیل کرنے، قبلۂ اوّل کے تقدس کو پامال کرنے اور مسلمانوں کو جبراً مرتد بنانے کی تگ و تاز میں مست ہاتھی کی طرح ہر رُکاوٹ کو روندتا جا رہا ہے، کیا ہماری ملّی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ ہم اس کے تیار کردہ پروگرام دیکھیں؟ اور ان کی حیاسوز تہذیب وتمدن کو اَپنائیں؟ اور ان کی اس مہم میں تعاون کریں؟ نہیں، ہرگز نہیں! ہم مرجائیں گے مگر جیتے جی اسلام، مسلمانوں کے قاتلوں کے پروگرام اور ان کی انسانیت کش تہذیب وتمدن کو نہیں اپنائیں گے۔ ہمارے خیال میں اگر علمائے اُمت اس عنوان پر محنت فرمائیں تو اِن شاء اللہ مسلمان ان کی دعوت پر لبیک کہیں گے، یوں مسلمان مغربی تہذیب کے عفریت کی یلغار سے بچ جائیں گے۔

اسی طرح عوام کو بھی اس سلسلے میں اپنے طور پر بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے، ان کو طے کرلینا چاہئے کہ ہم مغربی پروگرام ہی نہیں بلکہ ٹی وی جیسی لعنت سے بائیکاٹ کرتے ہیں، ''نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری'' کے مصداق اگر مسلمان اس غلاظت کو ہی گھر سے نکال دیں تو میں حلفیہ کہتا ہوں ان پر موت نہیں آئے گی اور نہ ہی وہ ملکی ترقی میں کسی سے پیچھے رہیں گے، بلکہ ان کے گھروں میں چین وسکون اور امن و اطمینان کی فضا قائم ہوجائے گی، یوں مسلمان گھرانوں سے مار دھاڑ، چوری ڈکیتی اور زنا کی لعنت نابود ہوجائے گی، غور کیا جائے تو آج بچیوں کے معاشقے، ان کے گھروں سے فرار کے واقعات، پسند کی شادیوں کی کثرت، عریانی، فحاشی، بے پردگی کو عروج ان ملعون پروگراموں کی بدولت ملا ہے۔

ہم نے کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا کہ مغرب کے اس پروگرام کے پیچھے کیا

مقاصد و عزائم ہیں؟ دراصل مغرب کی کوشش ہے کہ مسلم دُنیا اور وہاں پروان چڑھنے والی مسلمان نسل اخلاقی طور پر اس قدر پسماندہ ہوجائے کہ وہ مغرب کے مقابلے میں ہی نہ آسکے، ان کے دِل سے ایمان و اسلام، جرأت و ہمت، غیرت وحمیت، شرافت و نجابت اور جذبۂ جہاد ختم ہوجائے، اسے ذہنی طور پر اس قدر ماؤف اور خوف زدہ کردیا جائے کہ وہ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں نہ ڈال سکے، یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اگر مغرب اپنے ذرائع ابلاغ میں مسلمانوں کو مجرم باور کراتا ہے تو دُوسری طرف انہیں اپنے مظالم کی چکی میں پیستے ہوئے دِکھاتا ہے، تاکہ کسی مسلمان کو اپنے دِین و مذہب سے ادنیٰ نسبت کی بھی جرأت نہ ہو، اور اگر کوئی مسلمان اپنے اندر دِین و مذہب کی رمق رکھتا ہے تو اسے اس قدر مرعوب کردیا جائے کہ وہ مغرب کے خلاف سر اُٹھانے کی ہمت و جرأت ہی نہ کرسکے۔ بلاشبہ مغرب ایمان و اسلام، دِین و مذہب، حمیت و غیرت، جذبۂ جہاد اور اسلامی تہذیب وتمدن کی قدریں مٹانا اور کفر و ایمان کی سرحدوں کو ختم کرنا چاہتا ہے، جو مسلمان، اس کے پروگراموں کو دیکھ کر ان سے متأثر ہوتے ہیں یا ان پر اعتماد کرتے ہیں، وہ براہِ راست نہ سہی بالواسطہ ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور وہ مغرب کی اس مسلم کش پالیسی کا حصہ اور اس کے اس جرم میں برابر کے شریک ہیں، انہیں آج نہیں تو کل قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا اور بارگاہِ الٰہی میں ان کا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ مسلمانوں کو اس عنوان سے سوچ کر اپنے انجام کی فکر کرنا چاہئے۔

دُنیائے کفر کی اسلامی تہذیب وتمدن، معیشت و معاشرت بگاڑنے اور ایمان و اسلام غارت کرنے کی محنت و جدوجہد کا ہلکا سا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

۱:...تواتر سے یہ خبر ملی ہے کہ عرب ممالک میں مغرب سے درآمد ہونے والی ہر بلیو پرنٹ اور عریاں انگلش فلم کا ساتھ ساتھ عربی میں ترجمہ بھی لکھا ہوا آتا ہے۔

دُنیا بھر کی دُوسری زبانوں اور قوموں کے علاوہ عربی زبان اور عرب قوم کو

غالبًا یہ ''اعزاز'' اس لئے بخشا گیا ہے کہ چونکہ عرب، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کی اولاد میں سے ہیں اور ان میں دُوسرے مسلمانوں کی نسبت غیرت و حمیت اور جذبۂ جہاد زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ان پر براہِ راست محنت کی جائے۔ غالبًا مغرب نے یہ سوچ کر کہ کہیں عرب مرد و خواتین اور بچے انگلش ناآشنا ہونے کی بناء پر ان حیاسوز فلموں کی ''برکات'' سے ''محروم'' نہ رہ جائیں، اس لئے انہوں نے ہر فلم کا عربی میں ترجمہ کرکے انہیں براہِ راست متأثر کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، کہ مبادا کہیں ترجمے کی سہولت میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ مغربی پروگرام، ان کی حیاسوز اور اخلاق باختہ تہذیب و کلچر سے ناآشنا نہ رہ جائیں، فانا ﷲ وانا الیہ راجعون!

۲:...شیطانِ مغرب نے ہمیشہ سے نہایت عیاری و ہوشیاری اور بالکل غیرمحسوس طریقے پر مسلمانوں کے دِین و ایمان، اخلاق و کردار اور تہذیب و تمدن کو تباہ کرنے، ان کی نسلوں کو بگاڑنے اور بے راہ رو بنانے کے لئے عریانی، فحاشی اور بے شرمی و بے حیائی کو رواج دینے کے لئے مختلف عنوانات و اُسلوب اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ اخبارات و رسائل کے ٹائٹل پر خواتین کی رنگین عریاں تصاویر، فلمی صفحات پر فلمی اداکاراؤں کی تھرتھراتی اور دعوتِ گناہ دیتی تصویریں، اور ان کے مختلف پوز، اہم شاہراہوں اور مصروف چوراہوں پر نہایت فحش و بے ہودہ تجارتی اشتہارات اور جنسی مواد پر مشتمل دیوہیکل سائن بورڈ، نہایت فحش تصاویر پر مشتمل عید کارڈوں کی بھرمار، جنسی ناولوں اور ڈائجسٹوں میں ایمان کش اور حیاسوز کہانیوں کی کثرت، شادی بیاہ کی تقریبات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا مشترکہ ڈانس، ان کا بے باکانہ اختلاط، رومانوی اشعار کا تبادلہ، ان بے شرمی کے مناظر کی عکس بندی اور مووی سازی، اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں میں تہذیب و ثقافت کے نام پر رقص و سرود اور موسیقی کی محافل، شادی دفاتر اور جنسی کمزوری کے علاج کی آڑ میں جنسی بے راہ روی اور بدکاری کا مکروہ دھندہ، بیوٹی پارلر کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کے اَڈّے، باتصویر موبائل کے

ذریعہ معصوم بچیوں اور عفت مآب خواتین کی تصویر کشی اور انہیں بلیک میل کرنے کے واقعات، انٹرنیٹ کے نام پر شریف گھرانوں میں دُنیا جہان کی غلاظت کی بھرمار، معصوم بچوں اور بچیوں کو انٹرنیٹ کے نام پر جنسی مریض بنانے کی سازش، کمپیوٹر تعلیم کے نام پر مسلمان بچوں اور بچیوں کا نیٹ دوستی کا مکروہ عمل، ناپختہ ذہن بچوں اور بچیوں کا رات رات بھر انٹرنیٹ پر بیٹھ کر جاگنا، نادیدہ افراد سے دوستی قائم کرنا، عشق کی پینگیں بڑھانا، پھر بلاامتیازِ دِین و مذہب ان سے شادیاں رچانا اور اپنے گھروں سے بھاگ جانا، کم عمر بچوں اور نوجوانوں کا جھونپڑا ہوٹلوں میں رات رات بھر فحش اور ننگی فلمیں دیکھنا، وغیرہ، مغرب کی انہیں سازشوں کا نتیجہ اور اس کے خفیہ پروگرام کا ثمرہ ہے۔

اگر غور کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اس وقت پوری قوم بلکہ پوری مسلم برادری جس بے راہ روی، بدعملی، بے شرمی اور اضطراب و بے چینی کا شکار ہے، وہ سب مغربی میڈیا کی ''برکات'' اور اس کی نحوست کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ افسوس! کہ ہم نے جس زہر کو وسعتِ ظرفی، ثقافتی ترقی اور بین الاقوامی برادری سے ہمسری کے نام پر اپنایا تھا، آج اس نے ہمارے گھروں کا چین وسکون، شرافت و دیانت، دِین و مذہب اور اسلامی تہذیب وتمدن کے آثار کھرچ کھرچ کر صاف کرنا شروع کردیئے ہیں اور ہماری نسلیں ہمارے ہاتھوں سے نکلتی جارہی ہیں، چنانچہ آج میاں کا بیوی سے، بیوی کا میاں سے، بچوں کا ماں باپ سے، ماں باپ کا بچوں سے اور بھائی کا بھائی سے گزارا مشکل ہوگیا ہے، ہر ایک کی دُوسرے سے اَن بن ہے اور ہر ایک دُوسرے کو اپنا بدخواہ سمجھنے لگا ہے، یوں صرف خاندان کا نہیں، پوری اُمت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

۳:... اسلام کامل و مکمل دِین و مذہب ہے، اس کا کوئی شعبہ تشنہ تکمیل نہیں، اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک خوبصورت تہذیب وتمدن اور عمدہ معاشرت کے اُصول وقوانین سے سرفراز فرمایا ہے، پیدائش سے موت تک کے تمام مراحل میں اس

نے اپنے نام لیواؤں کی راہ نمائی فرمائی ہے، اسلام کسی معاملے میں کسی کا دست نگر نہیں، بلکہ ہر معاملے میں وہ خود کفیل ہے، اس کا ایک ایک قاعدہ و قانون ایسا جامع، عمدہ اور خوبصورت ہے کہ اغیار اس پر رشک کرتے ہیں۔

مگر بایں ہمہ! مغرب اور دُنیائے کفر نے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو ایسا گمراہ کیا کہ وہ اس کے پراپیگنڈے سے متأثر ہوکر اپنی تہذیب و تمدن اور اسلامی کلچر کو چھوڑ کر مغرب کے رنگ میں رنگے جانے لگے ہیں، یہ اسی کی نحوست ہے کہ آج مسلمان اپنی ذہنی غلامی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلامی وضع قطع، شکل و شباہت اور لباس و پوشاک کو خیرباد کہہ کر مغربی وضع قطع، شکل و شباہت اور لباس و پوشاک کو اپنا کر اعتقاداً نہ سہی عملاً مغرب سے محبت اور اسلام سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ سب اسی میڈیا کا زہر ہے جو آہستہ آہستہ مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں بے دِینی کا رَس گھول رہا ہے، جس سے پرہیز اَز حد ضروری ہے۔

۴:... اسلام نے اپنے ماننے والوں کو داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹانے، اور شکل و شباہت میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا درس دیا تھا، مگر ناس ہو مغرب کا کہ اس نے مسلمانوں کو اس قدر ذہنی پستی، پسماندگی اور غلامی سے دوچار کیا کہ اب نام نہاد مسلمان اسلامی شکل و شباہت چھوڑ کر تقلیدِ مغرب میں مونچھیں بڑھا کر اور داڑھی صاف کر کے عیسائیت کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں۔

۵:... اسلام نے اپنے ماننے والوں کو بطور خاص اس کی تلقین فرمائی تھی کہ تمہارا تہبند، شلوار اور پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونے نہ پائے، مبادا تم غضبِ الٰہی کے مورد بن جاؤ، وہ تمہاری طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے، تمہیں پاک نہ کرے اور کہیں تمہیں جہنم میں نہ ڈال دے۔

مگر اے کاش! کہ تہذیبِ مغرب کا جادُو ایسا سر چڑھ کر بولا کہ مسلمانوں نے اسلامی اقدار کو اپنے اجتماعی اور معاشرتی نظام کے علاوہ اپنے چھ فٹ کے قد سے

بھی صاف کردیا اور تکبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شلواروں، پائجاموں، تہبندوں حتیٰ کہ عربوں نے اپنے جبوں کو زمین پر گھسیٹنا شروع کردیا، یوں انہوں نے بھی براہِ راست نہ سہی بالواسطہ فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تردید و تکذیب شروع کردی، یہ سب اسی تہذیبِ مغرب کی تقلید کا شاخسانہ ہے۔

اگر اس بدعملی اور کوتاہی کا دائرہ صرف فرد کی ذات تک ہوتا تو شاید انفرادی کوتاہی کی حد تک اسے نظر انداز کردیا جاتا، مگر اب اس کینسر نے فرد سے نکل کر قومی وبا کی صورت اختیار کرلی ہے، اور اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق مریضانِ جاہلیت، اسلامی لباس اور وضع قطع کو نہ صرف نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ ان پر ناروا پھبتیاں کسنے اور انہیں طنز و تضحیک کے نشتروں سے چھلنی کرنے سے بھی نہیں چوکتے، چنانچہ اسی طرح کے ایک ''روشن خیال'' کالم نگار نے ایک معاصر اخبار میں امریکی صدر بش کے اسلام لانے اور دینی خدمت بجالانے کے مفروضے کے نام پر اس کے ٹخنوں سے شلوار نیچے رکھنے، پینٹ شرٹ اور انگریزی وضع قطع کے لباس کے حق میں اپنا زورِ قلم صَرف کیا ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

۶:... اسلام نے مسلمانوں کو ڈھیلا ڈھالا اور ساتر لباس زیبِ تن کرنے کا حکم دیا تھا کہ کہیں اعضائے مستورہ جھلکنے نہ پائیں، مگر افسوس صد افسوس! کہ مسلمانوں نے مغرب کے نقشِ قدم میں عیسائیت کے پہناوے: پینٹ شرٹ جیسے نیم عریاں لباس کو اپنالیا اور نکٹائی کے نام سے غیر ارادی طور پر عیسائیت کے مذہبی شعار ...صلیب...کو بھی اپنے گلے میں ڈال لیا۔

پینٹ شرٹ ایسے لباس نے ...جسے پہن کر کوئی باحیا اپنے اعضائے مستورہ کی نمائش کئے بغیر نہیں رہ سکتا... اتنی مقبولیت حاصل کرلی ہے کہ اب مسلمان بچے، بچیاں اور خواتین بھی اس کی دِل دادہ نظر آتی ہیں۔

شنید ہے، اور خدا کرے کہ یہ خبر غلط ہو کہ اب تو عرب خواتین بھی اس

میدان میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ اُوپر کا صرف عبا اور نقاب ہے ...اور وہ بھی حکومت کے خوف سے... ورنہ زیرِ نقاب مغرب کا ننگا ناچ ہے ...العیاذ باللہ... یہ سب اسی مغربی میڈیا کی کارستانی اور مغربی تہذیب کا شاخسانہ ہے۔ اس لئے حتی الامکان اس غیرملکی ''جاسوس'' کو اپنے اپنے گھروں میں داخل ہونے سے روکا جائے، ورنہ یہ اندر ہی اندر ہمیں کھوکھلا کرکے رکھ دے گا اور ہم اور ہماری آنے والی نسلیں خواہی نخواہی مغرب کی جھولی میں چلی جائیں گی۔

۷:...دُنیا بھر کے مسلمان گھرانوں میں مرد و زَن کی بے راہ روی، بے شرمی و بے حیائی، عریانی و فحاشی، خواتین کا نیم عریاں لباس میں بے پردہ سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں گھومنا، پبلک مقامات میں مرد و زَن کا بے محابہ اختلاط وغیرہ بھی اسی کا نتیجہ ہے، اگر ہمارے اربابِ اقتدار، علمائے کرام اور دردِ دِل رکھنے والے مسلمان اس کا سدِ باب نہیں کریں گے تو ہم روز بروز ذِلت و پستی اور شکست و ادبار کی اتھاہ گہرائیوں میں مزید گرتے چلے جائیں گے اور مغرب اپنی عیاری و چالاکی سے ہمیں شکار کرنے میں کامیاب ہوتا چلا جائے گا، ولا فعل اللہ!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق فروری ۲۰۰۵ء)

''دُشمنوں کے خلاف بین الاقوامی حملہ''
کا مفہوم و مصداق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اس وقت عالمی قوّتیں، انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے نام نہاد اور مزعومہ دُشمنوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، ہر طرف ''دُشمنوں کے خلاف بین الاقوامی حملہ'' کا بگل بج رہا ہے، اخبارات، ٹی وی اور ذرائع ابلاغ میں اس سلسلے کی اشتہاری مہم زوروں پر ہے، بلکہ ترغیب و ترہیب کے مختلف عنوانات سے مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دی جارہی ہے کہ وہ اس ''نیک کام'' میں ان کا ساتھ دیں۔ اسی کا ثمرہ ہے کہ اب مسلمان بھی اس مہم میں ان کے شانہ بشانہ اور قدم بہ قدم سرپٹ دوڑ رہے ہیں، غالباً اسی مقصد کے لئے فروری ۲۰۰۵ء میں عرب امارات کے اندر ''**حملة العالمی ضد العدوان**'' کے عنوان سے تین روزہ کانفرنس کا انعقاد ضروری سمجھا گیا۔

یہ عنوان بظاہر بہت ہی خوش نما اور دِل فریب ہے کہ دُنیا بھر میں امن و امان قائم کیا جائے، جو لوگ امن مخالف ہیں، ان کا قلع قمع کیا جائے بلکہ ایسے لوگوں کے وجود سے زمین کو پاک کیا جائے اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں، ان کا کھوج لگا کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔

لیکن حقائق و واقعات کے تناظر میں اس نام نہاد دہشت گردی کے خلاف عالمی قوّتوں کی جدوجہد کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ اس وقت عالمی قوّتوں کی تمام

تر جدو جہد کا محوَر و مرکز اسلام، اور ان کی پراپیگنڈا مہم کا نشانہ صرف اور صرف اسلامی ممالک ہیں۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس وقت دُنیا بھر میں ''دُشمنوں کے خلاف بین الاقوامی حملہ'' کے عنوان سے جو مہم چل رہی ہے وہ دراصل اسلام، مسلمان اور عالَمِ اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی تمہید، ان کو متہم و بدنام کرنے کے حیلے، بہانے اور انہیں نابود کرنے کے جواز کی شکلیں ہیں، غرض اس وقت عالمی طاقتوں کی پراپیگنڈا مہم کی تمام تر توپوں کا رُخ اسلام، مسلمان اور عالَمِ اسلام کی طرف ہے اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی مہم کا ایک حصہ ہے۔

دہشت گردی کے خاتمے کا عنوان ہو یا مہلک ہتھیاروں کی روک تھام، ایٹمی مواد کی ہلاکت خیزی یا جوہری تنصیبات کے نقصان کا بہانہ، انسانی حقوق کی پاسداری کا شوشہ ہو یا اقلیتوں کے حقوق کا درد، القاعدہ کا ہوّا ہو یا تشدّد پسندی کے خلاف مہم کا خوبصورت نعرہ، سب کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے مسلمانوں کو نابود کرنا، انہیں بے دست و پا کرنا، ان کے مالی وسائل پر قبضہ کرنا اور انہیں غلام بنانا۔

''عیاں را چہ بیاں'' کے مصداق اس کے لئے نہ کسی ثبوت کی ضرورت ہے اور نہ کسی شہادت و گواہی کی، بلکہ دُنیا بھر کے اخبارات، رسائل، جرائد، ٹی وی، ذرائع ابلاغ اور الیکٹرانک میڈیا کے سمعی، بصری آلات اور ان کے پروگراموں کی شہادت کافی ہے۔

بایں ہمہ اس صورتِ حال کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ:

اوّل:... مسلمان آج تک اس کا تعین نہیں کر پائے کہ عالمی طاقتیں اور بین الاقوامی قوّتیں کس کو اپنا دُشمن سمجھتی ہیں؟ ان کا دُشمن کون ہے؟ اور کس کے وجود سے وہ زمین کو پاک کرنے کی مہم میں مصروف ہیں؟ اور یہ مہم کس کے خلاف ہے؟ اس کا جائزہ لینے کی اَزبس ضرورت ہے۔

جہاں تک اسلام اور مسلمانوں کا تعلق ہے، دُنیا جانتی ہے کہ بحمداللہ! مسلمان کبھی بھی دہشت گرد نہیں رہا، اور نہ ہی اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دہشت گردی کی تعلیم دی ہے، اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو اس وقت عالمی طور پر اگر کوئی جارحیت اور تشدّد کا شکار ہے تو وہ اسلام اور مسلمان ہی ہے۔

چنانچہ ہر معمولی عقل وفہم کا انسان جانتا ہے کہ اس وقت افغانستان، عراق، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، کوسوو، الجزائر اور کشمیر میں مسلمان ہی جارحیت وتشدّد کا شکار ہیں اور ان کے خونِ ناحق سے زمین رنگین و لالہ زار ہے، اس کے علاوہ دُنیا کے نقشے پر ایسا کوئی ملک نہیں دِکھایا جاسکتا، جہاں مسلمانوں نے جارحیت وتشدّد پسندی کا مظاہرہ کیا ہو، کسی غیرمسلم قوم و ملک پر حملہ آور ہوئے ہوں، یا انہوں نے کسی ملک وقوم پر ناحق قبضہ کر رکھا ہو۔

جبکہ اس کے برعکس غیرمسلم جارحیت پسندوں نے کشمیر وفلسطین، عراق و افغانستان، الجزائر و بوسنیا، چیچنیا وکوسوو اور وسط ایشیا کی بیشتر مسلم ریاستوں کی نہ صرف حریت وآزادی سلب کی، ان پر ایک عرصہ تک غاصبانہ قبضہ کئے رکھا، بلکہ ان میں سے کئی ایک ممالک تاحال ان کے ظلم وتشدّد، ناروا تسلط اور غاصبانہ قبضے کا شکار ہیں۔

دوم:... اس وقت دُنیا بھر کے مسلمان ممالک، جس قسم کی بدامنی، دنگا فساد، تشدّد و دہشت گردی اور داخلی و خارجی انتشار کا شکار ہیں، وہ بھی ان امن دُشمن بین الاقوامی طاقتوں کی سازشوں کا شاخسانہ اور ان کی اسلام دُشمنی کے نتائج وثمرات ہیں، بلاشبہ ان مصنوعی فسادات کے پیچھے یہ مقاصد کارفرما ہیں کہ مسلمان حکمران صحیح صورتِ حال کا ادراک نہ کرسکیں، بلکہ وہ بھی نام نہاد ''دہشت گردی'' کے پروپیگنڈے سے متأثر ہوکر مسلمانوں اور خود اپنے شہریوں کے خلاف اس ''جہاد'' میں ہمارے شانہ بشانہ صف آراء ہوجائیں۔

اسلام دُشمن قوّتیں اور بین الاقوامی طاقتیں اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے

لئے کہیں تو داخلی انتشار و اختلاف کے نام پر امن پسند حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی تحریکوں کی سرپرستی کرتی ہیں، کہیں انہیں قتل کراتی ہیں، اور کہیں انقلاب کے ذریعہ اپنے مہروں کو لاکر بٹھانے کی کوشش کرتی ہیں، پاکستان ہی نہیں دُنیا بھر کے مسلمان ممالک کے صالح حکمرانوں کی معزولی، ملک بدری، قتل و بغاوت کے واقعات اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ کا زوال، ترکی پر کمال اتاترک کا تسلط، مغل حکمرانوں کی چھٹی ...زمانۂ قریب میں شاہ فیصل مرحوم کا قتل، عیدی امین کی ملک بدری، ضیاء الحق مرحوم کے طیارے کی تباہی، مہاتیر محمد کا استعفیٰ اور اب... سعودی عرب میں جمہوریت کے نام پر اُٹھنے والی آزادی کی تحریک اور بلدیاتی انتخابات کا انعقاد اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

اس پروگرام کی تکمیل کے لئے کہیں تو حکومتوں کو خریدا جاتا ہے اور کہیں اپنے زَرخرید غلاموں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں، جو موقع کی مناسبت سے کبھی قومی، صوبائی اور لسانی عصبیت کی آگ بھڑکاتے ہیں اور کبھی نام نہاد فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں، یوں وہ دانستہ و نادانستہ طور پر نہایت ہی ''خلوص و اِخلاص'' سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں اور اسلام دُشمن قوّتیں پسِ منظر میں رہ کر ان کے ''خلوص و اِخلاص'' کی ''برکات'' اس کے ''ثمرات و نتائج'' سمیٹنے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح کبھی ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنے وفاداروں کے ذریعہ اسلام، اسلامی شعائر، مقدس شخصیات حتیٰ کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پاک باز جاں نثاروں اور ائمۂ مجتہدین کے خلاف نازیبا اور نہایت گھٹیا زبان اور سوقیانہ الفاظ و کلمات استعمال کرکے مسلمانوں کو اشتعال دِلانے، افراتفری اور فساد برپا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، پھر اگر اس دریدہ دہنی اور اعصاب شکن صورتِ حال سے مغلوب کوئی مسلمان انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور ہوجائے تو اسے خوب اُچھالا جاتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ایسے واقعات کو بہانہ بناکر ملحدین و مرتدین پر قدغن لگانے،

ان کو لگام دینے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانے والے ملکی اور اسلامی قوانین کی تبدیلی یا منسوخی کے لئے زور دیا جاتا ہے، ان کے لئے انسانی حقوق کی دُہائی دی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بلکہ ایسے بدنامِ زمانہ بدکرداروں کو سیاسی پناہ دی جاتی ہے، ان کی سرپرستی کی جاتی ہے اور انہیں شاہی پروٹوکول سے نوازا جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کا برپا کردہ فتنۂ قادیانیت، خلیفہ رشاد کا دعویٰ نبوّت، سلمان رُشدی کی دِل آزار کتاب، گوہر شاہی کی دِین بیزار تحریک، تسلیمہ نسرین کی حیاباختہ تحریریں، شیخ محمد یونس کی ''شیطان مولوی'' نامی کتاب مدعیٔ نبوّت محمد شیخ کی ہفوات اور بابر چوہدری کی اِنکارِ دِین کی سرگرمیوں کا پروان چڑھنا، انہیں ملکی و بین الاقوامی مقتدر حلقوں میں پذیرائی اور تحفظ وغیرہ اسی بین الاقوامی پروگرام کا حصہ ہے۔

ایسے ہی پاکستانی پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کا اخراج، حدود آرڈی نینس اور توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم و تنسیخ اور ملک بھر کے امن پسند جید علماء کا قتلِ عام بھی اسی سلسلے کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔

اسی طرح قومی، صوبائی، علاقائی اور لسانی عصبیت کے علم برداروں کی سرپرستی اور مسلمانوں کو باہم دست و گریباں کرنا، ان میں ہیجان برپا کرنا، مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتلِ عام بھی ان امن دُشمن بین الاقوامی دہشت گردوں کی کارستانیاں ہیں، جن کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مسلمان داخلی انتشار کا شکار ہوکر رہ جائیں، ہماری آنکھوں میں آنکھیں نہ ڈال سکیں، بلکہ ان کی حکومت و اقتدار اور خود ان کا وجود و بقاء ہمارا مرہونِ منّت ہو۔

اس لئے مسلمانوں اور اسلامی ممالک کے اربابِ اقتدار کو سوچنا چاہئے کہ ان کا دُشمن کون ہے؟ اور کہاں کہاں بیٹھا ہے؟ اور ان پر کس کس انداز سے وار کرنے کی تدبیریں کر رہا ہے؟ نیز انہیں اس پر بھی غور و فکر کرنا چاہئے کہ: ''دُشمنوں کے خلاف بین الاقوامی طاقتوں کا حملہ'' میں ''دُشمن'' کا مصداق کون ہے؟ کہیں خدانخواستہ

خود مسلمان ہی تو اس کا مصداق نہیں؟ نیز اس کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے کہ ان عالمی طاقتوں کو آج مسلمانوں سے کیونکر ہمدردی پیدا ہوگئی ہے؟ اب تک مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے اور انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنے والے ایک دم ان کے خیرخواہ کیسے بن گئے...؟

خلاصہ یہ کہ اس پروگرام کے پس پردہ مقاصد و عزائم پر غور وفکر کرتے ہوئے سوچنا چاہیئے کہ اس ''جنگ'' میں شریک ہوکر کہیں ہم مسلمانوں کے خلاف صف آراء تو نہیں ہیں؟ پھر یہ کہ اس عالمی حملے کا فائدہ کس کو ہوگا؟ اور اس کا نقصان کس کے حصے میں آئے گا...؟

اس صورتِ حال سے نمٹنے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک کے حکام، جہاں خارجی دُشمنوں پر نظر رکھیں، وہاں داخلی دُشمنوں کی سرگرمیوں پر بھی کڑی نگاہ رکھیں، چنانچہ ایسے افراد اور جماعتیں جو ملک، قوم، اسلام اور مسلمانوں کے مفادات اور ملکی سالمیت کے خلاف سازشوں کی مرتکب پائی جائیں، ان کے خلاف سخت سے سخت تأدیبی کاروائی عمل میں لائی جائے اور انہیں نشانِ عبرت بنادیا جائے، اس کا مؤثر اور تیر بہ ہدف علاج یہ ہے کہ دِین دُشمنی کی ایسی ہر تحریک کے پیدا ہوتے ہی اس کا سر کچل دیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ قومی، صوبائی اور لسانی تحریکوں کی بنیاد بننے والے اسباب وعلل کو بھی جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ بلاشبہ جب سانپ کے ظاہر ہوتے ہی اس کا سر کچل دیا جائے تو قوم و ملک اس کے نقصان سے محفوظ ہوجائے گا۔

مگر افسوس! کہ ہمارے ہاں اس کے برعکس یہ ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتنہ اور فتنہ پرور سر اُٹھاتا ہے تو شروع شروع میں اس سے صَرفِ نظر کیا جاتا ہے، لیکن جب وہ فتنہ تناور درخت کا رُوپ دھار کر برگ و بار دینے لگتا ہے اور قوم و ملک، بلکہ مسلمان حکومتوں کے لئے دردِ سر بن جاتا ہے، اس وقت اس کے خلاف کاروائی کا سوچا جاتا

ہے، مگر اس وقت تک اس کی جڑیں گہری اور شاخیں پھیل جاتی ہیں اور ان کے بین الاقوامی سرپرست میدان میں کود پڑتے ہیں، تو ان کے خلاف کاروائی مشکل، بلکہ بین الاقوامی طاقتوں سے پنجہ آزمائی کے مترادف ہوتا ہے، یوں مسلمان ان کے مقابلے میں عاجز و بے بس ہوکر اپنی بے بسی پر ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

فتنوں اور فتنہ پروَروں کے خلاف فوری کاروائی کے سلسلے میں، مدعیٔ نبوّت اَسوَد عنسی اور مسیلمہ کذّاب کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اوّل وہلہ میں کاروائی کرکے انہیں واصلِ جہنم کرنا، ہمارے لئے مشعلِ راہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ اِدھر کسی بددِین، مفسد نے سر اُٹھایا، اُدھر اس کا قصہ تمام کردیا گیا۔

ان سب سے بڑھ کر سورۂ کہف میں موجود قصۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام میں حضرت خضر علیہ السلام کو ایک نابالغ بچے کے قتل کا حکم بھی اسی حکمتِ عملی کی نشاندہی کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْھِقَھُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا.“ (الکہف:۸۰)

ترجمہ:...”اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے، پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کردے زبردستی اور کفر کرکر۔“

اگرچہ یہ ہماری شریعت کا اُصول نہیں کہ موہومہ اندیشے کے تحت کسی کا قتل جائز ہو، تاہم اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اُمت کے دِین و ایمان کے لئے خطرہ ہوں، ان کو برداشت نہ کیا جائے، ان کی اصلاح کی جائے یا انہیں ایسی سزا دی جائے کہ ہمیشہ کے لئے ان کے دِل و دِماغ سے وہ سودا جاتا رہے۔

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی صفر ۱۴۲۶ھ)

امریکا کا شرمناک کردار

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

یوں تو دُنیائے عیسائیت اور بہادر امریکہ، اسلام اور شعائرِ اسلام کی توہین و تنقیص اور مسلمانوں کی دِل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ خصوصاً ۱۱رستمبر کے واقعہ کو بہانہ بنا کر اس نے کھل کر مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ سنبھال لیا ہے، اور آئے دن کسی نہ کسی شکل میں وہ مسلمانوں کی دِل آزاری کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔ دُوسری طرف جب سے بےحس و بےحمیت اور بزدل مسلمان حکمرانوں نے ان کے زَرخرید غلاموں کا کردار ادا کرنا شروع کیا ہے، وہ پہلے سے کہیں زیادہ جری ہوکر سامنے آگیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف اگر وہ دُنیا بھر میں حریت پسند مسلمانوں کو تہہ تیغ کر رہا ہے تو دُوسری طرف ہزاروں بے گناہوں کو گوانتاناموبے کے بدنامِ زمانہ عقوبت خانے میں انسانیت سوز مظالم و تشدّد کا نشانہ بنا رہا ہے۔ بایں ہمہ جب اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی، تو اس نے دُنیا بھر کے ایک اَرب سے زائد مسلمانوں کو ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا کرنے کی ناپاک کوششیں شروع کردی ہیں، اسے برداشت نہیں کہ کوئی مسلمان اس کے ظلم و تشدّد کی تلوار سے بچ جائے، وہ چاہتا ہے کہ جو اس کے پنجۂ استبداد میں ہیں، وہ تو ہیں، مگر دُوسرے مسلمان بھی چین و سکون سے نہ رہیں، اس نے اس وقت دُنیا بھر کے مسلمانوں کو ذہنی کرب و ابتلاء سے دوچار

کرکے براہِ راست دُنیا بھر کے مسلمانوں سے جنگ کا بگل بجادیا ہے۔ بلاشبہ اس وقت امریکہ براہِ راست یا بالواسطہ مسلمانوں پر جسمانی اور ذہنی اذیتوں کے پہاڑ توڑ رہا ہے، جس کی تازہ مثال گوانتاناموبے میں امریکی تفتیش کاروں کی جانب سے قرآنِ کریم کی بے حرمتی اور توہین کا وہ دِل خراش واقعہ ہے جس کی نشاندہی امریکی جریدہ ''نیوز ویک'' کے تازہ شمارے میں کی گئی ہے، چنانچہ نیوز ویک میں ہے کہ:

''.....گوانتاناموبے میں امریکی تفتیش کار زیرِحراست افراد کو ذہنی اذیت پہنچانے کے لئے قرآن مجید کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ مقدس کتاب کو ٹوائلٹ (بیت الخلاء) پر رکھتے ہیں، جبکہ ایک واقعہ میں امریکی اہل کاروں نے قرآن پاک کا نسخہ ٹوائلٹ کے فلش میں بہانے کی شرمناک اور مذموم حرکت بھی کی ہے .....''

(روزنامہ ''اُمت'' کراچی و معاصر اخبارات ۸رمئی ۲۰۰۵ء)

صرف یہی نہیں، بلکہ گوانتاناموبے کی بدنامِ زمانہ جیل سے بے پناہ تشدّد کے باوصف بےقصور قرار دیئے جانے کے بعد رہائی پانے والے متعدّد مسلمانوں کے مطابق: جیل میں ہتھکڑیوں میں جکڑے معصوموں کے سامنے اس قسم کی شرمناک حرکتوں کے بعد انہیں کہا جاتا ہے کہ اس پر تمہارا کیا رَدِّ عمل ہے؟ تمہیں یہ کیسا لگا؟ اب تم ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ کرلو جو کرنا ہے، وغیرہ۔

اسی طرح انہیں مادرزاد ننگا کیا جاتا ہے، ان کی شرم گاہوں اور نازک حصوں کو تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ان کو بدکاری پر آمادہ کیا جاتا ہے اور خواتین اہل کار اپنا ناپاک خون ان کے منہ اور داڑھیوں پر ملتی ہیں اور انہیں اس گندگی سمیت جکڑے ہاتھوں کے ساتھ کال کوٹھریوں میں دھکیل دیا جاتا ہے، وہ اس پر روتے ہیں، بلبلاتے ہیں، چیختے ہیں اور چلاتے ہیں، مگر ان کی صدائے احتجاج کوئی نہیں سنتا، بلکہ اس پر

ٹھٹھے لگائے جاتے ہیں اور قیدیوں کی اس ہیجانی و اضطرابی کیفیت سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے اور ان کے زخموں پر نمک پاشی کے لئے کہا جاتا ہے: ''بلاؤ اپنے رَبّ کو جو تمہاری مدد کرے! کہاں ہے تمہارا خدا جس کی خاطر تم جہاد کرتے تھے؟'' چنانچہ اس بدترین تشدّد اور ہیجان و اضطراب کے نتیجے میں متعدّد مسلمان قیدی ذہنی توازن کھو چکے ہیں، کئی ایک فکر و سوچ کی صلاحیتوں سے محروم ہوگئے ہیں اور نامعلوم کتنے موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

یہ سب کچھ اخبارات اور ذرائع ابلاغ کے ریکارڈ پر ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اب دُنیا میں کوئی راز، راز نہیں، حتیٰ کہ ریڈکراس اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی امریکی مظالم کی نشاندہی کی ہے، مگر ''مہذّب'' کہلانے والے ان درندوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، اور ظلم کو ظلم کہنے اور اس کے سدِ باب کرنے اور ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔

ہمیں امریکہ یا اس کے عیسائی اور یہودی حواریوں کے شرمناک کردار پر ذرّہ بھر تعجب نہیں، اگر تعجب اور افسوس ہے تو ان مسلمان حکمرانوں کی بے حمیتی اور بے حسی پر، جو اَب بھی امریکہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے شہریوں اور دُنیا بھر کے باغیرت مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے حوالے کر رہے ہیں، اور نام نہاد دہشت گردی میں تعاون کے نام سے دُنیا کے بدترین دہشت گرد کے ہاتھ مضبوط کرکے اس کے عزائم کی تکمیل کر رہے ہیں۔

بہرحال امریکی مظالم، اس کی اسلام دُشمنی اور مسلم کش پالیسی سے مسلمان پہلے ہی آتش زیرِ پا تھے کہ اس شرمناک اور دِل خراش واقعہ نے مسلمانوں کے دِلوں کو جلاکر راکھ کردیا۔

مسلمان خواہ کتنا ہی گیا گزرا ہو اور چاہے کیسا ہی بے عمل و بدعمل کیوں نہ ہو، مگر وہ اسلامی اقدار اور شعائرِ اسلام کی توہین برداشت نہیں کرسکتا، وہ جان پر کھیل کر

بھی اسلامی شعائر کی پاسداری کرنا جانتا ہے۔ غازی علم الدین شہیدؒ، غازی عبدالرشید شہیدؒ کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔

چنانچہ امریکہ کے اس شرمناک کردار کے خلاف دُنیا بھر کے مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا، جلوس نکالے، جلسے کئے، مظاہرے ہوئے، بوڑھوں، بچوں اور خواتین نے قرآن پاک اُٹھا کر اس کی حفاظت و تقدس کی خاطر ہر قربانی دینے کا عہد کیا، اور امریکی درندوں کے اس شیطانی کردار سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اس جرم کے مرتکب مجرموں کے خلاف بھرپور کاروائی کا مطالبہ کیا، اقوامِ متحدہ، او آئی سی اور انسانی حقوق کی تنظیموں کا دروازہ کھٹکھٹایا، دُنیا بھر میں امریکی سفارت خانوں پر جا کر احتجاج کیا، انہیں یادداشتیں پیش کیں، خصوصاً پاکستان کے تمام مسلمانوں نے اس موقع پر جوش، جذبے، ملّی غیرت اور دینی حمیت کا ثبوت دیا اور تمام دِینی، مذہبی اور سیاسی زعماء، برسرِ اقتدار اور حزبِ اختلاف ارکانِ اسمبلی اور سیاسی کارکنوں نے بھرپور احتجاج کیا اور شیطان امریکہ پر واضح کیا کہ ہم تمہاری اسلام دُشمن پالیسی اور مسلم آزار رَوِش پر دو حرف بھیجتے ہیں۔

دُنیا بھر کے احتجاج اور مسلمانوں کی ملّی غیرت کو دیکھ کر امریکہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ اس جرم کے مرتکب افراد کے خلاف جرم ثابت ہونے پر بھرپور کاروائی کی جائے گی مگر افسوس کہ وہ اس وعدے پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور اس نے کہہ دیا کہ:

> ''گوانتاناموبے میں قرآن کی بے حرمتی کا واقعہ پیش نہیں آیا، امریکی جنرل۔'' (روزنامہ ''اسلام'' ۱۵ر مئی ۲۰۰۵ء)

اسی طرح امریکی جریدہ ''نیوز ویک'' کو بھی اس خبر کو غلط قرار دینے اور اس کو رُجوع اور معذرت پر آمادہ کرلیا گیا، چنانچہ روزنامہ ''جنگ'' کراچی میں ہے:

> ''امریکی میگزین نیوز ویک نے اپنی ۹ر مئی کی اشاعت میں گوانتاناموبے میں قرآنِ کریم کی بے حرمتی کے

حوالے سے شائع ہونے والے آرٹیکل پر معذرت کرتے ہوئے کہا کہ: مذکورہ رپورٹ کے غلط ہونے کا امکان ہے.... نیوز ویک کے مطابق امریکی محکمۂ دِفاع نے احتجاج کیا تھا کہ یہ خبر غلط ہے، جبکہ نیوز ویک کے ایڈیٹر مارک ویٹا کیر نے ایک اداریئے میں کہا کہ ہم معذرت خواہ ہیں کہ ہماری خبر کے بعض حصے غلط تھے اور ہمیں اس خبر کے نتیجے میں ہونے والے تشدّد کے واقعات کا نشانہ بننے والوں سے ہمدردی ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۶رمئی ۲۰۰۵ء)

گویا امریکی صدر بش اور اس کے حواریوں نے مسلمانوں کو زبانی کلامی طفل تسلیاں دے کر جان چھڑالی اور اس واقعہ کو غلط قرار دے کر اس کے مرتکب بدباطنوں کو صاف صاف بچالیا۔

تاہم پاکستان کی قومی وصوبائی اسمبلی، سینیٹ کے ارکان اور مذہبی و سیاسی راہ نما قابلِ مبارک باد ہیں، جنھوں نے غلط کو غلط کہا اور اس موقع پر بھرپور احتجاج کیا۔

سب سے بڑھ کر خوشی کی بات یہ ہے کہ امریکی حلیف افغان حکومت اور ہمارے صدرِ محترم جناب پرویز مشرف صاحب نے بھی اس موقع پر مسلمانوں کی آواز میں آواز ملاکر ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکی اہل کاروں کے سامنے بھرپور احتجاج کیا، ہمارے خیال میں اس موقع پر ان مؤخر الذکر حضرات کا آواز اُٹھانا جہاں قرآنِ کریم کے اعجاز کی دلیل ہے، وہاں یہ اعجوبۂ روزگار بھی ہے، اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ اس دور کا نادرۂ روزگار واقعہ اور بے مثال کارنامہ ہے۔

خدا کرے ملعون امریکہ جذبات سے مغلوب اس جرأت اور گستاخی کو برداشت کر جائے۔

تاہم اس کا اندیشہ اور امکان باقی ہے کہ کینہ پرور اُونٹ کی طرح امریکہ آج

نہیں تو کل ان مؤخر الذکر ''مظلوموں'' کے خلاف انتقامی کاروائی کا اعلان کردے، نیز اس کا بھی امکان ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ: ''یہ وہ لوگ تھے جن کو آپ حضرات نے ہمارے حوالے کیا تھا اور بقول آپ کے یہ ہمارے مجرم تھے، اور ہم اپنے مجرموں کو جس طرح چاہیں سزا دیں، آپ کون ہوتے ہیں ہم سے پوچھنے والے؟ اگر آپ لوگ ایسے ہی غیرت مند تھے یا آپ کو اسلام، مسلمانوں اور قرآن سے اتنا ہی محبت تھی تو ان کو ہمارے حوالے کیوں کیا تھا؟'' ہمارے خیال میں اگر امریکہ بہادر نے یہ سوال کرلیا تو ہم سے اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑے گا اور اس وقت سوائے خفت، ندامت اور شرمندگی کے ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف تو ہم مسلمانوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرتے ہیں اور دُوسری طرف ان کی تفتیش کے طریقۂ کار اور بدنامِ زمانہ تشدّد اور ذہنی اذیت پر احتجاج بھی کرتے ہیں؟

بریں عقل و دانش بباید گریست

بلاشبہ گوانتاناموبے میں مسلمان قیدیوں کے خلاف امریکی اہل کاروں کی اذیت ناک تفتیش، جسمانی اور ذہنی ٹارچر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر امریکہ کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے، چنانچہ ابوغریب، شبرغان جیل اور اب گوانتاناموبے میں مسلمان قیدیوں کے خلاف روا رکھے جانے والے بدترین سلوک سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انفرادی اور نادر الوقوع قضیہ نہیں، بلکہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور منظّم منصوبہ بندی کا حصہ ہے۔

ان واقعات سے امریکہ کا متعصب صلیبی چہرہ کھل کر سامنے آگیا ہے، امریکی جو اپنے تئیں جانوروں کے حقوق کی دہائی دیتے ہیں، ان کے ہاں مسلمان، جانوروں سے بھی بدتر ہیں، دراصل وہ مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی تضحیک کرکے ان کو بے حس و بے غیرت بنانا چاہتا ہے، بلاشبہ امریکہ ڈالر اور اسلحے کے زور پر مسلمانوں

کو فتح کرنا چاہتا ہے اور وہ مسلمانوں کے دلوں سے قرآنِ کریم کی محبت وعظمت کو ختم کرکے انہیں بھی لبرل عیسائیوں کی صف میں لاکھڑا کرنا چاہتا ہے۔

امریکہ کی طرف سے قرآنِ کریم کی بے حرمتی ہمارے روشن خیال حکمرانوں کے منہ پر طمانچہ ہے، مسلمان حکمران امریکہ کی ہم نوائی میں چاہے جتنا بھی آگے بڑھ جائیں، امریکہ کے نزدیک بہرحال ان کی ٹکے کی قدر و قیمت نہیں، بلکہ وہ اسے اس کتے کی مانند سمجھتا ہے جو مالک کے لئے شکار پکڑ کر لاتا ہے اور مالک اسے تھپکی دے کر دُوسرے شکار کی تلاش میں بھیج دیتا ہے، چنانچہ امریکی اخبار میں شائع شدہ کارٹون سے امریکی زَرخرید مسلمان حکمرانوں کی پوزیشن واضح ہوچکی ہے۔

بہرحال اب بھی وقت ہے، مسلمان خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اپنے دوست و دُشمن کو پہچانیں اور اپنے دِین و مذہب سے دِلی وابستگی کا مظاہرہ کریں، ورنہ وہ روز افزوں ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جائیں گے۔

ہمارے خیال میں اس موقع پر مسلمان حکمرانوں کو سخت موقف اختیار کرنا چاہئے اور اس گھناؤنی کاروائی پر امریکہ سے صرف معافی کے مطالبے پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اسے کہنا چاہئے کہ جس طرح ہم آپ کے دُشمن آپ کے حوالے کرتے ہیں، آپ بھی ہمارے، دِین و مذہب اور قرآنِ کریم کے دُشمن ہمارے حوالے کریں، ہم خود ہی ان سے تفتیش کریں گے اور ان کو سزا دیں گے۔

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ مسلمان حکمران یک زبان ہوکر امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، امریکہ سے سفارتی تعلقات توڑ دیں اور امریکہ سے ہر طرح کے تعاون سے دست کش ہوجائیں، اگر خدانخواستہ اس موقع پر مسلمانوں نے سستی، کاہلی اور بزدلی دِکھائی تو یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوگا، بلکہ آگے بڑھے گا اور نہ معلوم مسلم اُمہ کو اس کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے؟

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ)

۱۱؍ستمبر کے بعد... ۷؍جولائی

اللہ خیر کرے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱۱؍ستمبر کے واقعہ کے بعد اُمتِ مسلمہ، اسلامی ممالک اور دِین دار مسلمان جس کرب و اِبتلا اور عذاب سے دوچار ہوئے، وہ کسی سے مخفی و پوشیدہ ہے اور نہ اس کے تذکرے کی ضرورت۔

ہائے افسوس! کہ ابھی تک ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۰ء کی انتقامی آگ کا نشانہ بننے والے افغانستان، عراق اور دُنیا بھر کے مسلمانوں کے گھروں کی راکھ سے اُٹھنے والا دُھواں ختم نہیں ہوا، ابھی امریکی بمباری کی تپش اور آگ و آہن کی گرمی کم نہیں ہوئی، ابھی بے گور و کفن مسلم لاشوں کی تدفین، اجتماعی قبروں کی دریافت کا سلسلہ نہیں رُکا، ابھی نام نہاد القاعدہ کا ہوّا برقرار ہے، ابھی دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر ظلم و تشدّد زوروں پر ہے اور القاعدہ کے نام پر دُنیا بھر کے دِین دار مسلمانوں کی گرفتاریوں اور انہیں راہِ راست سے ہٹانے کا سلسلہ بند نہیں ہوا کہ ۷؍جولائی ۲۰۰۵ء کا واقعہ پیش آگیا، جس میں لندن کے مختلف مقامات پر سات بم دھماکے ہوئے اور تقریباً ۵۳ افراد ہلاک اور سات سو کے قریب زخمی ہوگئے۔

اگرچہ ابتدائی طور پر اس کارروائی کا الزام مسلمانوں پر نہیں دھرا گیا تھا، لیکن القاعدہ کے نام سے مسلمانوں پر اس کا ملبہ گرانے کی شروعات ہوچکی ہیں۔

اخباری اطلاعات کے مطابق لندن پولیس اس سلسلے میں ایسے دو اشخاص کو تلاش کر رہی تھی جن کو القاعدہ کا رکن بتلایا جاتا ہے اور وہ عربی بولتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کا تعلق مراکش سے ہے، جبکہ دُوسرا شامی ہے، اوّل الذکر کا نام محمد گربوزی اور مؤخر الذکر کا نام مصطفیٰ سیت مریم ناصر ہے۔

(روزنامہ جنگ لندن ۱۰رجولائی ۲۰۰۵ء)

اسی طرح برطانوی وزیراعظم اور دُوسرے اعلیٰ افسران نے بھی ابتدائی طور پر اس گھناؤنی کاروائی کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار نہیں دیا تھا، لیکن روزِ اوّل سے ان کے بیانات کے بین السطور سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ اس کے ذمہ دار صرف اور صرف مسلمان ہی ہیں، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ:

"اس کارروائی کے مرتکب افراد کو جس طرح ہم ناپسند کرتے ہیں، ایسے ہی مسلمانوں کی اکثریت بھی ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، تاہم کچھ لوگ ایسے عظیم مذہب کو بدنام کرنے کے لئے ایسے کارروائیاں کرتے ہیں۔"

گویا دُوسرے الفاظ میں وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایسی کاروائیوں کے مرتکب مسلمان ہی ہیں، البتہ مسلمانوں کی اکثریت ان کو ناپسند کرتی ہے۔

سوءِ اتفاق! کہ یہ کاروائی بھی ٹھیک اسی طرح برطانوی انتخابات اور ٹونی بلیر کے وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد ہوئی، جس طرح ۱۱رستمبر کا واقعہ امریکی انتخابات اور بش کے صدر منتخب ہونے کے بعد ہوا تھا۔

جس طرح صدر بش امریکی مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف انتقامی کاروائی کے لئے کمربستہ ہوا تھا، اندیشہ ہے کہ اب ٹونی بلیر بھی مسلمانوں سے ووٹ حاصل کرنے کے بعد اس صورتِ حال کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف ہی آمادۂ پیکار نہ ہوجائے۔

چونکہ افغانستان اور عراق جنگ میں امریکی حمایت پر ٹونی بلیر کو شدید مزاحمت کا سامنا رہا ہے اور مسلمانوں سے کہیں زیادہ ان کی اپنی قوم نے اس پر احتجاج کیا تھا، اس لئے عمومی تأثر یہ ہے کہ موجودہ پُرتشدّد کاروائی اور بم دھماکے مسلمانوں کو بدنام کرنے اور برطانوی عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے کرائے گئے ہیں اور یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے اور سازش کا حصہ ہے۔

ورنہ ایک ایسا ملک اور ایسا شہر جس کے چپے چپے پر چیک پوسٹ ہوں اور جگہ جگہ نگران کیمروں کی بھرمار ہو، وہاں یہ کیونکر ممکن ہے کہ دہشت گرد اتنی بڑی کارروائی کریں اور بچ کر نکل جائیں؟ یہاں تک کہ وہ پولیس اور کیمرے کی باریک بین نظروں میں نہ آسکیں؟

پھر یہ اَمر بھی قابلِ غور ہے کہ دُنیا میں جہاں کہیں ایسے واقعات ہوتے ہیں، انصاف پسند اور مہذّب قومیں بلاتحقیق کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتیں، بلکہ غور وفکر، آثار وقرائن، دلائل وشواہد اور مکمل تحقیقات کے بعد، نہایت احتیاط سے کسی کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گیارہ ستمبر کی طرح، سات جولائی کے واقعات میں بھی ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ ۱۱؍ستمبر کے واقعہ کی طرح اس پُرتشدّد کاروائی اور بم دھماکوں کا الزام بھی فوراً اور بلاتحقیق مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا، حالانکہ اس اِمکان کو رَدّ نہیں کیا جاسکتا کہ:

الف:... یہ دھماکے ان لوگوں نے کئے یا کرائے ہوں، جو برطانیہ کی غیرمشروط امریکی حمایت کو ناپسند کرتے ہیں اور امریکی صدر بش کی برطانیہ آمد کے موقع پر انہوں نے ان دھماکوں کے ذریعہ اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا ہو۔

ب:... اسی طرح عین ممکن ہے کہ یہ ان لوگوں کی کاروائی ہو جو جی ایٹ ممالک کی جانب سے افریقی ممالک کی امداد کے مخالف ہیں، جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ کاروائی

عین اس وقت ہوئی جب جی ایٹ (G 8) ممالک کا اجلاس برطانیہ میں ہو رہا تھا۔

ج:... سب سے بڑھ کر اس کا اِمکان ہے کہ یہ برطانوی صوبہ آئرلینڈ کے آئرش جنگجوؤں (آئی.آر.اے) کا کارنامہ ہو، جو اس سے پہلے اس طرح کی متعدّد کاروائیاں کرچکے ہیں اور ان کی حکومت سے مخاصمت کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

د:... اسی طرح یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اولمپک کھیلوں کے انعقاد کے لئے برطانیہ کے انتخاب کے بعد فرانس نے یہ باور کرانے کے لئے یہ کاروائی کی ہے کہ لندن غیرمحفوظ علاقہ ہے۔

مگر ان سب سے قطع نظر اس بدترین کاروائی کا الزام اور اس کا ملبہ مسلمانوں پر گرانا انتہائی افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے۔

بے چارے مسلمان پہلے ہی تشدّد کا شکار تھے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ تھا، وہ ابھی تک امریکی مظالم اور بربریت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پائے تھے کہ انہیں ایک نئی مصیبت اور آزمائش میں مبتلا کرنے کے تانے بانے بننے شروع کردیئے گئے، اس نئی صورتِ حال سے جہاں دُنیا بھر کے مسلمان متأثر ہوں گے، وہاں بطورِ خاص مسلمانانِ یورپ و انگلینڈ کے لئے مشکلات اور مسائل کے پہاڑ کھڑے ہوجائیں گے۔

اس وقت صرف برطانیہ میں پندرہ لاکھ سے زائد مسلمان آباد ہیں، جو شہری ملازمت سے لے کر تجارت، زراعت، تعلیم اور اسمبلیوں تک نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بلاشبہ برطانیہ میں مسلمانوں کا اپنا ایک مقام ہے اور انہوں نے اپنے دین و مذہب اور تہذیب و تمدن کے تحفظ کی خاطر مساجد، مدارس، اسکول اور کمیونٹی سینٹرز قائم کر رکھے ہیں، مسلمان جہاں بھی ہیں، مثالی کردار ادا کر رہے ہیں، مسلمانوں نے اپنے اپنے ممالک سے ترکِ سکونت کرکے برطانیہ اور یورپ کو اپنا مسکن ہی نہیں، بلکہ باقاعدہ وطن بنا رکھا ہے اور مسلمان جہاں رہتے ہیں، وہ اپنے وطن سے غداری نہیں، محبت کرتے ہیں۔

خدانخواستہ اگر اس موجودہ صورتِ حال کا الزام مسلمانوں کو دیا گیا ... جیسا کہ حالات وقرائن اس کی نشاندہی کر رہے ہیں...تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس ملک سے مسلمانوں کے کردار کے خاتمے کی سازش کی ابتداء ہوگئی ہے۔

موجودہ پُرتشدّد کاروائیوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ بلاشبہ معصوم جانوں کی ہلاکت پر ہر دردمند انسان کو دُکھ اور صدمہ ہوتا ہے، اور ہونا بھی چاہئے کہ یہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔

اس لئے برطانوی حکومت کا فرض ہے کہ ان واقعات میں ملوّث دہشت گردوں کا کھوج لگائے، انہیں گرفتار کرے اور ان کو عبرت ناک سزا دے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اس پُرتشدّد کارروائی کی آڑ میں مسلمانوں کا جینا دُوبھر کردیا جائے یا ان پر زمین تنگ کردی جائے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ برطانوی عوام، ارکانِ اسمبلی، وزیراعظم اور ملکۂ برطانیہ کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ افغانستان اور عراق میں روزانہ سینکڑوں مسلمان جس بدترین بم باری کا شکار ہیں، کیا وہ انسان نہیں؟ کیا انہیں ان ہلاکتوں پر افسوس، دُکھ اور صدمہ نہیں ہوتا؟ اگر جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے تو کیوں؟ کیا افغانستان وعراق کے مسلمانوں کو جینے کا حق نہیں؟ کیا ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں؟ اگر جواب اِثبات میں ہے، تو یہ دوہرا معیار کیوں؟ صرف اس لئے کہ افغانستان اور عراق میں نشانہ بننے والے مسلمان ہیں، وہ صلیب کے پجاری نہیں؟ وہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں اور وہ دُنیائے عیسائیت سے وفاداری کا دَم نہیں بھرتے؟ ورنہ اس کے علاوہ ان کا قصور ہی کیا ہے؟

روزنامہ ''جنگ'' کے مشہور کالم نگار جاوید چوہدری کے بقول بلاشبہ:

''..... دُنیا کا کوئی باشعور شخص، دردِ دِل رکھنے والا کوئی انسان، انسانیت اور آدمیت پر یقین رکھنے والا کوئی شہری، سات

جولائی اور گیارہ ستمبر کے اقدام کو صحیح نہیں کہے گا، کوئی باضمیر اور باشعور شخص ان کی حمایت نہیں کرے گا، قتل گورے کا ہو یا کالے کا، وہ عیسائی کا ہو یا مسلمان کا، وہ عراقی کا ہو یا امریکی کا، وہ محض قتل ہوتا ہے۔ دہشت گردی دُنیا کے کسی کونے میں ہو، وہ دہشت گردی ہی رہے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سوچنے کی بات ہے، کیا انسان صرف لندن اور نیویارک میں بستے ہیں؟ کیا صرف لندن، نیویارک اور تل اَبیب میں آباد لوگ ہی بے گناہ اور معصوم ہیں؟ کیا صرف کسی گورے، کسی ٹام، ڈک اور ہینری کی نعش ہی انسانیت کی توہین ہے؟ کیا صرف جم، ٹم اور بش ہی انسان ہیں اور ان کے خلاف ہونے والی کاروائیاں ہی دہشت گردی ہیں؟ اور کیا صرف سینٹرل لندن میں ہونے والے دھماکے ہی درندگی ہیں؟ سوچنے کی بات ہے، کیا صرف امریکی اور برطانوی مائیں ہی مائیں ہیں؟ گورے اور سرخ بچے ہی بچے ہیں؟ کیا صرف انگریزی بولنے والے ہی انسان ہیں؟ کیا صرف سرخ ہونٹوں سے نکلنے والی چیخیں ہی چیخیں ہیں؟ کیا صرف گوری چمڑی کا درد ہی درد ہے؟ اور کیا صرف مغربی جسموں کی تکلیف ہی تکلیف ہے؟ سوچنے کی بات ہے، کیا افغانوں کا لہو، لہو نہیں؟ کیا نجف، بغداد اور موصل کی نعشیں، نعشیں نہیں؟ کیا غزہ اور مغربی کنارے کی مائیں، مائیں نہیں؟ کیا سوڈان کے بچے، بچے نہیں؟ کیا گوانتاناموبے کی چیخیں، چیخیں نہیں؟ سوچنے کی بات ہے، جب امریکی طیاروں نے افغانستان کی ایک بارات پر بم برسائے تھے، جب ایک حملے میں پورا بے گناہ گاؤں قتل ہوگیا تھا، جب زمین پر معصوم بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور بچوں کی

تین سو نعشیں پڑی تھیں اور جب پنٹاگون نے اس قتلِ عام کو ''مسٹیک'' قرار دے کر خود کو بَری کر دیا تھا، تو اس وقت انسانیت کہاں تھی؟ سوچنے کی بات ہے۔ آج جب دُنیا میں سب سے زیادہ معذور لوگ افغانستان میں ہیں، آج جب افغانستان کو دُنیا کا سب سے بڑا قبرستان قرار دیا جاتا ہے، آج جب افغانستان میں ایک بھی ایسا انسان باقی نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے بہتا ہوا خون نہ دیکھا ہو، جس نے کوئی نعش نہ دفنائی ہو، اور جس کے ہاتھوں میں اس کے کسی عزیز نے دَم نہ توڑا ہو، تورا بورا کے پہاڑ ہوں قلعہ جنگی کی اندھی دیواریں، افغانستان کا چپہ چپہ امریکی بربریت، امریکی درندگی اور امریکی سفاکی کا گواہ ہے۔ سوچنے کی بات ہے، جب افغانستان کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو کنٹینروں میں بھرا گیا، جب ان کنٹینروں کو صحرا میں چھوڑ دیا گیا، اس وقت انسانیت کہاں تھی؟ جب بغداد پر موت اُتاری گئی، جب موصل اور نجف پر لاکھوں ٹن بارود پھینکا گیا، جب عراقی خواتین اغوا کی گئیں اور جب صحرا سے عورتوں کی برہنہ نعشیں ملیں، جب ابوغریب جیل کے غریبوں پر کتے چھوڑے گئے، جب ان کے چہروں پر انڈر ویئر چڑھائے گئے، جب زندہ انسانوں کو مردہ انسانوں کا لہو پینے پر مجبور کیا گیا، جب بے گناہ چہروں پر غلاظت ملی گئی، جب زخمی انسانوں کو نعشوں میں پھینک دیا گیا، اور جب معصوم لوگوں کے ہاتھوں پر بجلی کی تاریں باندھ کر انہیں بنچ پر کھڑا کر دیا گیا، اس وقت تہذیب، شائستگی اور انسانی حقوق کہاں تھے...؟ اور سوچنے کی بات ہے، جب فلسطین کے ہر صحن میں چھ، چھ قبریں کھودی جا رہی تھیں، چھ، چھ ماہ کے

بچے توپ کے گولوں سے اُڑائے جارہے تھے، جب پورے پورے گاؤں پر بلڈوزر چلائے جارہے تھے، اور جب بچے کے جسم پر بم باندھ کر اسے ماں کی گود میں ڈالا جارہا تھا، اس وقت یہ کیمرے، یہ رپورٹر، اور یہ ٹیلیویژن کہاں تھے؟ اس وقت یہ چیخیں، آہیں اور یہ سسکیاں کہاں تھیں؟ اس وقت انہیں یہ محسوس کیوں نہیں ہوا...؟ موت ہر شخص کے لئے اندوہناک ہوتی ہے، یہ لوگ پتا نہیں کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ درد، درد ہوتا ہے، تکلیف، تکلیف ہوتی ہے، نعش، نعش ہوتی ہے اور خون، خون ہوتا ہے، اور دُنیا میں کسی خون، کسی نعش، کسی تکلیف اور کسی مدد کا کوئی مذہب، کوئی نسل اور کوئی نظریہ نہیں ہوتا، یہ محض نعشیں اور چیخیں ہوتی ہیں۔ پتا نہیں کیوں ان لوگوں نے سات جولائی اور گیارہ ستمبر سے سبق نہیں سیکھا؟ یہ لوگ اب تک فلسطینی، عراقی اور افغانی موت کو تھوڑی موت، مسلمانوں کی نعشوں کو چھوٹی نعشیں اور برطانوی اور امریکی نعشوں کو عظیم نعشیں، اور امریکی اور برطانوی موت کو بہت بڑی موت کیوں قرار دے رہے ہیں...؟ سوچنے کی بات ہے، یہ لوگ اب تک افغانی ماں اور برطانوی ماں کو الگ الگ خانے میں کیوں رکھتے ہیں؟ یہ مظلوم کو محض مظلوم اور ظالم کو محض ظالم کیوں نہیں سمجھتے؟ سوچنے کی بات...!''

(روزنامہ ''جنگ'' لندن ۱۶؍جولائی ۲۰۰۵ء)

کیا کوئی مسلمان ان ''مہذّب'' درندوں سے پوچھ سکتا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو مہذّب کہہ کر مسلم اقوام کا استحصال کرنا، انہیں ہر طرح کے ظلم و تشدّد کا نشانہ بنانا، ان سے قومی، ملّی اور مذہبی آزادی سلب کرنا، ان سے زندہ رہنے اور جینے کا حق چھیننا، اور ان کی جان، مال، عزّت اور آبرو پر ڈاکا ڈالنا روا ہے؟ اگر نہیں، اور یقیناً

نہیں، تو یہ دوغلا پن کہاں کا عدل و انصاف اور کہاں کی تہذیب و شائستگی ہے...؟

۱۱رستمبر کے بعد صدر بش نے بھی قریب قریب وہی الفاظ کہے تھے جو ۷رجولائی کے بعد ٹونی بلیر نے دہرائے ہیں کہ: ''دہشت گردوں نے مہذّب اقوام پر حملہ کیا ہے'' اور اس کے بعد سے آج تک مسلمان، صدر بش کے بغض و عداوت اور انتقام کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اور انہیں نیپام بموں کی شکل میں نام نہاد امریکی تہذیب و شائستگی کے شہ پاروں کا سامنا ہے۔ افسوس صد افسوس! کہ مسلسل تین سال سے مسلمان اس ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں، مگر ابھی تک امریکی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی اور نہیں معلوم آئندہ کب تک مسلمان انتقام کے اس جہنم میں جلتے رہیں گے؟

اُمتِ مسلمہ ابھی تک ۱۱رستمبر کی صہیونی سازش اور اس کی دِل ہلا دینے والی عقوبتوں سے آزاد نہ ہو پائی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف ایک نئی سازش تیار کرلی گئی۔

اب ۷رجولائی کے بم دھماکوں کے موقع پر برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیر کا ٹھیک انہی الفاظ کو دہرانا کہیں صدر بش کے عہد کی تجدید اور مسلمانوں کے خلاف نئے محاذ کھلنے کی ''نوید'' تو نہیں؟

تازہ ترین اطلاعات، حالات اور واقعات کے مطابق موجودہ کارروائی بھی مسلمانوں کے کھاتے میں ڈال دی گئی ہے اور اس کے ذریعے مسلمانوں کو ظلم و تشدّد کا تختۂ مشق بنانے کا تہیہ کرلیا گیا ہے، اور انہیں بدنام کرنے، ان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے شرمناک منصوبے کو عملی شکل دینے کا وقت آ گیا ہے۔ چونکہ ذرائع ابلاغ کی ''مہربانی'' سے خالی الذہن برطانوی عوام کو یقین کی حد تک یہ باور کرادیا گیا ہے کہ اس کے ذمہ دار مسلمان ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک بھر کی متعدّد مساجد اور اسلامک سینٹروں پر حملوں کی خبریں اخبارات میں شائع ہونے لگی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ بے قصور مسلمانوں کی گرفتاریاں، ان کے گھروں پر پولیس کا دھاوا بھی اس کی

نشاندہی کرتا ہے۔

خصوصاً وہ مسلمان جو اس سانحے میں کام آگئے، ان کے گھر والوں، اعزّہ اقرباء اور متعلقین کو تنگ کرنا، ان کے بوڑھے والدین، پردہ نشین خواتین اور معصوم بچوں کو ہراساں کرنا، تفتیش کے بہانے انہیں گرفتار کرنا، ان سے توہین آمیز سلوک کرنا، انہیں ذرائع ابلاغ کے سامنے بدنام کرنا، ان کو موردِ الزام ٹھہرانا اور زور دے کر کہنا کہ یہ مسلمانوں کی کاروائی ہے اور وہی اس میں ملوّث ہیں وغیرہ وغیرہ، اس بات کی چغلی کھاتے ہیں کہ ۷؍جولائی کا سانحہ بھی طے شدہ منصوبہ اور بہانہ ہے جو ۱۱؍ستمبر کی طرح مسلمانوں پر ظلم وتشدّد کے جواز اور انہیں تہ تیغ کرنے کے لئے تراشا گیا ہے۔

حالات و واقعات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اور ایجنسیوں نے پہلے سے یہ طے کر رکھا تھا کہ اس سانحے کا ملبہ ہر حال میں مسلمانوں پر گرایا جائے گا۔

ورنہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ حادثے میں کام آنے والے مسلمان ہی اس کے ذمہ دار تھے؟ سوال یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار کوئی یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ یا آئی.آر.اے بھی تو ہوسکتی ہے؟ آخر ان کا نام کیوں نہیں لیا جارہا؟ اس سانحے میں کل ۵۳ افراد ہلاک ہوئے، جن میں سے کچھ مسلمان بھی تھے، اگر مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں تو دُوسرے کیوں نہیں؟ اگر دُوسرے نہیں تو مسلمان کیوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ مسلمان بھی دُوسرے مسافروں کی طرح اپنی منزلِ مقصود کی طرف جاتے ہوئے اس سانحے کا شکار ہوگئے ہوں؟ پھر انہیں دہشت گرد کہنا اور ان کے پسماندگان کو بدنام کرنا کہاں کا عدل و انصاف اور کہاں کی تہذیب و شائستگی ہے...؟

بہرحال! مہذّب دُنیا کے مہذّب حکمرانوں کو اس غیر مہذّب طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے، مسلمانوں کی نسل کشی اور بے قصور و معصوم انسانوں پر ظلم وتشدّد سے باز آجانا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یورپ کے مسلمانوں کو مشترکہ لائحہ عمل طے کرکے اپنے خلاف کی جانے والی اس سازش کا سدِ باب کرنا چاہئے، جبکہ دُنیا بھر کے

مسلمان حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ اس غیرانسانی اور غیرمہذّب پالیسی کے خلاف مؤثر اور بھرپور آواز اُٹھا کر مسلم کشی کی اس پالیسی کا رُخ موڑنے کی اپنی سی کوشش کریں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آلهٖ و أصحابهٖ أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رجب المرجب ۱۴۲۶ھ)